Title - SHOLA-E-TAUR.

Creator - Jigar Moradabadi.

Publisher - Naami Press (Lucknow)

Date - N.A.

Pages -

Subjects - Urdu Shayari - Majmua Kalaam.

مسعود حسین

۴ مئی ۱۹۴۹
علی گڑھ

ہجوم تجلی سے معمور ہو کر
نظر رہ گئی شعلۂ طور ہو کر

شعلۂ طور
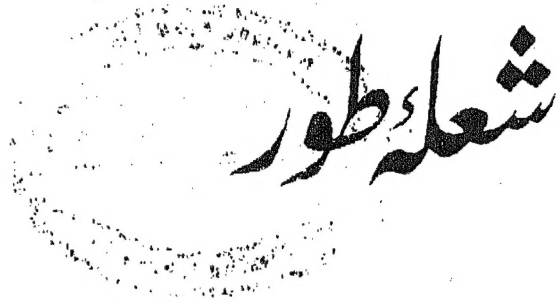
جگر مرادآبادی

مکتبہ جامعہ
دہلی، نئی دہلی، لاہور، لکھنؤ، بمبئی ۳

بار پنجم ۳۰۰۰
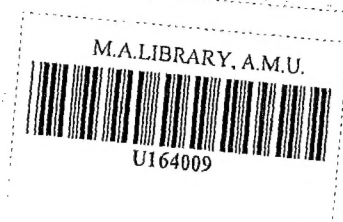
ستمبر ۱۹۴۳ء

قیمت قسم اول ۔ مطبوعہ محبوب المطابع ۔ دہلی ۔ قیمت قسم دوم

انتساب

میں اپنی ان ادبی کاوشوں اور جگر پاروں کو
مولائی و آقائی حضرت مولانا اصغر حسین صاحب اصغرؔ
گونڈوی قبلہ مرحوم و مغفور کے اسم گرامی پر جن کے فیضان توجہ
اور برکات تربیت کا نتیجہ وہ سب کچھ ہے جو شعلۂ طور کی صورت
میں حاضر کیا جا رہا ہے

اور

مخدوم و محترم صفی الدولہ حسام الملک شمس العلما نواب علی حسن خاں
صاحب طاؔہر مرحوم کے نام نامی پر جن کی سعیٔ بلیغ کا یہ کرشمہ
تھا کہ شعلۂ طور مکمل تہذیب اور ترتیب کے ساتھ پیش کیا جا سکا۔
اپنے دل کی تمام گہرائیوں کے ساتھ معنون کرتا ہوں۔

جگر مرادآبادی

فہرست

۳ - فارسی کلام ۳۸۹ - ۴۱۹

تفصیل غزلیاتِ اُردو

(ا)

دورِ چہارم :- صفحہ

دورِ سوم:

دورِ دوم:

(ب)

دورِ چہارم :-

دور دوم :-

دورِ اول :-

(پ)

دورِ اول :-

(ت)

دورِ سوم :-

(ج)

(د)

دورِ چہارم :-

دورِ اول :-

(ر)

دورِ چہارم

دورِ سوم :-

دورِ اول :—

جگر پارے

تفصیلِ غزلیاتِ فارسی

وارداتِ جگر

یعنی

کلامِ عہدِ حاضر

یا

دورِ چہارم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(الف)

تجھی سے ابتدا ہے، تو ہی اِک دن انتہا ہوگا
صدائے ساز ہوگی، اور نہ ساز بے صدا ہوگا

ہمیں معلوم ہے، ہم سے سُنو محشر میں کیا ہوگا؟
سب اُس کو دیکھتے ہوں گے، وہ ہم کو دیکھتا ہوگا

سرِ محشر ہم ایسے عاصیوں کا اور کیا ہوگا؟
درِ جنّت نہ وا ہوگا، درِ رحمت تو وا ہوگا

جہنّم ہو کہ جنّت، جو بھی ہوگا فیصلہ ہوگا
یہ کیا کم ہے، ہمارا اور اُن کا سامنا ہوگا

ازل ہو یا ابد، دونوں اسیرِ زلفِ حضرت ہیں
جدھر نظریں اُٹھاؤ گے، یہی اِک سلسلہ ہوگا

یہ نسبت عشق کی، بے رنگ لائے رہ نہیں سکتی
جو محبوبِ خدا کا ہے، وہ محبوبِ خدا ہوگا

اسی اُمید پر ہم طالبانِ درد جیتے ہیں
خوشا دردے کہ تیرا درد، دردِ لادوا ہوگا

نگاہِ قہر پر بھی جان و دل سب کھوئے بیٹھا ہے　　نگاہِ مہر عاشق پر اگر ہوگی تو کیا ہوگا؟

یہ مانا بھیج دے گا ہم کو محشر سے جہنم میں　　مگر جو دل پہ گزرے گی وہ دل ہی جانتا ہوگا

سمجھتا کیا ہے تو دیوانگانِ عشق کو زاہد!　　یہ ہو جائیں گے جس جانب اُسی جانب خدا ہوگا

جگر کا ہاتھ ہوگا حشر میں اور دامنِ حضرت

شکایت ہو کہ شکوہ جو بھی ہوگا برملا ہوگا　　(کرہل ضلع مین پوری)

عشق کو بے نقاب ہونا تھا　　آپ اپنا جواب ہونا تھا

مستِ[1] جامِ شراب ہونا تھا　قطعہ　بے خودِ اضطراب ہونا تھا

تیری آنکھوں کا کچھ قصور نہیں　　ہاں مجھی کو خراب ہونا تھا

آؤ مل جاؤ مسکرا کے گلے　　ہو چکا جو عتاب ہونا تھا

کوچۂ عشق میں نکل آیا　　جس کو خانہ خراب ہونا تھا

مستِ جامِ شراب خاک ہوئے　　غرقِ جامِ شراب ہونا تھا

---

(۱) میں اس پابندی کا مخالف ہوں کہ قطعہ کو مطلع سے شروع نہ ہونا چاہیے۔

دل، کہ جس پر ہیں نقش و نگار رنگ اس کو سادہ کتاب ہونا تھا
ہم نے ناکامیوں کو ڈھونڈ لیا آخرش کامیاب ہونا تھا
ہائے، وہ لمحۂ سکوں، کہ جسے محشرِ اضطراب ہونا تھا
نگہِ یار خود تڑپ اُٹھتی شرطِ اوّل خراب ہونا تھا
کیوں نہ ہوتا ستم بھی بے پایاں کرم بے حساب ہونا تھا
کیوں نظر حیرتوں میں ڈوب گئی موجِ صد اضطراب ہونا تھا

ہو چکا روزِ اولیں ہی جگرؔ!
جس کو جتنا خراب ہونا تھا (مین پوری)

ایک رنگیں نقاب نے مارا حسن بن کر حجاب نے مارا
جلوۂ آفتاب کیا کہئے؟ سایۂ آفتاب نے مارا
اپنے سینے ہی پر پڑا اکثر تیر جو اضطراب نے مارا
نگہِ شوق و دعوئ دیدار اس حجاب الحجاب نے مارا
ہم نہ مرتے ترے تغافل سے پرسشِ بے حساب نے مارا

لذتِ دیدِ بے حجاب، نہ پوچھا — درد بے اضطراب نے مارا
چھپتے ہیں اور چھپا نہیں جاتا — اس ادائے حجاب نے مارا
حشر تک ہم نہ مرنے والوں کو — مرگِ ناکامیاب نے مارا
پاتے ہی اک اشارۂ نازک — دم، نہ پھر اضطراب نے مارا

دِل، کہ تھا جانِ زیست، آہ جگرؔ!
اِسی خانہ خراب نے مارا (مین پوری)

ستمِ کامیاب نے مارا — کرمِ لاجواب نے مارا
خود ہوئی گم ہمیں بھی کھو بیٹھی — نگہِ باریاب نے مارا
زندگی تھی حجاب کے دم تک — برہمیٔ حجاب نے مارا
عشق کے ہر سکون آخر کو — حسن کے اضطراب نے مارا
خود نظر بن گئی حجابِ نظر — ہائے اس بے حجاب نے مارا
میں ترا عکس ہوں کہ تو میرا؟ — اس سوال و جواب نے مارا
کوئی پوچھے کہ رہ کے پہلو میں — تیر کیا اضطراب نے مارا

بچ رہا جو تری تجلّی سے — اُس کو تیرے حجاب نے مارا

اب نظر کو کہیں قرار نہیں — کاوشِ انتخاب نے مارا

سب کو مارا جگرؔ کے شعروں نے

اور جگرؔ کو شراب نے مارا — (امین پوری)

شورشِ کائنات نے مارا — موت بن کر حیات نے مارا

پرتوِ حُسنِ ذات نے مارا — مجھ کو میری صفات نے مارا

ستمِ یار کی دُہائی ہے — نگہِ التفات نے مارا

میں تھا رازِ حیات اور مجھے — میرے رازِ حیات نے مارا

ستمِ زیست آفریں کی قسم — خطرۂ التفات نے مارا

موت کیا؟ ایک لفظِ بے معنی — جس کو مارا حیات نے مارا

جو پڑی دل پہ سہہ گئے لیکن — ایک نازک سی بات نے مارا

شکوۂ موت کیا کریں، کہ جگرؔ

آرزوئے حیات نے مارا — (امین پوری)

عاشق کو غمِ عشق کے آزار نے مارا | اِک یار کو اِک یارِ وفادار نے مارا
تو نے نہ اُٹھایا رُخِ نادیدہ سے پردہ | دُنیا کو تری حسرتِ دیدار نے مارا
ہاں اے لبِ جاں بخش! دُہائی ہی دُہائی | انکار سے بڑھ کر ترے اقرار نے مارا
ہونے کو تو، ہر مرگِ محبت ہی مبارک | اے عشق! خوشا وہ کہ جسے یار نے مارا
کیا اُس کی محبت کا ٹھکانا کہ جسے آہ | انکارِ محبت کے بھی اقرار نے مارا
کچھ کہہ تو گیا، برقِ غضب نے جسے پھونکا | اُف کر نہ سکا جس کو ترے پیار نے مارا

دونوں ہی جفا جو ہیں جگر! عشق ہو یا حُسن
اِک یار نے لوٹا مجھے، اِک یار نے مارا

(غالباً الہ آباد حضرت اصغر کی خدمت میں رہ کر)

عشق کی یہ نمودِ پیہم کیسا؟ | ہو تمھی تم اگر، تو پھر ہم کیا؟
آہِ بیتاب و اشکِ پیہم کیا؟ | نقدِ غم ہے، تو حاصلِ غم کیا؟
جز ترے، کچھ نظر نہیں آتا | آرزو بن گئی مجسم کیا؟
تیرا ملنا، ترا نہیں ملنا | اور جنت ہے کیا، جہنم کیا؟

میں وہاں ہوں جہاں نہیں ہیں بھی — عالم دما ورائے عالم کیا؟
ہم ہیں تیرے، درد یقیں تیری — شکر راحت شکایت غم کیا؟
اُن نگاہوں کے سب کرشمے ہیں — ورنہ یہ اضطراب پیہم کیا؟
کر لیا دل نے عیش وصل قبول — پا گیا کچھ شباہت غم کیا؟
نیت شب بخیر اے ساقی! — بزم جم کیا ہے؟ ساغر جم کیا؟
شوق گستاخ کر چکا تقصیر — دیکھتا اب ہے حسن برہم کیا؟
موت کی نیند چھائی جاتی ہے — کہہ چکا ہیں فسانۂ غم کیا؟
ہمہ تن عشق بر ملا بن جا — درد کی اک صدائے مبہم کیا؟
اُس نظر میں نہیں سماتا کچھ — جانِ بیتاب وچشم پرنم کیا؟

عشقِ خاموش کے مزے ہیں جگرؔ!
جوشِ فریاد وشورِ ماتم کیا؟ (کرنال ضلع مین پوری)

کام آخر جذبۂ بے اختیار آہی گیا — دل کچھ اس صورت سے تڑپا، انکو پیار آہی گیا
جب نگاہیں اُٹھ گئیں اللہ ری معراجِ شوق — دیکھتا کیا ہوں وہ جانِ انتظار آہی گیا

ہائے یہ حسنِ تصور کا فریبِ رنگ و بو — میں یہ سمجھا جیسے وہ جانِ بہار آ ہی گیا!

ہاں سزا دے اے خدائے عشق اے توفیقِ غم! — پھر زبانِ بے ادب پر ذکرِ یار آ ہی گیا

اس طرح خوش ہوں کسی کے وعدۂ فردا پہ میں — درحقیقت جیسے مجھ کو اعتبار آ ہی گیا

ہائے کافر دل کی یہ کافر جنوں انگیزیاں — تم کو پیار آئے نہ آئے مجھ کو پیار آ ہی گیا

درد نے کروٹ ہی بدلی تھی کہ دل کی آڑ سے — دفعتاً پردہ اٹھا اور پردہ دار[1] آ ہی گیا

دل نے اک نالہ کیا آج اس طرح دیوانہ وار — بال بکھرائے کوئی مستانہ وار[2] آ ہی گیا

جان ہی دے دی جگر نے آج پائے یار پر
عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا (جھانسی)

کس نظر سے آج وہ دیکھا کیا — دل مرا، ڈوبا کیا، اچھلا کیا

حسن سے بھی دل کو بے پروا کیا — کیا کیا اے عشق! تو نے کیا کیا!

تو نے سو سو رنگ سے پردہ کیا — دیکھنے والا تجھے دیکھا کیا

وہ بھی نکلی اک شعاعِ برقِ حسن — میں جسے اپنی نظر سمجھا کیا

[1، 2] اہلِ فارس ان معنوں میں استعمال نہیں کرتے لیکن میرا ذوق اسے جائز قرار دیتا ہے۔ جگر

لذّتِ ناکامیابی! الاماں ۔۔۔ تو نے ہر امروز کو فردا کیا
اب نظر کو بھی نہیں دم بھر قرار ۔۔۔ اس نے بھی اندازِ دل پیدا کیا
اُٹھ کے جاتے ہی، یہ حیرت چھا گئی ۔۔۔ جس طرف دیکھا کیا، دیکھا کیا

مجھ سے قایم ہیں جنوں کی عظمتیں
میں نے صحرا کو جگر صحرا کیا (غالباً بن پوری)

دل نے سینے میں تڑپ کر انھیں جب یاد کیا ۔۔۔ در و دیوار کو آمادۂ فریاد کیا
وصل سے شاد کیا، ہجر سے ناشاد کیا ۔۔۔ اس نے جس طرح سے چاہا مجھے برباد کیا
تم مرے رونے پہ روئے، ستم ایجاد کیا ۔۔۔ عشق کی روح کو آمادۂ فریاد کیا
صبر دو دن نہ ہوا، روئے بہت یاد کیا ۔۔۔ اب نہ کہنا یہ زباں سے تجھے آزاد کیا
لاکھ جانیں ہوں، تو پھر اُن پہ تصدّق کر دوں ۔۔۔ وہ یہ فرمائیں کہ ہم نے اسے برباد کیا
کیا طریقہ ہے یہ صیّاد کا اللہ اللہ ۔۔۔ ایک کو قید کیا، ایک کو آزاد کیا
ہم کو دیکھ، او غمِ فرقت کے نہ سننے والے! ۔۔۔ اس بُرے حال میں بھی ہم نے تجھے یاد کیا
اور کیا چاہئے سرمایۂ تسکیں اے دوست! ۔۔۔ اِک نظر دل کی طرف دیکھ لیا شاد کیا

شرحِ نیرنگیٔ اسباب کہاں تک کیجے — مختصر یہ کہ ہمیں آپ نے برباد کیا

پردۂ شوق سے اک برق تڑپ کر نکلی — یاد کرنے کی طرح سے انھیں جب یاد کیا

مہرباں ہم پہ رہی چشمِ سخن گو اُن کی — جب ملی آنکھ، نگاہوں نے کچھ ارشاد کیا

دل کا کیا حال کہوں، جوشِ جنوں کے ہاتھوں — اک گھروندا سا، بنایا، کبھی برباد کیا

اب سے پہلے تو نہ تھا ذوقِ محبت رُسوا — شاید اُن مست نگاہوں نے کچھ ارشاد کیا

عشق کیوں سوگ مناتا، یہ خوشی کیا کم ہے — دل یہ جس کا تھا، اُسی نے اسے برباد کیا

بدعا بھی، کہ دعا، کچھ نہیں کھلتا لیکن — چپکے چپکے لبِ نازک سے کچھ ارشاد کیا

جُرمِ مجبوریٔ بے تابیٔ آہی توبہ — یہ بھی اک بے ادبی تھی کہ تجھے یاد کیا

موت اک دامِ گرفتاریٔ تازہ ہے جگرؔ

یہ نہ سمجھو کہ غمِ عشق نے آزاد کیا (مین پوری)

اُس کی نظروں میں انتخاب ہوا — دل، عجب حسن سے خراب ہوا

عشق کا سحر کامیاب ہوا — میں ترا، تو مرا جواب ہوا

ہر نفس موجِ اضطراب ہوا — زندگی کیا ہوئی عذاب ہوا

جذبۂ شوق، کامیاب ہوا — آج مجھ سے انھیں حجاب ہوا

میں بنوں کس لئے نہ مستِ شراب — کیوں مجسّم کوئی شباب ہوا

نگہِ ناز بے خبر، ورنہ — درد، محبوبِ اضطراب ہوا

میری بربادیاں دُرست، مگر — تو بتا، کیا تجھے ثواب ہوا

عین قربت بھی، عین فرقت بھی — ہائے وہ قطرہ، جو حباب ہوا

مستیاں، ہر طرف ہیں آوارہ — کون غارت گرِ شراب ہوا

دِل کو چھونا، نہ اے نسیمِ کرم! — اب یہ دل، اک کش حباب ہوا

عشقِ بے امتیاز کے ہاتھوں — حسن، خود بھی شکست یاب ہوا

جب وہ آئے، تو پیشتر سب سے — میری آنکھوں کو اذنِ خواب ہوا

دل کی ہر چیز جگمگا اُٹھی — آج شاید وہ بے نقاب ہوا

دورِ ہنگامۂ نشاط نہ پوچھ — اب وہ سب کچھ خیال و خواب ہوا

تو نے جس اشک پر نظر ڈالی — جوش کھا کر وہی شراب ہوا

ستمِ خاصِ یار ہی کی قسم — کرمِ یار، بے حساب ہوا

عرضِ نیازِ غم کو، لب آشنا نہ کرنا — یہ بھی اِک التجا ہے، کچھ التجا نہ کرنا

جب یاد آگیا ہے، پھر بس رُلا گیا ہے — دل کا وہ مجھ سے کہنا، "مجھ کو جدا نہ کرنا"

میں خوگرِ ستم ہوں، پروردۂ الم ہوں — جور و جفا کے مالک! پھر تو وفا نہ کرنا

دل جب سے مر مٹا ہے، کچھ اور ہی فضا ہے — میری یہ التجا ہے تم سامنا نہ کرنا

کوئی سمجھ سکے تو بخت دل سے سمجھے — دل میں بھی اسکے رہنا پھر بھی جانا نہ کرنا

دل سے خطا ہوئی، تو اب دل ہے اور میں ہوں — نازک معاملہ ہے، تم فیصلا نہ کرنا

یہ راز عشق اے دل! ہے راز خاص اُن کا — وہ بھی جو تجھ سے پوچھیں، تو اعتنا نہ کرنا

یا رب! غمِ محبت سب بخش دے مجھی کو — میرے سوا کسی کو اب مبتلا نہ کرنا

جتنی ضدیں ہیں اے دل! تو شوق سے کیے جا — مجھ کو بھی تا قیامت، تیرا کہا نہ کرنا

تیرے جگر کی تجھ سے اک التجا ہی ہے
اپنے جگر کو اپنے دل سے جدا نہ کرنا (مین پوری)

میرا جو حال ہو سو ہو برق نظر گرائے جا — میں یونہی نالہ کش رہوں تو یونہی مسکرائے جا

دل کے ہر ایک گوشہ میں آگ سی اک لگائے جا — مطربِ آتشیں نوا[۱]! ہاں اسی دھن میں گائے جا

---

[۱] میری حیات معاشقہ کے ایک خاص واقعے سے متعلق ـ جگر

لحظہ بہ لحظہ، دم بدم، جلوہ بہ جلوہ آئے جا   تشنۂ حسنِ ذات ہوں، تشنہ لبی بڑھائے جا

جتنی بھی آج پی سکوں، عذر نہ کر پلائے جا   مست نظر کا واسطہ، مست نظر بنائے جا

لطف سہی ہو کہ قہر سہی، ہوگا کبھی تو روبرو   اُس کا جہاں پتا چلے، شور وہیں مچائے جا

عشق کو مطمئن نہ رکھ، حُسن کے اعتماد پر

وہ تجھے آزما چکا، تو اُسے آزمائے جا   (لکھنؤ)

کیا کر گیا اک جلوۂ مستانہ کسی کا   رُکتا نہیں زنجیر سے دیوانہ کسی کا

کہتا ہے سرِ حشر، یہ دیوانہ کسی کا   جنّت سے الگ چاہیئے ویرانہ کسی کا

آپس میں اُلجھتے ہیں عبث شیخ و برہمن   کعبہ نہ کسی کا ہے، نہ بت خانہ کسی کا

جس کی نگہِ سادہ کے ہم مارے ہوئے ہیں   وہ شوخ یگانہ ہے نہ بیگانہ کسی کا

بیساختہ آج اُن کے بھی آنسو نکل آئے   دیکھا نہ گیا حالِ فقیرانہ کسی کا

ہر دل میں غمِ عشق ہے اقرار در اقرار   ہر لب پہ ہے افسانہ در افسانہ کسی کا

یوں عام نہ کر کیفِ غمِ عشق کو اے دل!   کم بخت! یہ میخانہ ہے میخانہ کسی کا

اُس کو بھی جگر! دیکھ لیا خاک میں ملتے   وہ اشک جو تھا گوہرِ یک دانہ کسی کا

جواب بھی نہ تکلیف فرمایئے گا ۔۔۔ تو بس ہاتھ ملتے ہی رہ جایئے گا

نگاہوں سے چھپ کر کہاں جایئے گا ۔۔۔ جہاں جایئے گا، ہمیں پایئے گا

مرا جب بُرا حال سُن پایئے گا ۔۔۔ خراماں خراماں چلے آیئے گا

مٹا کر ہمیں آپ پچھتایئے گا ۔۔۔ کمی کوئی محسوس فرمایئے گا

نہیں کھیل اے صبح! جنوں کی حقیقت ۔۔۔ سمجھ لیجیے گا، تو سمجھایئے گا

ہمیں بھی یہ اب دیکھنا ہے، کہ ہم پر ۔۔۔ کہاں تک توجہ نہ فرمایئے گا

ستم عشق میں آپ آساں نہ سمجھیں ۔۔۔ تڑپ جایئے گا، جو تڑپایئے گا

یہ دل ہے اسے دل ہی بس رہنے دیجے ۔۔۔ کرم کیجیے گا، تو پچھتایئے گا

کہیں چپ رہی ہے زبانِ محبت ۔۔۔ نہ فرمایئے گا، تو فرمایئے گا

بُھلانا ہمارا، مبارک مبارک ۔۔۔ مگر شرط یہ ہے، نہ یاد آیئے گا

ہمیں بھی نہ اب چین آئے گا جب تک ۔۔۔ اِن آنکھوں میں آنسو نہ بھر لایئے گا

ترا جذبۂ شوق ہے بے حقیقت ۔۔۔ ذرا پھر تو ارشاد فرمایئے گا

ہمیں جب نہ ہوں گے، تو کیا رنگِ محفل ۔۔۔ کسے دیکھ کر آپ شرمایئے گا

یہ مانا کہ دے کر ہمیں رنجِ فرقت　قطعہ　مداوائے فرقت نہ فرمائیے گا

محبت، محبت ہی رہتی ہے لیکن　کہاں تک طبیعت کو بہلائیے گا

نہ ہوگا ہمارا ہی آغوش خالی　کچھ اپنا بھی پہلو تہی پائیے گا

جنوں کی جگر! کوئی حد بھی ہے آخر

کہاں تک کسی پر ستم ڈھائیے گا　(بھوپال)

نظر ملا کے، مرے پاس آکے لوٹ لیا　نظر ہٹی تھی کہ پھر مسکرا کے لوٹ لیا

شکستِ حسن کا جلوہ دکھا کے لوٹ لیا　نگاہ نیچی کیے، سر جھکا کے لوٹ لیا

دہائی ہے، مرے اللہ کی دہائی ہے　کسی نے مجھ سے بھی مجھ کو چھپا کے لوٹ لیا

سلام اُس پہ کہ جس نے اُٹھا کے پردۂ دل　مجھی میں رہ کے، مجھی میں سما کے لوٹ لیا

انھیں کے دل سے کوئی اُس کی عظمتیں پوچھے　وہ ایک دل جسے سب کچھ لٹا کے لوٹ لیا

یہاں تو خود تری ہستی ہے عشق کو درکار　وہ اور ہونگے جنھیں مسکرا کے لوٹ لیا

خوشا وہ جان، جسے دی گئی امانتِ عشق　زہے وہ دل، جسے اپنا بنا کے لوٹ لیا

بڑے وہ آئے دل و جاں کے لوٹنے والے　نظر سے چھیڑ دیا، گدگدا کے لوٹ لیا

نگاہ ڈال دی جس پر حسین آنکھوں نے	اُسے بھی حسنِ مجسّم بنا کے لوٹ لیا
رہا خرابِ محبت ہی وہ جسے تو نے	خود اپنا دردِ محبت دکھا کے لوٹ لیا
کوئی یہ لوٹ تو دیکھے کہ اُس نے جب چاہا	تمام ہستیِ دل کو جگا کے لوٹ لیا
کرشمہ سازیِ حسنِ ازل ارے توبہ	مرا ہی آئینہ مجھ کو دکھا کے لوٹ لیا

نہ لُٹتے ہم، مگر، اُن مست انکھڑیوں نے جگر
نظر بچاتے ہوئے، ڈبڈبا کے لوٹ لیا (بھوپال)

نہ راہ زن، نہ کسی رہنما نے لوٹ لیا	ادائے عشق کو رسمِ وفا نے لوٹ لیا
نگاہِ لطف کی اِک اک ادا نے لوٹ لیا	وفا کے بھیس میں اس بے وفا نے لوٹ لیا
نہ پوچھ، شومیِ تقدیر خانہ بربادی	جمالِ یار کہاں! نقشِ پا نے لوٹ لیا
کسی بہارِ مجسّم کا آہ کیا شکوہ	مرے ہی اس دلِ رنگیں ادا نے لوٹ لیا
قسم ہے تیری پشیماں نگاہیوں کی قسم	مجھی کو خود مری شرمِ وفا نے لوٹ لیا
وہ دل کو توڑ کے بیٹھے تھے مطمئن کہ یہیں	شکستِ شیشۂ دل کی صدا نے لوٹ لیا
قریبِ دل ہی یکایک اُٹھے تھے کچھ فتنے	یہیں کہیں کسی محشر ادا نے لوٹ لیا

وہ ایک قطرۂ خوں بچ رہا تھا جو دل میں — اُسے بھی گوشۂ چشم حیا نے لوٹ لیا

وہی ہے، وہی انداز ہیں، وہی آنداز — مجھے تو اس دل آفت نوا نے لوٹ لیا

یہی وہ حضرتِ دل ہیں، یہی خضر نفس — جنابِ عشق کی اک "مرحبا" نے لوٹ لیا

دلِ تباہ کی روداد، اور کیا کہئے — خود اپنے شہر کو فرمانروا نے لوٹ لیا

زباں خموش، نظر بے قرار، چہرہ فق — تجھے بھی کیا تری کافر ادا نے لوٹ لیا

نہ اب خودی کا پتا ہے، نہ بیخودی کا جگر!

ہر ایک لطف کو، لطفِ خدا نے لوٹ لیا (لکھنؤ)

اب تو یہ بھی نہیں رہا احساس — درد ہوتا ہے یا نہیں ہوتا

عشق جب تک نہ کر چکے رُسوا — آدمی کام کا نہیں ہوتا

ٹوٹ پڑتا ہے دفعتاً جو عشق — بیشتر دیرپا نہیں ہوتا

وہ بھی ہوتا ہے ایک وقت کہ جب — ماسوا، ماسوا نہیں ہوتا

ہائے کیا ہو گیا طبیعت کو — غم بھی راحت فزا نہیں ہوتا

دل ہمارا ہے، یا تمھارا ہے — ہم سے یہ فیصلا نہیں ہوتا

جس پر تیری نظر نہیں ہوتی — اُس کی جانب خدا نہیں ہوتا

ہیں، کہ بیزار عمر بھر کے لئے — دل کہ دم بھر جدا نہیں ہوتا

وہ ہمارے قریب ہوتے ہیں — جب ہمارا پتا نہیں ہوتا

دل کو کیا کیا سکون ہوتا ہے — جب کوئی آسرا نہیں ہوتا

ہو کے اِک بار سامنا اُن سے

پھر کبھی سامنا نہیں ہوتا (لکھنؤ)

شباب حسن کا، حسنِ شباب دیکھ لیا — اُچھال اُچھال کے جامِ شراب دیکھ لیا

کہاں تک اب تری باتوں پہ اعتماد کریں — بہت تو اے دلِ خانہ خراب دیکھ لیا

جو ہم نہیں نہ سہی، کامیابِ غم یارا — تجھے تو اپنی جگہ کامیاب دیکھ لیا

کہیں نہ ہم، تو یہ سب اپنی مصلحت ورنہ — ہزار بار تجھے بے نقاب دیکھ لیا

یہی بہت ہے کہ اُس نے خود اپنی آنکھوں سے — خرابِ عشق کو اپنے خراب دیکھ لیا

غمِ نشاط و سرورِ الم، نہ پوچھ جگر

کبھی جب اُس نے بہ چشمِ پُر آب دیکھ لیا (لکھنؤ بھوپال ہاؤس)

ہر دم دُعائیں دینا، ہر لحظہ آہیں بھرنا — اُن کا بھی کام کرنا، اپنا بھی کام کرنا

ہاں کس کو ہے میسّر، یہ کام کر گزرنا — اک بانکپن سے جینا، اک بانکپن سے مرنا

جو زیست کو نہ سمجھیں، جو موت کو نہ جانیں — جینا انھی کا جینا، مرنا انھی کا مرنا

تیری عنایتوں سے مجھ کو بھی آ چلا ہے — تیری حمایتوں میں ہر ہر قدم گزرنا

ساحل کے لب سے پوچھو، دریا کے دل سے سمجھو — اک موج تہ نشیں کا مدت کے بعد اُبھرنا

اے شوق! تیرے صدقے پہنچا دیا کہاں تک — اے عشق! تیرے قرباں جینا ہی اب ہے مرنا

ہر ذرّہ آہ جس کا لبریز تشنگی ہے — اُس خاک کی بھی جانب اے ابرِ تر گزرنا

دریا کی زندگی پر صدقے ہزار جانیں — مجھ کو نہیں گوارا ساحل کی موت مرنا

رنگینیاں نہیں تو رعنائیاں بھی کیسی! — شبنم سی نازنیں کو آتا نہیں سنورنا

اشکوں کو بھی یہ جرأت، اللہ ری تیری قدرت — آنکھوں تک آتے آتے پھر دل میں جا ٹھہرنا

اے جانِ ناز! آجا آنکھوں کی راہ دل میں — اِن خشک ندیوں سے مشکل ہی کیا گزرنا

ہم بیخودانِ غم سے یہ راز کوئی سیکھے — جینا، مگر نہ جینا، مرنا مگر نہ مرنا

کچھ آ چلی ہے آہٹ اس پائے ناز کی سی — تجھ پر خدا کی رحمت اے دل! ذرا ٹھہرنا

(خونِ جگر کا حاصل اک شعرِ تر کی صورت
اپنا ہی عکس جس میں، اپنا ہی رنگ بھرنا) (مرادآباد)

شمشیرِ حسن و عشق کا بسمل بنا دیا | تم نے تو مجھ کو پیار کے قابل بنا دیا
ہر جنبشِ نگاہ پہ مائل بنا دیا | میرا ہی مجھ کو مدِ مقابل بنا دیا
آج اک حسین نے رشک کے قابل بنا دیا | آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے بے دل بنا دیا
قاتل نگاہِ ناز نے بسمل بنا دیا | بسمل بنا کے پھر مجھے قاتل بنا دیا
نازک مزاج عشق کی اللہ ری خاطریں | اپنی نزاکتوں کو مرا دل بنا دیا
ان شاعرانِ دہر پہ ہو عشق ہی کی مار | اک پیکرِ جمیل کو قاتل بنا دیا
دکھلا کے ایک جلوہ سراپائے حسن کا | آنکھوں کو اعتبار کے قابل بنا دیا

دونوں جہاں تو اپنی جگہ پر ہیں برقرار
کیا چیز تھی کہ جس کو مرا دل بنا دیا (مرادآباد)

اس چشمِ مست نے مجھے مخمور کر دیا | میں نے نظر ملا کے اسے چور کر دیا
میں ان کا ہو گیا انہیں مسرور کر دیا | وہ میرے بن گئے مجھے مغرور کر دیا

سرشار و مست بیخود و مسحور کر دیا
خود ہو گئے قریب مجھے دور کر دیا

اک وہم اعتبار رہی دو جہاں، مگر
اس اعتبار وہم نے مجبور کر دیا

ہشیار از نگاہِ ستم آشنائے دوست
شیشہ نہیں ہے دل کہ جسے چور کر دیا

وہ اور ناز عشق گوارا کریں مگر
اتنے کھنچے ہم ان سے کہ مجبور کر دیا

اب حسن کو بھی آنچ سے اسکی مفر نہیں
اتنا مزاج عشق کو محرور کر دیا

یہ عشق وہ بلا ہے کہ حسن ازل کو بھی
تخلیق کائنات پہ مجبور کر دیا

ان کو بھی ناز فتح اگر ہو تو بات ہے
مجھ کو تو ہر شکست نے مغرور کر دیا

فیض جمال دوست کے قربان جائیے
اک اک نفس کو صاعقۂ طور کر دیا

مدت کے بعد آج تو موجِ نسیم نے
ٹوٹے ہوئے دلوں کو بھی مسرور کر دیا

حسن ازل تو آج بھی بے پردہ ہے مگر
نظارے کے ہجوم نے مستور کر دیا

توبہ تو کر چکا تھا مگر اس کا کیا علاج
واعظ کی ضد نے پھر مجھے مجبور کر دیا

(بلند شہر)

اب کہاں زمانے میں دوسرا جواب اُنکا
فصل حسن ہے اُنکی موسم شباب اُن کا

اوج پر جمال اُنکا، جوش پر شباب اُنکا
عہد ماہتاب اُنکا دور آفتاب اُن کا

عرض شوق پر میری پہلے کچھ عتاب اُنکا
خاص اک ادا کے ساتھ اُف وہ پھر حجاب اُن کا

رنگ و بو کی دنیا میں اب کہاں جواب اُنکا
عشق فرش بزم اُنکا حسن فرش خواب اُن کا

ہم سے پوچھ اے ناصح دل گرفتگی اُنکی
ہم نے چھپ کے دیکھا ہے عالم پر آب اُن کا

پھول مسکراتے ہیں دل پہ چوٹ پڑتی ہے
ہائے وہ رخ خنداں اُف رے وہ شباب اُن کا

یونہی کھلتے جاتے ہیں حسن و عشق کے اسرار
اک نفس سوال اپنا، اک نفس جواب اُن کا

کیا اسی کو کہتے ہیں ربط و ضبط حسن و عشق
شوق نارسا اپنا، ناز کامیاب اُن کا

اس طرح سے ہوں غارت ہائے عشق کی غفلت
جاں کہ ہے صدا اُنکی، دل کہ ہے رباب اُن کا

رنگ و بو کے پردے میں حسن پھوٹ نکلا ہے
چھپ سکا چھپائے سے کیا کہیں شباب اُن کا

ضبط کا جنہیں دعویٰ عشق میں رہا اکثر
ہم نے حال دیکھا ہے بیشتر خراب اُن کا

اور کس کی طاقت، اور کس کی یہ جرأت
عشق آپ آڑ اپنی حسن خود حجاب اُن کا

کہیے حال دل لیکن دیکھیے کن آنکھوں سے
ہر سکوں کے پردے میں حشر اضطراب اُن کا

عشق ہی کے ہاتھ نہیں کچھ سکت نہیں ہستی
ورنہ چیز ہی کیا ہے گوشۂ نقاب اُن کا

جیسے حُسن کی دیوی جھانکتی ہو چلمن سے — نیم وا سی آنکھوں میں اُف وہ کیفِ خواب اُن کا

عرضِ غم نہ کر اے دل، دیکھ ہم نہ کہتے تھے — رہ گئے وہ "اُنھ" کر کے سُن لیا جواب اُن کا

تو جگر جو رُسوا ہے تو ہی آہ رسوا رہ — نام تو نہ کر رسوا خانماں خراب اُن کا

تو جگر سے مستوں پر طعن نہ کر نہ اے واعظ

تو غریب کیا جانے مسلکِ شراب اُن کا (مراد آباد بجنور)

تم اس دلِ وحشی کی وفاؤں پہ نہ جانا — اپنا نہ رہا جو، وہ کسی کا نہ رہے گا

مٹ جائیگی جس دن مرے سجدوں کی حقیقت — دُنیا میں ترا نقشِ کفِ پا نہ رہے گا

بے پردگیٔ حُسن سے ہیں سب یہ حجابات — پردا جو گرا دو گے، تو پردا نہ رہے گا

وہ لاکھ مٹاتے رہیں دنیائے تمنّا — کہتے ہیں جسے دل کبھی تنہا نہ رہے گا

مانا، لبِ نازک کو وہ تکلیف نہ دیں گے — آنکھوں سے بھی کیا کوئی اشارا نہ رہے گا

اللہ یہ ساون کی گھٹائیں یہ ہوائیں — کیا آج بھی شغلِ مے و مینا نہ رہے گا

۱؎ میں تشبیہات و استعارات کو بالطبع پسند نہیں کرتا اور ان چیزوں کی بہتات کو عجزِ طبع کی دلیل سمجھتا ہوں، تاہم کہیں کہیں بے اختیارانہ اس طرح کے اشعار بھی کہہ گیا ہوں لیکن اکثر خاص قسم کی ندرت اور جدت کے ساتھ۔ جگر

اس دل کو بنایا تو ہے شائستۂ حرماں
سنتے ہیں انھیں یہ بھی گوارا نہ رہے گا

(لکھنؤ بھوپال ہاؤس)

پھرتے ہیں در در وہ بہت شادماں سے کیا
واقف نہیں ابھی وہ غم ناگہاں سے کیا

جب تم نہیں تو فائدہ آہ و فغاں سے کیا
روئیں لپٹ لپٹ کے دلِ ناتواں سے کیا

پردہ نہیں تو لطف غمِ جاوداں سے کیا
پردہ اٹھائے دستِ طلب درمیاں سے کیا

دل ہی نہیں تو کام غمِ جاوداں سے کیا
غم ہی نہیں تو واسطہ عمرِ رواں سے کیا

غم کیا بلا کہ دولت کونین مل گئی
ہٹتے ہیں اب یہ ہاتھ دلِ ناتواں سے کیا

جن جا ز فرق تا بہ قدم اپنی خود صدا
شرح و بیان عشق نگاہ و زباں سے کیا

چہرہ بھی زرد زرد، نظر بھی اداس اداس
یہ حال ہو تو فائدہ ضبطِ فغاں سے کیا

سر دادگانِ عشق کہاں دردِ سر کہاں
سر ہی نہیں تو کام سرِ آستاں سے کیا

صیاد و برق ہی کی توجہ نہیں تو پھر
مجھ کو حصولِ خار و خسِ آشیاں سے کیا

پیشِ نگاہ شوق ہی خود حسن بے جہت
اب جی لگائیں جلوۂ حسنِ بتاں سے کیا

جان و جہاں نثار کر از اوّل قدم
اے بوالہوس معاملہ جان و جہاں سے کیا

مانا غرورِ عشق بھی اک چیز ہے مگر — اتنے بھی دور در ترے آستاں سے کیا

غم شاد شاد، حسن سراپا حزیں حزیں — اب یہ نظر ملے نظرِ عاشقاں سے کیا

یہ کوچۂ حبیب ہے دیر و حرم نہیں — لیجائے کوئی جان سلامت یہاں سے کیا

جس سے ہو جو معاملہ وہ خود ہی جان لے — مجھ کو غرض حسابِ دلِ دوستاں سے کیا

مطرب مزاج دانِ محبت نہیں مگر — نغمہ یہ اس نے چھیڑ دیا درمیاں سے کیا

لذت کشِ جفائے کرم ہائے دوست ہوں — دل سیر ہو سکے ستمِ دو جہاں سے کیا

خود حسن کی زبان ہو اور داستانِ عشق — اپنا بیانِ درد خود اپنی زبان سے کیا

پوچھے یہ کوئی اس بتِ ظاہر فریب سے — مجھ سے نہیں تو انس مری داستاں سے کیا

پابندگانِ عشق ہیں آزادگانِ عشق — نسبت ہی ان کو واسطۂ درمیاں سے کیا

معلوم ہی سب ایک نظر کے فریب ہیں — الجھے نگاہِ شوق زمان و مکاں سے کیا

کیا کم ہے یہ کہ نسبتِ کامل نصیب ہے

انعام سجدہ اور ترے آستاں سے کیا (رسالہ جامعہ جون ۳۸ء)

اسی چمن میں ہمارا بھی اک زمانہ تھا — یہیں کہیں کوئی سادہ سا آشیانہ تھا

الٰہی توبہ! میں اس جذبِ دل سے باز آیا
کہ آج اس کا ہر انداز والہانہ تھا

شباب و عشق کا اپنا بھی اک زمانہ تھا
خبر نہیں کہ حقیقت تھی یا فسانہ تھا

خوشا وہ دور کہ جب عشق ہی زمانہ تھا
نہ دشت و در تھے نہ گلشن نہ آشیانہ تھا

تمھیں گزر گئے دامن بچا کے ورنہ یہاں
وہی شباب، وہی دل، وہی زمانہ تھا

چمن چمن تھا مری چشمِ شوق میں جب تک
شرار و برق کے سائے میں آشیانہ تھا

کہاں کے حسن و محبت کہاں کے مہر و وفا
بس ایک سحرِ جوانی تھا اور زمانہ تھا

مٹا مٹا سہی ظالم وہ دل تھا میرا دل
بجھا بجھا سہی، پھر بھی چراغِ خانہ تھا

نصیب اب تو نہیں شاخ بھی نشیمن کی
لدا ہوا کبھی پھولوں سے آشیانہ تھا

کہاں کا واقعہ اتنا تو یاد ہے اب تک
نگاہِ دل کے ہٹی تھی کہ دل نشانہ تھا

نظر نے اور کیا کیا حصولِ غم کے سوا
کہ ربطِ خاص محبت تو غائبانہ تھا

تری قسم ارے او جلد روٹھنے والے
غرورِ عشق نہ تھا نازِ عاشقانہ تھا

بھلا دیا ہمیں تو نے تو رنج کیا لیکن
ہمیں بھی تیری محبت کو بھول جانا تھا

سمندِ عشق کہاں سیر گاہِ شوق کہاں
کہ ہر نفس رہِ منزل میں تازیانہ تھا

(رسالہ جامعہ اکتوبر سنہ ۳۳ء)

ہر اک جان و تن میں سماتا چلا جا — محبت کی بستی بساتا چلا جا

مئے شوق پیتا پلاتا چلا جا — یونہی لوٹتا چل لٹاتا چلا جا

قدم والہانہ بڑھاتا چلا جا — جدھر سے گزر مسکراتا چلا جا

نہیں یہ کہ بچتا بچاتا چلا جا — محبّت کی ہر چوٹ کھاتا چلا جا

مبارک یہ عزمِ سفر تجھ کو لیکن — رُلاتا اُٹھا ہے، ہنساتا چلا جا

شبابِ محبّت کو خود لوٹتا چل — شبابِ محبّت لٹاتا چلا جا

حسیں بن کے ہر ذرّے کو جگمگا دے — جواں بن کے ہر شے پہ چھاتا چلا جا

جوانی دوانی اسی کام کی ہے — کہ بس لوٹتا چل لٹاتا چلا جا

ترے ہر نفس میں ہزار آندھیاں ہیں — ابھی آندھیوں کو اُٹھاتا چلا جا

محبّت کے دریا کا طوفان بن کر — خس و خار کو بھی بہاتا چلا جا

ضرورت ہو پھر جس کو تخریبِ نو کی — وہ تعمیرِ نو سے سید ڈھاتا چلا جا

کہیں بن کے تو ابرِ رحمت برس چل — کہیں برقِ غیرت گراتا چلا جا

محبّت کے فتنے بہت کام کے ہیں — نہ سونے دے ان کو جگاتا چلا جا

سرِ طور چمکی تھی جو چند ساعت — دلوں پر وہ بجلی گراتا چلا جا
قدم رک نہ جائیں جو حائل ہوں پردے — ہٹاتا، اُٹھاتا، جلاتا چلا جا
محبت کی گہرائیوں میں سما کر — رگِ جاں پہ نشتر لگاتا چلا جا
محبت محبت محبت محبت — کوئی دھن ہو یہ گیت گاتا چلا جا
ابھی کوئی منزل نہیں تیری منزل — ابھی پائے ہمت بڑھاتا چلا جا
کہاں کے مناظر، کہاں کے نظارے — تو خود اپنے نزدیک آتا چلا جا
قیودِ دو عالم سے آزاد ہو کر — حدودِ محبت بڑھاتا چلا جا
زمانے سے ہمدوش و ہم راہ کب تک — زمانے کو پیچھے ہٹاتا چلا جا

یہ سب کہہ کے در پردہ رازِ حقیقت
جگر یوں نہ دامن بچاتا چلا جا

عشق بن کے محشر میں حسن کامیاب آیا — خاک کی تھی جو دنیا خاک ہی میں داب آیا
یہ بھی کیا محبت میں دورِ انقلاب آیا — اس طرف نہ اٹھیں نظریں اس طرف حجاب آیا

حسن کی معیت میں اس طرح شباب آیا — جیسے کچی نیند اُٹھ کر کوئی مست خواب آیا

حشر در جلو آیا نشر در رکاب آیا — حسن کی کھلی آنکھیں عشق کا شباب آیا

گودیوں میں عصمت کی کھیلتا شباب آیا — شوخیوں کے جھرمٹ میں شاہد حجاب آیا

اک لفافۂ رنگیں ایک پرچۂ سادہ — اے دلِ سکوں دشمن لے ترا جواب آیا

تم سے ہیں اگر کہہ دوں کیا ہی تم کو رشک آئے — رات جو نظر مجھ کو اک حسین خواب آیا

تو وہ نغمہ چھیڑ اے دل سب کہیں کہ گلشن میں — ہر گلِ فسردہ پر اک نیا شباب آیا

وہ جھکی جھکی پلکیں وہ عرق عرق عارض — شکوۂ ستم کر کے خود مجھے حجاب آیا

دھیان تیرا کیا آیا، جانِ صد بہار آئی
یاد تیری کیا آئی حاصلِ شراب آیا

خدایا اس مرض کی ہو دوا کیا — کہ ہم کیا ہیں ہمارا مدعا کیا

جنونِ عشق میں اچھا برا کیا — روا کہتے ہیں کس کو ناروا کیا

سراپا حسن کا آئینہ بن کر — ہمیں ہم ہیں ہمارا پوچھنا کیا

محبت خود برس پڑتی ہے اکثر　　بیان شوق و عرض التجا کیا

مجسّم ساز بے آواز بن جا　　کسی ٹوٹے ہوئے دل کی صدا کیا

جدھر دیکھو ہمیں ہم ہیں وہی وہ　　اب ان کا اور ہمارا پوچھنا کیا

اگر ہے جستجوئے زندگانی

تو آخر زندگانی کا مزا کیا

(ب)

ہاں نگاہِ شوق! وہ اُٹھی نقاب — "آفتاب آمد دلیلِ آفتاب"

شوقِ بے پایاں وجوشِ بے حساب — عشق کیا ہے؟ اک مسلسل اضطراب

دستِ رنگین وجمالِ بے حجاب — اے خوش آں وقتے وخوش جامِ شراب

لکھ چکے خط، جا چکا خط کا جواب — اضطراب و اضطراب و اضطراب

آج کچھ اپنا پتا ملتا نہیں — میں کہاں ہوں؟ اے نگاہِ باریاب!

کچھ کہوں، تو کیا کہوں؟ کس سے کہوں؟ — میں ہی خود اپنا سوال، اپنا جواب

میری ہستی ہے، غبارِ کوئے دوست — مجھ سے پیدا، ہر سکوں، ہر اضطراب

پوچھنا کیا؟ چشمِ بینا ہو، تو دیکھ — دل کے ہر ذرّے میں ہیں لاکھ آفتاب

ہوش ہے، پھر مائلِ فرزانگی — لا شراب! اے دستِ ساقی! لا شراب

میرے جام و بادہ کی رنگینیاں — جانتا ہے، حسن کا ظالم شباب

غرقِ موجِ بادہ کردے، ساقیا! — تا کجا ہیں؟ اور دنیائے خراب

جاں، سراپا، کچھ ہی راحت کچھ خلش دل مجسم، کچھ سکوں، کچھ اضطراب

عشق کیا ہے؟ پرتوِ حسنِ تمام شوق کیا ہے؟ حسن کا عکسِ شباب

اُن لبوں کی جاں نوازی دیکھنا منہ سے بول اُٹھنے کو ہے جامِ شراب

مختصر ہے، شرحِ ہستی، اے جگر!

زندگی ہے خواب، اجل تعبیرِ خواب

(مین پوری یا الہ آباد)

عہ احساس

(د)

میرا جنونِ شوق، وہ عرضِ وفا کے بعد
وہ شانِ احتیاط تری ہر ادا کے بعد

تیری خبر نہیں، مگر اتنی تو ہے خبر
تو ابتدا سے پہلے ہے تو انتہا کے بعد

شاید اسی کا نام مقامِ فنا ہو
نازک سا ہوتا جاتا ہے دل ہر صدا کے بعد

گو دل سے تنگ ہوں مگر آتا ہے یہ خیال
پھر جی کے کیا کروں گا دلِ مبتلا کے بعد

ہاں پھر اٹھی حسین نگاہوں کا واسطہ
تھوڑا سا زہر بھی مری خاطر دوا کے بعد

(مرادآباد)

(۲)

کبھی شاخ و سبزہ و برگ پر، کبھی غنچہ و گل و خار پر
میں چمن میں چاہے جہاں رہوں، مرا حق ہے فصلِ بہار پر

مجھے دیں نہ غیظ میں دھمکیاں، گریں لاکھ بار یہ بجلیاں
مری سلطنت یہی آشیاں، مری ملکیت، یہی چار پر

جنھیں کہیے عشق کی وسعتیں، جو ہیں خاص حُسن کی عظمتیں
یہ اُسی کے قلب سے پوچھیے، جسے فخر ہو غمِ یار پر

مرے اشکِ خوں کی بہار ہے کہ مرقعِ غمِ یار ہے
مری شاعری بھی نثار ہے مری چشمِ سحر نگار پر

عجب انقلاب زمانہ ہے، مرا مختصر سا فسانہ ہے
یہی اب جو بار ہے دوش پر، یہی سر تھا زانوے یار پر

یہ کمالِ عشق کی سازشیں، یہ جمالِ حسن کی نازشیں
یہ عنایتیں، یہ نوازشیں، مری ایک مشتِ غبار پر

مری سمت سے اُسے، اے صبا! یہ پیامِ آخرِ غم سنا
ابھی دیکھنا ہو، تو دیکھ جا، کہ خزاں ہے اپنی بہار پر

یہ فریبِ جلوہ ہی سربسر، مجھے ڈر یہ ہے، دلِ بے خبر!
کہیں جم نہ جائے تری نظر، انھی چند نقش و نگار پر

میں رہینِ دردسہی، مگر، مجھے اور چاہیئے کیا؟ جگر!
غمِ یار ہے مرا شیفتہ، میں فریفتہ غمِ یار پر

(رہین پوری)

ہجومِ تجلّی سے معمور ہو کر
نظر رہ گئی شعلۂ طور ہو کر

کبھی یوں رہے، مجھ سے مستور ہو کر
بہت پاس نکلے بہت دور ہو کر

بس، اک نشۂ عشق میں چور ہو کر
پڑے رہیئے اُس در پہ مجبور ہو کر

کہیں انکے روکے سے رُکتے ہیں وحشی
نہ مجبور کر دیں، جو مجبور ہو کر

وفا پر ہزار ایسی جانیں تصدّق　　اگر رہ نہ جائے، یہ دستور ہوکر
تمھیں بھی خبر ہی؟ جو تم کہہ گئے ہو　　خود اپنی اداؤں سے مسحور ہوکر
شبِ غم بھی "تیری توجہ کے صدقے"　　نمایاں ہوئی مطلعِ نور ہوکر
سُنانے چلے ہیں انھیں قصۂ غم　　بہت دل کے ہاتھوں سے مجبور ہوکر
سنبھل جائیں، آسودگانِ محبت　　نگاہیں اُٹھیں شورِ منصور ہوکر
نظر عیشِ فانی پہ کیا خاک ڈالیں　　ترے دردمندان ہجور ہوکر
خبر بھی ہی؟ تم کیا سے کیا ہوگئے ہو　　ز سر تا قدم حسنِ مجبور ہوکر
وہی نور میں ہی، وہی نار میں ہے　　کبھی نار ہوکر، کبھی نور ہوکر
تجاہل، تغافل، تبسم، تکلم　　یہاں تک تو پہنچے وہ مجبور ہوکر
ترے حسنِ مغرور سے نسبتیں ہیں　　کہیں ہم نہ رہ جائیں مغرور ہوکر

جگر کی اداؤں کا اب پوچھنا کیا
تری مست نظروں سے مخمور ہوکر

(بھوپال)

نویدِ بخششِ عصیاں سے شرمسار نہ کر — گناہ گار کو، یارب گناہ گار نہ کر

نظر ملی ہے، تو اس کو بہار ساز بنا — نظر کو مائلِ رنگینیٔ بہار نہ کر

کہاں کی فرقت و قربت گزر بھی جا اے دل — یہ راہِ عام ہی، تو اس کو اختیار نہ کر

بہار اپنی جگہ پر، سدا بہار رہے
یہ چاہتا ہے، تو تجزیۂ[1] بہار نہ کر

---

[1] اس لفظ کو یقیناً مشدد طریقے پر کہنا درست نہیں لیکن محض اس مکتبی غلطی کی خاطر اپنے لطیف شعر کو ضائع نہیں کر سکتا۔ جگر

(گ)

عشق میں لاجواب ہیں ہم لوگ　　ماہتاب، آفتاب ہیں ہم لوگ

گرچہ اہلِ شراب ہیں ہم لوگ　ق　یہ نہ سمجھو، خراب ہیں ہم لوگ

شام سے آگئے جو پینے پر　　صبح تک آفتاب ہیں ہم لوگ

ہم کو، دعوائے عشق بازی ہے　　مستحقِ عذاب ہیں ہم لوگ

ناز کرتی ہے، خانہ ویرانی　　ایسے خانہ خراب ہیں ہم لوگ

ہم نہیں جانتے، خزاں کیا ہے؟　　کشتگانِ شباب ہیں ہم لوگ

تو ہمارا جواب ہے تنہا　ق　اور تیرا جواب ہیں ہم لوگ

تو ہے دریائے حُسن و محبوبی　　شکلِ موج و حباب ہیں ہم لوگ

گو سراپا حجاب ہیں پھر بھی　　تیرے رُخ کی نقاب ہیں ہم لوگ

خوب ہم جانتے ہیں اپنی قدر　　تیرے ناکامیاب ہیں ہم لوگ

ہم سے غفلت نہ ہو، تو پھر کیا ہو؟ رہرو ملک خواب ہیں ہم لوگ

جانتا بھی ہے اس کو تو؟ واعظ! جس کے مست و خراب ہیں ہم لوگ

ہم پہ نازل ہوا صحیفۂ عشق صاحبان کتاب ہیں ہم لوگ

ہر حقیقت سے جو گزر جائیں وہ صداقت مآب ہیں ہم لوگ

جب ملی آنکھ، ہوش کھو بیٹھے کتنے حاضر جواب ہیں ہم لوگ

ہم سے پوچھو جگر کی سرمستی
محرم آں جناب ہیں ہم لوگ

(بھوپال)

(ل)
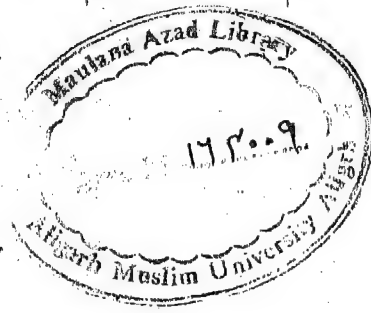
تو بھی ہوتا آشنائے دردِ دل
کاش، ہوتا مبتلائے دردِ دل

اللہ اللہ انتہائے دردِ دل
اب، تمھی نم ہو بجائے دردِ دل

اُس نظر کی بے قراری، آہ آہ
باش، اوگستاخ ادائے دردِ دل

دردِ دل میرے لئے گر ہے تو ہو
میں نہیں ہرگز برائے دردِ دل

ذرّہ ذرّہ ہے قیامت گاہِ شوق
صاف سُنتا ہوں صدائے دردِ دل

جس طرف وہ شوخ نظریں اُٹھ گئیں
لے اُڑی موجِ ہوائے دردِ دل

مجھ سے شاید رہ نہ جائے کچھ کمی
آپ ہی دے لیں سزائے دردِ دل

کچھ تغافل، کچھ توجہ، کچھ غرور
دیکھنا، شانِ عطائے دردِ دل

دردِ دل غیرت تری کیا ہو گئی
اُن لبوں پر، اور ہائے دردِ دل

۔۔

اب تو نامِ عشق سے بھی سخت گھبراتا ہے دل

اے مرے اللہ کیا سے کیا ہوا جاتا ہے دل

کیا بتائیں دل سے مل کر کیا غضب ڈھاتا ہے دل

جس طرح آندھی کوئی آتی ہے یوں آتا ہے دل

رہ گیا ہے اب تو بس اتنا ہی ربط اک شوخ سے

سامنا جس وقت ہو جاتا ہے بھر آتا ہے دل

دل تو سینے ہی میں رہتا ہے مگر اس کے حضور

جیسے اب جاتا ہے دل سینے سے اب جاتا ہے دل

جب ستم ہی مدعا ٹھہرا، ستم بھی کیا ضرور

کچھ نہ کچھ تسکین سی یوں بھی تو پا جاتا ہے دل

سامنے ان کے ہمیں سے اس کی ظالم شوخیاں

وہ نہیں ہوتے تو کیا نادان بن جاتا ہے دل

رحم بھی غصہ بھی کیا کیا آہ آتا ہے جگر   خود تڑپکر عشق میں جب مجکو تڑپاتا ہے دل

(م)

حسنِ معنی کی قسم، جلوۂ صورت کی قسم
تو ہی فردوس ہے، فردوسِ محبت کی قسم

حسن کے معجزۂ وحدت و کثرت کی قسم
چشمِ حیرت میں ہے سب کچھ، میری حیرت کی قسم

تجکو دیکھا، مگر اس طرح، کہ دیکھا ہی نہیں
اپنی کم مائگی جرأت و ہمت کی قسم

مجھ سے کچھ دل نے کہا تھا ابھی، سچ ہو کہ نہ ہو
حسن کافر! تری معصوم شرارت کی قسم

ظلم کیا؟ اب تو کرم بھی ہے گوارا مجھ کو
تیری اس اشک بھری چشمِ ندامت کی قسم

اک نظر دیکھ تو لے، پھول کھلے ہیں کیا کیا
ناوکِ غم کی قسم سینۂ حسرت کی قسم

دل کی دنیا پہ ہے، اک اور ہی عالم طاری
نگہِ ناز کے، اقرارِ محبت کی قسم

تو بھی اب سامنے آئے تو لٹا دوں تجھ پر
تیری غیرت کی قسم اپنی حمیت کی قسم

مجھ سے چھپنا تجھے زیبا نہیں اے پیکرِ حسن!
میں محبت ہی محبت ہوں، محبت کی قسم

نگہِ حسن ہی سے حسن کو ہم دیکھتے ہیں
مذہبِ عشق کی پاکیزہ شریعت کی قسم

تیرا احسان مٹاتا ہے، مٹا دے مجھ کو
کون کھائے گا تری چشمِ مروت کی قسم

اک ترے واسطے خود عشق ہے جنت بکنار — شبنم اشک و گل داغ محبت کی قسم

اب ترے حسن کے جلوے نہیں رکے رکتے — نگہ شوق کی بیتاب طبیعت کی قسم

صبح عشرت بھی جو آئے، تو دیکھوں اسے — اپنی محبوبہ شام شب فرقت کی قسم

اب تجھے میری محبت کا یقیں ہو کہ نہ ہو — میں نہ کھاؤں گا ترے درد محبت کی قسم

تو بھی اب وہ نہیں جو خود کو نظر آتا ہے — سینہ عشق کی پوشیدہ امانت کی قسم

نگہ ناز میں سب کچھ تو ہے یہ بات کہاں — خلش درد ترے حسن نزاکت کی قسم

اب تجھے دیکھ کے مرنا بھی گوارا ہے مجھے — غم عشرت کی قسم، اشک مسرت کی قسم

تیرے ہمراہ ہیں جان و دل و ایماں سب کچھ — تیری آنکھوں کے پیام رم رخصت کی قسم

اب بھی ہیں تیرے تصور سے وہی راز و نیاز — اپنے اجڑے ہوئے آغوش[1] محبت کی قسم

خلوت خاص کو، اک دن تو بنا دے جلوت
تجھ کو اپنے جگر شوخ طبیعت کی قسم (بھوپال)

---

(١) ایک شخص نے آغوش کی تذکیر پر اعتراض کیا تھا، لیکن ان کا اعتراض غلط ہے۔ تذکیر و تانیث، دونوں طرح جائز ہے اور کہا جاتا ہے۔ جگر

(ں)

اب ان کا کیا بھروسا وہ آئیں یا نہ آئیں
آ اے غمِ محبت تجھ کو گلے لگائیں

بیٹھا ہوں مست و بیخود خاموش ہیں فضائیں
کانوں میں آ رہی ہیں بھولی ہوئی صدائیں

سب اُن پہ ہیں تصدق وہ سامنے تو آئیں
اشکوں کی آرزوئیں آنکھوں کی التجائیں

عشاق پا رہے ہیں ہر جرم پر سزائیں
انعام بٹ رہے ہیں مغرور ہیں خطائیں

اُس سے بھی شوخ تر ہیں اس شوخ کی ادائیں
کر جائیں کام اپنا لیکن نظر نہ آئیں

مسجد میں معتکف ہیں بیکار ہی تو زاہد!
دو روزہ زندگی ہے آئیں پئیں پلائیں

اس حسنِ برق وش کے دل سوختہ وہی ہیں
شعلوں سے بھی جو کھیلیں دامن کو بھی بچائیں

عاشق خرابِ مستی، زاہد خرابِ تمکیں
وہ بھی ترے کرشمے یہ بھی تری ادائیں

جیسا وہ چاہتے ہیں جو کچھ وہ چاہتے ہیں
آتی ہیں میرے دل سے لب تک وہی دعائیں

اک جامِ آخری تو پینا ہے اور ساقی!
اب دستِ شوق کانپے یا پاؤں لڑکھڑائیں

اب ہاتھ مل رہے ہیں وہ خاکِ عاشقاں پر
برباد کر چکے جب اپنی ہی کچھ ادائیں

آلودہ خاک ہی رہنے دے اسکو ناصح! دامن اگر جھٹک دوں جلوے کہاں سمائیں

بے تابیٔ محبت، وجہِ سکونِ غم ہے آغوشِ مضطرب میں خوابیدہ ہیں بلائیں

اشعار بن کے نکلیں جو سینۂ جگر سے

سب حسنِ یار کی تھیں بے ساختہ ادائیں

(دین پوری)

کدھر ہے تیرا خیال؟ اے دل! یہ وہم کیا کیا سما رہے ہیں

نظر اٹھا کر تو دیکھ ظالم! کھڑے وہ کیا مسکرا رہے ہیں

تمام ہستی پہ چھا رہے ہیں وہ جیسے خود ہیں، بنا رہے ہیں

نظر نظر میں سما چکے ہیں، نفس نفس میں سما رہے ہیں

کرشمے ذات و صفات کے ہیں جمالِ قدرت دکھا رہے ہیں

کہ ہر تصور سے دور رہ کر، وہ ہر تصور میں آ رہے ہیں

کہاں کی دید، اور کس کا عرفاں جو اس میں گم ہیں نظر پریشاں

جو ایک پردہ اٹھا رہے ہیں تو لاکھ پردے گرا رہے ہیں

یہ حادثاتِ زمانہ کیا ہیں؟ اُسی کے حسنِ طلب کے جلوے

دلوں کو ٹھوکر لگا لگاکر، دلوں کی دنیا جگا رہے ہیں

کرشمے ہیں حُسنِ بے جہت کے، فسوں ہیں چشمِ مناسبت کے

اِدھر سے دیکھو، تو آ رہے ہیں، اُدھر سے دیکھو تو آ رہے ہیں

نفس نفس ہیں صفاتِ تازہ، مماتِ تازہ، حیاتِ تازہ

انھیں میسر ہے ذاتِ تازہ جو خود کو تجھ میں مٹا رہے ہیں

ق

ہماری ہستی، تمام آفت، تمام زحمت، تمام کلفت

اگر یہ سچ ہے تو فی الحقیقت ہمیں خود اُن کو ستا رہے ہیں

ہوا کچھ ایسی (ابھی) چل گئی ہے، دلوں کی دنیا بدل گئی ہے

وہ ہم کو مطلوب کہہ رہے ہیں، ہم اُن کو طالب بتا رہے ہیں

ذرا اک وقفۂ محبت، اٹھا گیا اور ہی قیامت

ابھی ہم آنسو بہا رہے تھے، ابھی وہ آنسو بہا رہے ہیں

خوشا یہ پندارِ عشق اپنا، زہے شکستِ غرور ان کی

وہ ہم سے نظریں ملا رہے ہیں ہم اُنسے نظریں ہٹا رہے ہیں

نظر نظر، التجائے پیہم، ادا ادا شکوۂ مجسّم

ذرا، جو بن کر بگڑ رہے ہیں، ہمیں وہ کیا کیا منا رہے ہیں

گلوں سے مستی چھلک رہی ہے، سر اپنا بلبل پٹک رہی ہے

جگرؔ کسی گوشۂ چمن میں، غزل کوئی اپنی گا رہے ہیں

(کانپور)

کرم کوشیاں ہیں، ستم کاریاں ہیں
بس اک دل کی خاطر، یہ تیاریاں ہیں

چمن سوز گلشن کی گلکاریاں ہیں
یہ کس سوختہ دل کی چنگاریاں ہیں

نہ بیہوشیاں اب نہ ہشیاریاں ہیں
محبت کی تنہا فسوں کاریاں ہیں

نہ وہ مستیاں ہیں، نہ سرشاریاں ہیں
خودی کا ہی احساس خودداریاں ہیں

محبت اثر کرتی ہے چپکے چپکے
محبت کی خاموش چنگاریاں ہیں

نگاہِ تجسس نے دیکھا جہاں تک
پرستاریاں ہی پرستاریاں ہیں

تجلّی سے کہہ دو، ذرا ہاتھ روکے
بہت عام اب دل کی بیماریاں ہیں

نہ آزادہ دل ہیں، نہ بے قید نظریں
گرفتاریاں ہی گرفتاریاں ہیں

نہ ذوقِ تخیل، نہ ذوقِ تماشا   محبت ہے اب، اور بیزاریاں ہیں

تغافل ہے اِک شانِ محبوب لیکن   تغافل میں پنہاں خبرداریاں ہیں

کہاں ہیں؟ کہاں تازہ اشعارِ رنگیں؟   تری اک توجہ کی گلکاریاں ہیں

ازل سے ہے صرفِ دعا ذرہ ذرہ   خدا جانے، کیا کچھ طلبگاریاں ہیں

بچھے جا رہے ہیں سبھی دیدہ و دل   تری آمد آمد کی تیاریاں ہیں

قدم، ڈگمگائے نظر بہکی بہکی   جوانی کا عالم ہے سرشاریاں ہیں

جگر! زندگی لطف سے کٹ رہی ہے   غم آزاریاں ہیں، جنوں کاریاں ہیں

کہاں پھر یہ ہستی؟ کہاں ایسی مستی؟
جگر کی جگر تک ہی میخواریاں ہیں

(مین پوری)

خطاؤں سے پہلے پشیمانیاں ہیں   محبت کی معصوم نادانیاں ہیں

قیامت، تری جلوہ سامانیاں ہیں   جدھر دیکھتا ہوں، پریشانیاں ہیں

دل و جان حسرت ہیں قربانیاں ہیں   خوشا وہ کہ جس کی یہ مہمانیاں ہیں

مسلسل غمِ دل کی عریانیاں ہیں   نگاہیں نہیں ہیں، پریشانیاں ہیں

سُنا کر غم وہ رو دیکھتا رہا ہوں — پشیمانیوں کی پشیمانیاں ہیں

ازل سے جو دل کے مقدر پڑی تھی — وہی آج تک شعلہ سامانیاں ہیں

دلوں پر حکومت نگاہوں سے پردے — ق — جہاں بانیاں ہیں، ستم رانیاں ہیں

تجسس میں شامل تحیر ہیں پنہاں — نظر سوزیاں ہیں، نگہبانیاں ہیں

وہ دشواریاں عشق کی حل ہوں کیونکر — جو دشواریاں ہیں، نہ آسانیاں ہیں

محبت کے جلوے نہیں حسن سے کم — اُنھیں بھی مرے ساتھ حیرانیاں ہیں

ترے جلوۂ جزو و کل کے تصدق — نہ اب حسرتیں ہیں، نہ حیرانیاں ہیں

غضب میں پھنسی ہیں مرا ساتھ دیکر — پریشانیوں کو پریشانیاں ہیں

در بُت کدہ، اور سجدوں پہ سجدے

جگر! واہ، کیا کفر سامانیاں ہیں

(مین پوری)

نیاز و ناز کے جھگڑے مٹائے جاتے ہیں — ہم اُن میں اور وہ ہم میں سمائے جاتے ہیں

شروع راہِ محبت ارے معاذ اللہ — یہ حال ہے کہ قدم ڈگمگائے جاتے ہیں

یہ نازِ حُسن تو دیکھو کہ دل کو تڑپا کر — نظر ملاتے نہیں مسکرائے جاتے ہیں

مرے جنونِ تمنا کا کچھ خیال نہیں — لجائے جاتے ہیں دامن چھڑائے جاتے ہیں

جو دل سے اُٹھتے ہیں شعلے وہ رنگ بن بن کر — تمام منظرِ فطرت پہ چھائے جاتے ہیں

میں اپنی آہ کے صدقے کہ میری آہ میں بھی — تری نگاہ کے انداز پائے جاتے ہیں

رواں دواں لئے جاتی ہے آرزوئے وصال — کشاں کشاں ترے نزدیک آئے جاتے ہیں

کہاں منازلِ ہستی؟ کہاں ہم اہلِ فنا؟ — ابھی کچھ اور یہ تہمت اُٹھائے جاتے ہیں

مری طلب بھی اسی کے کرم کا صدقہ ہے — قدم یہ اُٹھتے نہیں ہیں اُٹھائے جاتے ہیں

الٰہی! ترکِ محبت بھی کیا محبت ہے؟ — بھلاتے ہیں انہیں وہ یاد آئے جاتے ہیں

سنائے تھے لبِ نے سے کسی نے جو نغمے

لبِ جگر سے مکرر سنائے جاتے ہیں

(غالباً گونڈہ الہ آباد یا فیض آباد)

نیازِ عاشقی کو ناز کے قابل سمجھتے ہیں — ہم اپنے دل کو بھی اب آپ ہی کا دل سمجھتے ہیں

عدم کی راہ میں رکھا ہی پہلا ہی قدم میں نے — مگر احباب اس کو آخری منزل سمجھتے ہیں

قریب آ کے منزل تک پلٹ جاتے ہیں منزل سے — نہ جانے دل ہیں کیا، دیوانہ منزل سمجھتے ہیں

الٰہی ایک دل ہے تو ہی اسکا فیصلہ کر دے — وہ اپنا دل بتاتے ہیں ہم اپنا دل سمجھتے ہیں

(الہ آباد)

کیا غرض مجھ کو ترے دل پہ اثر ہے کہ نہیں؟ — میں پرستارِ محبت ہوں، خبر ہے کہ نہیں؟

نہیں معلوم محبت میں اثر ہے، کہ نہیں؟ — جو اِدھر ہے مری حالت وہ اُدھر ہے، کہ نہیں؟

میں نہ کھاؤں گا کبھی حُسنِ تغافل کے فریب — میری جانب تری دزدیدہ نظر ہے کہ نہیں؟

اب یہ عالم ہے، کہ جو ہجر کی شب آتی ہے — میں یہ کہتا ہوں کہ اس شب کی سحر ہے کہ نہیں؟

پوچھ مجھ سے نہ مرے زخمِ جگر کی حالت — میرے دامن میں یہ آنسو گلِ تر ہے کہ نہیں؟

تو ہی کہہ دے کہ جنوں مجھ کو نہ کیونکر ہو عزیز — اس کو حاصل تری تائیدِ نظر ہے، کہ نہیں؟

وصل کہتے ہیں جسے اس کی حقیقت معلوم — ورنہ اک سلسلۂ شام و سحر ہے کہ نہیں؟

اک نظر دیکھ تو لے دل کے مٹانے والے! — ابھی اس خاک میں طوفانِ شرر ہے کہ نہیں؟

پوچھتا پھرتا ہوں اک اک سے اس کوچے میں — جس کا دیوانہ ہوں اُس کو بھی خبر ہے کہ نہیں؟

اور درکار ہے کیا؟ تیری توجہ کیلئے — آہ ظالم مری، محروم اثر ہے، کہ نہیں؟

عشق بے جذب ہوئے رہ نہیں سکتا مگر — تیری شان میں اک شانِ جگر ہے کہ نہیں؟

لے اُٹھا جاتا ہوں میں جھاڑ کے دامن اپنا
پھر نہ کہنا، مرا دیوانہ جگر ہے، کہ نہیں؟ (مین پوری)

ترے بیان میں قاصد! کچھ اشتباہ نہیں
جزایں قدر، کہ یہ فرمودۂ نگاہ نہیں

نہ ہو، جو حسن کی ہم پر کوئی نگاہ نہیں
ہم اہلِ عشق ہیں پابندِ رسم و راہ نہیں

خود اپنے حسن کی تاثیر کو وہ کیا جانے
تری نگاہ ہے ظالم، مری نگاہ نہیں

جفائے حسن کا صدقہ، سزائے حسن کی خیر
گناہِ عشق سے بڑھ کر، کوئی گناہ نہیں

ہزار چشمِ عنایت ہو، پھر بھی کیا حاصل
وہ ایک شے بھی اگر شاملِ نگاہ نہیں

انھیں بھی دست بہ دل، بے قرار دیکھ لیا
سنا تھا عشق کی آنکھیں تو ہیں نگاہ نہیں

دل حریفِ حال دبے حالی نہیں
اس چمن کا، اب کوئی مالی نہیں

دیکھیا، دل سے سلوکِ چشمِ یار
شیشہ خالی ہے، مگر خالی نہیں

ہاں، مبارک شغلِ مے زاہد! مگر
کچھ نہیں، گر ہمتِ عالی نہیں

اللہ اللہ تیرے غم کی وسعتیں
کوئی عالم، درد سے خالی نہیں

اس طرف بھی دیکھ! او محشر خرام!
کم مری دنیائے پامالی نہیں

عشق، رنگِ حسن سے ہے بے نیاز
حسن، کیفِ عشق سے خالی نہیں

حُسن ہے اس طرح سرگرمِ خرام　　عشق کو احساس پامالی نہیں
شوق بھی دل میں رہے ہمراہ دوست
اب تو اتنی بھی جگہ خالی نہیں　　(بھوپال)

لفظ و معنی میں نہیں، جلوہ و صورت میں نہیں　　عشق اک چیز ہے جو حرف و حکایت میں نہیں
وہ حقیقت کہ جو محدود حقیقت میں نہیں　　دل کی وسعت میں ہے کونین کی وسعت میں نہیں
غم میسر ہے ترا غم پہ نہ کیوں ناز کروں　　یہ بھی کیا کم ہے؟ کہ جو عشق کی قسمت میں نہیں
وہ جو اک ربطِ محبت ہے، مٹانا اس کا　　مری طاقت میں نہیں، آپ کی قدرت میں نہیں
جلوہ پھر جلوہ ہے، نظارہ ہے پھر نظارہ　　حیرت آئینے میں ہے، آئینہ حیرت میں نہیں
یوں بھی تکمیلِ غمِ عشق ہوا کرتی ہے　　اُن کی قسمت میں ہوں میں، جو مری قسمت میں نہیں
ہر نفس میں ہے یہاں جلوۂ نو کا عالم
غم فرقت بھی مرا، اب غمِ فرقت میں نہیں　　(مین پوری)

غمِ عاشقی کا صلا چاہتا ہوں　　خود اپنی نظر سے گرا چاہتا ہوں
بلا پر نہ ہو دلِ بلا چاہتا ہوں　　سزاوارِ غم ہوں سزا چاہتا ہوں

محبت! تصور کرنا چاہتا ہوں — بڑا نا سمجھ ہوں، یہ کیا چاہتا ہوں

جنونِ محبت یہاں تک تو پہنچا — کہ ترکِ محبت کیا چاہتا ہوں

وہ یوں پرسشِ شوق فرما رہے ہیں — کوئی خود یہ کہہ دے سراپا تمنا ہوں

طلسمِ تمنا سمجھ میں نہ آیا — کوئی مجھ کو سمجھائے کیا چاہتا ہوں

ظہورِ دو عالم ہے اک عجز جس کا — اُسی نقش پا پر مٹا چاہتا ہوں

کہاں تک ہیں یہ رنگ و بو کی بہاریں — تجھے دیکھ کر، دیکھنا چاہتا ہوں

کہیں ٹوٹ جائے نہ دل بے کسی کا — نگاہِ کرم! آسرا چاہتا ہوں

محبت ہی اپنا بھی مذہب ہے لیکن

طریقِ محبت، جدا چاہتا ہوں — (بھوپال)

محبت میں یہ کیا ستم دیکھتے ہیں — بہت فرصتِ شوق کم دیکھتے ہیں

غم و درد و رنج و الم دیکھتے ہیں — محبت دکھاتی ہے، ہم دیکھتے ہیں

وہاں اپنی ہستی کو ہم دیکھتے ہیں — جہاں موت کا سر قلم دیکھتے ہیں

کہاں تیرے جلوے؟ کہاں اپنی نظریں! — غنیمت ہے جو کوئی دم دیکھتے ہیں

وہ کیا دیکھ سکتے ہیں اپنی ادائیں
ہمیں دیکھتے ہیں، جو ہم دیکھتے ہیں

ہماری نظر سے بھی سمجھو تو جانیں
بہت بے نیازانہ ہم دیکھتے ہیں

تجھے بھی کسی دن سمجھنا ہے ظالم!
ابھی اور، اے چشمِ نم دیکھتے ہیں

نگاہِ محبت، دکھاتی ہے سب کچھ
نہ تم دیکھتے ہو، نہ ہم دیکھتے ہیں

غنیمت تھا حرمانِ اُمید افزا
سو، یہ حال بھی اب تو کم دیکھتے ہیں

نہ جانے! محبت ہے کیا چیز؟ لیکن
بڑی ہی محبت سے ہم دیکھتے ہیں

(بھوپال)

محبت کی محبت تک ہی جو دنیا سمجھتے ہیں
خدا جانے وہ کیا سمجھے ہوئے ہیں کیا سمجھتے ہیں

جمالِ رنگ و بو تک حسن کی دنیا سمجھتے ہیں
جو صرف اتنا سمجھتے ہیں وہ آخر کیا سمجھتے ہیں

کمالِ تشنگی ہی سے بجھا لیتے ہیں پیاس اپنی
اسی تپتے ہوئے صحرا کو ہم دریا سمجھتے ہیں

سمجھنے دے انھیں، اے غیرتِ جذبِ طلب ظالم!
جہاں تک جانتے ہیں خود کو وہ اپنا سمجھتے ہیں

ہم اُن کا عشق کیسا؟ اُن کے غم کے بھی نہیں قابل
یہ ان کی مہربانی ہے کہ وہ ایسا سمجھتے ہیں

یہ کیا طاقت؟ کہ ہم پر ڈالے ٹیڑھی نظر کوئی
مگر اس جانِ مجبوری کو استغنا سمجھتے ہیں

ہمیں ہیں عشق کے مارے، ہمیں پر ہے نظر اُنکی — ہمیں اپنا بنایا ہے، ہمیں اپنا سمجھتے ہیں

محبت میں نہیں سیرِ مناظر کی ہمیں پروا — ہم اپنے ہر نفس کو اک نئی دنیا سمجھتے ہیں

نگاہِ شوق ہی کچھ جانتی ہے رازِ مستوری — وہ خود جلوہ ہے اُنکا سب جسے پردا سمجھتے ہیں

اشاروں میں لٹا دیتے ہیں دولت دین و دنیا کی — مگر اپنی محبت کو، وہ صرف اپنا سمجھتے ہیں

مے و مینا کے پردے انکو دھوکا دے نہیں سکتے — ازل کے دن سے جو رازِ مے و مینا سمجھتے ہیں

خبر اس کی نہیں ان خام کارانِ محبت کو — اُسی کو دُکھ بھی دیتے ہیں جسے اپنا سمجھتے ہیں

فضائے نجد ہو، یا قیسِ عامر، اے جگر ہم تو

یہ جو کچھ ہے اُسے عکسِ رُخِ لیلا سمجھتے ہیں (مشاعرہ الہ آباد)

رند جو مجھ کو سمجھتے ہیں انھیں ہوش نہیں — میکدہ ساز ہوں میں، میکدہ بردوش نہیں

کون سا جلوہ یہاں آتے ہی بیہوش نہیں؟ — دل مرا دل ہے کوئی ساغرِ سرجوش نہیں

مرنیوالے! تجھے مرنے کا بھی کیا ہوش نہیں — ماں کا آغوش ہے، یہ موت کا آغوش نہیں

پاؤں اُٹھ سکتے نہیں منزلِ جاناں کے خلاف — اور اگر ہوش کی پوچھو تو مجھے ہوش نہیں

حُسن سے عشق جدا ہے، نہ جدا عشق سے حسن — کونسی شے ہے، جو آغوش در آغوش نہیں

مٹ چکے ذہن سے سب یادِ گزشتہ کے نقوش — پھر بھی اک چیز ہے ایسی کہ فراموش نہیں

ایک گوشے میں سمٹ آئے ہیں دونوں عالم — میرا دامن ہے، کسی اور کا آغوش نہیں

اب تو تاثیرِ غمِ عشق، یہاں تک پہنچی — کہ اِدھر ہوش اگر ہے، تو اُدھر ہوش نہیں

زیست ہے زیست جو ہر رگ میں رواں ہو مئے عشق — موت ہے موت اگر رقص نہیں جوش نہیں

کبھی اُن مد بھری آنکھوں سے پیا تھا اک جام — آج تک ہوش نہیں، ہوش نہیں، ہوش نہیں

عشق اگر حُسن کے جلووں کا ہے مرہونِ کرم — حسن بھی عشق کے احساس سے سبکدوش نہیں

اپنے ہی حسن کا دیوانہ، بنا پھرتا ہوں — میری آغوش کو اب حسرتِ آغوش نہیں

محوِ تسبیح[۱] تو سب ہیں، مگر ادراک کہاں — زندگی خود ہی عبادت ہے مگر ہوش نہیں

مل کے اک بار گیا ہے کوئی جس دن سے جگر

مجھ کو، یہ وہم ہے جیسے مرا آغوش نہیں (مشاعرۂ الٰہ آباد)

۱۔ اگر میرا نفس مجھ کو دھوکا نہیں دیتا تو یہ شعر خالص الہامی ہے۔ آیۃ یُسبّح لِلّٰہ ما فی السمٰوات و ما فی الارض" اکثر میرے پیش نظر رہا کرتی تھی۔ خیال یہ ہوتا تھا کہ یقیناً ایسا ہی ہے لیکن پھر ہمیں مزید تکلیف تسبیح و تہلیل و عبادت کیوں دی گئی۔ ایک دن جمعہ کی نماز میں شریک تھا کہ بے قصد و بے ارادے یہ شعر نازل ہوا اور

مر کے بھی کب تک نگاہِ شوق کو رسوا کریں؟ — زندگی تجھ کو کہاں پھینک آئیں آخر کیا کریں؟

جذبِ دل ممکن نہیں تو چشمِ دل ہی وا کریں — وہ ہمیں دیکھیں نہ دیکھیں ہم انہیں دیکھا کریں

اے میں قرباں مل گیا عرضِ محبت کا صلہ — ہاں اسی انداز سے کہہ دو "تو پھر ہم کیا کریں"

دیکھئے کیا شور اُٹھتا ہے حریمِ ناز سے — سامنے آئینہ رکھ کر خود کو اک سجدا کریں

ہائے یہ مجبوریاں محرومیاں ناکامیاں — عشق آخر عشق ہے تم کیا کرو ہم کیا کریں

عشق خود اپنی جگہ عینِ حقیقت ہے جگر
عشق ہی ہیں کیوں نہ شانِ دلبری پیدا کریں

جب اپنا اپنا غم احباب سے احباب کہتے ہیں — بہت بیتاب سنتے ہیں بہت بیتاب کہتے ہیں

محبت بہتی گنگا ہے نہالے جس کا جی چاہے — نہ بے پایاں بتاتے ہیں نہ ہم پایاب کہتے ہیں

زمانے بھر کی دولت کو غمِ جاناں سے کیا نسبت — یہی نعمت ہے وہ نعمت جسے نایاب کہتے ہیں

---

۲ اسی دن سے مجھے بہت تسکین حاصل ہو گئی جگر

۱ دونوں جگہ بیتاب نہ کے مفہوم میں کہا گیا ہے جو غالباً نہیں بلکہ یقیناً غلط ہے لیکن مجھے یہاں اپنی غلطی پر اصرار ہے

جگر

عطا کر اے جمالِ حسن! وہ داغِ محبت بھی — زبانِ عشق میں جس کو گلِ شاداب کہتے ہیں
عبادِ نگاہِ جانِ عاشقاں کا پوچھنا ہی کیا — خمِ ابروئے جاناں کو خمِ محراب کہتے ہیں
اسی صورت سُنا دیتے ہیں انکو واردات اپنی — کہ جیسے ہم کسی کی داستانِ خواب کہتے ہیں
الٰہی آگ ہی لگ جائے تاثیرِ محبت کو — وہ آج اپنا بھی غم بادیدۂ پُرآب کہتے ہیں
محبت جنکی ایک اک موج میں لہریں سی لیتی ہو — ہم ایسے آنسوؤں کو گوہرِ بے آب کہتے ہیں
ہمارا بھی زمانہ تھا کبھی اے عشق سنتے ہیں — ہمارے پاس بھی تھا اک دلِ بیتاب کہتے ہیں
محبت کی ہر اک موج بلا ہے، بحرِ بے پایاں — خوشا وہ اہلِ ہمت پھر بھی جو پایاب کہتے ہیں

کبھی پانی بھی جن آنکھوں کے ماروں نے نہیں مانگا
انھی آنکھوں کے ماروں کو جگر سیراب کہتے ہیں (غالباً مین پوری)

اللہ اللہ عشق کی رعنائیاں — حسن خود لینے لگا انگڑائیاں
ہائے وہ غم کی کرم فرمائیاں — بھیگی راتیں اور وہ تنہائیاں
عشق ہی ہر موئے تن سے نغمہ زن — بج رہی ہیں ہر طرف شہنائیاں
کوئی دیکھے تو حریمِ شوق میں — خلوتوں کی انجمن آرائیاں

یاد ظالم کو تم اپنی روک لو
لوٹ لیتی ہے، مری تنہائیاں

دل کی چوٹیں اُبھری آتی ہیں تمام
عشق کی چلنے لگیں پروائیاں

حُسن کی جانِ تو جسر بن گئیں
بڑھتے بڑھتے عشق کی رسوائیاں

سامنے جیسے وہ خود ہیں جلوہ گر
اللہ اللہ یہ حجاب آرائیاں

خود بڑھے آتے ہیں وہ میری طرف
کوئی دیکھے تو مری پسپائیاں

اب کہاں انساں، جسے انساں کہیں
چلتی پھرتی دیکھ لو پرچھائیاں

غیر تو غیر، اپنے سائے سے بھی رم
دیکھنا اس دل کی وحشت زائیاں

حُسن بھی ہے، عشق بھی ہے جلوہ گر
ایک دل، اور اسکی یہ پہنائیاں

کون پہنچا، تا فرازِ بامِ حسن؟
کتنے دیکھیں عشق کی گہرائیاں

رہ گئی رکھی ہی عقلِ پختہ کار
عشق کی کام آگئیں خود رائیاں

حُسن کے بھی ڈگمگاتے ہیں قدم
عشق کرتا ہے جہاں دارائیاں

یاد ہے اب تک جگر آغازِ عشق
شب ہمہ شب وہ خیال آرائیاں

(مین پوری)

عشق کی بڑھنے تو دو بربادیاں   کام آئیں گی یہ صحرا زادیاں

اللہ اللہ اعتباراتِ نظر   اور پھر ان سب کی بے بنیادیاں

اُس نگاہ ناز ہی سے پوچھئے   اِک اسیر شوق کی صیادیاں

حسن کو بھی جب تری خود آرزو   یاد کرائے عشق! وہ آزادیاں

کشورِ دل ہی میں گھٹ کر رہ گئیں   کیسی کیسی نازنیں شہزادیاں

عشق خود کرتا ہے اعلانِ شکست

حسن کو دیجے مبارکبادیاں[1]   (لکھنو)

نگاہوں کا مرکز بنا جا رہا ہوں   محبت[2] کے ہاتھوں لٹا جا رہا ہوں

---

[1] "مبارک باد" صحیح ہی۔ مبارک باد کو غلط کہا جاتا ہے لیکن داغ مرحوم نے لکھا ہے اور یہ سند کافی ہے۔ جگر

[2] یہ مطلع معنوی حیثیت سے خاص توجہ کا محتاج ہے نسائی جمال کے لئے میں پردہ بہت ضروری اس اعتبار پر سمجھتا ہوں کہ سائنٹفک لحاظ سے نگاہ حسن کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتی بخصوصیت کے ساتھ مصور کی نگاہ جو صاحب تصویر سے کوئی چیز نگاہ و توجہ کے ذریعے چھین کر نقوش مرئی کی شکل میں تبدیل کر دیتی ہے۔ بجنور میں

میں قطرہ ہوں لیکن بہ آغوشِ دریا | ازل سے ابد تک بہا جا رہا ہوں

مبارک مبارک مری یہ فنائیں | دو عالم پہ چھایا چلا جا رہا ہوں

وہی حسن جن کے ہیں یہ سب مظاہر | اسی حسن میں حل ہوا جا رہا ہوں

یہ کس کی طرف سے یہ کس کی طرف کو | میں ہم دوشِ موجِ فنا جا رہا ہوں

نہ جانے کہاں سے نہ جانے کدھر کو | بس اک اپنی دھن میں اُڑا جا رہا ہوں

مجھے روک سکتا ہو کوئی تو روکے | کہ چھپ کر نہیں برملا جا رہا ہوں

مرے پاس آؤ - یہ کیا سوچتے ہو | مری سمت دیکھو، یہ کیا جا رہا ہوں

تری مست نظریں غضب ڈھا رہی ہیں | یہ عالم ہے جیسے اُڑا جا رہا ہوں

کدھر ہے تو اے غیرتِ حسنِ خود بیں | محبت کے ہاتھوں بکا جا رہا ہوں

(بقیہ نوٹ صفحہ) ایک خاص صحبت میں مجھے ایسا محسوس ہوا کہ تمام مجمعے کی فکر و توجہ کا مرکز بن گیا ہوں اور ایک سخت قسم کا بوجھ محسوس کر رہا ہوں۔ یہیں تک نہیں بلکہ درحقیقت مجمعے کی فکر و نظر کوئی لطیف چیز مجھ سے چھین رہی ہے۔ اسی عالم میں یہ مطلع کہا گیا۔

جگر

نہ ادراکِ ہستی، نہ احساسِ مستی — جدھر چل پڑا ہوں چلا جا رہا ہوں

نہ صورت نہ معنی، نہ پیدا نہ پنہاں

یہ کس حسن میں گم ہوا جا رہا ہوں (بجنور)

عہدِ رنگیں کی یادگار ہوں میں — یعنی اپنا ہی سوگوار ہوں میں

آ کہ بیتابِ انتظار ہوں میں — درد کی آخری پکار ہوں میں

ذرۂ آستانِ یار ہوں میں — صدمۂ دہر در کنار ہوں میں

میری ہستی کا واہ کیا کہنا — تیری ہستی کا پردہ دار ہوں میں

نہ سہی تو، ترا خیال تو ہے — یوں بھی فردوس در کنار ہوں میں

اُف جواں مرگیاں محبت کی — ہائے کس کس کا سوگوار ہوں میں

نکہتِ گل کا بھی دماغ نہیں — کتنا آزردۂ بہار ہوں میں

وہ حقیقت ہی خود مری ہستی — جس حقیقت کا پردہ دار ہوں میں

اللہ اللہ نزاکتیں میری — اپنی خاطر پہ بھی تو بار ہوں میں

تجھ کو تکلیفِ صد نظر ہے ہے — اپنے ہونے پہ شرمسار ہوں میں

مجھ کو رنگِ خزاں سمجھ کے نہ دیکھ مژدۂ آمدِ بہار ہوں میں

(بلند شہر)

جو نہ کعبے میں ہے محدود نہ بتخانے میں ہائے وہ اور اک اجڑے ہوئے کاشانے میں

ملتی ہے عمرِ ابد عشق کے میخانے میں اے اجل تو بھی سما جا مرے پیمانے میں

ہم کہیں آتے ہیں واعظ ترے بہکانے میں اسی میخانے کی مٹی اسی مے خانے میں

سب کچھ اللہ نے دے رکھا ہے میخانے میں خلد شیشے میں ہے فردوس ہے پیمانے میں

حرم و دیر میں رندوں کا ٹھکانا ہی نہ تھا وہ تو یہ کہیے اماں مل گئی میخانے میں

بام پر آکے اٹھا دو رخِ تاباں سے نقاب اک اضافہ ہی سہی طور کے افسانے میں

آج تو کر دیا ساقی نے مجھے مست الست ڈال کر خاص نگاہیں مرے پیمانے میں

آج ساقی نے یہ کیا حال بنا رکھا ہے کبھی میخانے سے باہر کبھی میخانے میں

آپ دیکھیں تو سہی ربطِ محبت کیا ہے اپنا افسانہ ملا کر مرے افسانے میں

ہجو میں نے ترا اے شیخ بھرم کھول دیا تو تو مسجد میں ہے نیت تری میخانے میں

مشورے ہوتے ہیں جو شیخ و برہمن میں جگر رند سن لیتے ہیں بیٹھے ہوئے میخانے میں

(مشاعرہ ایٹہ)

شاعرِ فطرت ہوں میں جب فکر فرماتا ہوں میں
روح بن کر ذرے ذرے میں سما جاتا ہوں میں

آ کہ تجھ بن اس طرح اے دوست گھبراتا ہوں میں
جیسے ہر شے میں کسی شے کی کمی پاتا ہوں میں

جس قدر افسانۂ ہستی کو دہراتا ہوں میں
اور بھی بیگانۂ ہستی ہوا جاتا ہوں میں

جب مکان و لامکاں سب سے گزر جاتا ہوں میں
اللہ اللہ تجھ کو خود اپنی جگہ پاتا ہوں میں

تیری صورت کا جو آئینہ اسے پاتا ہوں میں
اپنے دل پر آپ کیا کیا ناز فرماتا ہوں میں

یک بیک گھبرا کے جتنی دور ہٹ آتا ہوں میں
اور بھی اُس شوخ کو نزدیک تر پاتا ہوں میں

میری ہستی شوقِ پیہم میری فطرت اضطراب
کوئی منزل ہو مگر گزرا چلا جاتا ہوں میں

ہائے ری مجبوریاں، ترکِ محبت کیلئے
مجھ کو سمجھاتے ہیں وہ اور انکو سمجھاتا ہوں میں

میری ہمت دیکھنا میری طبیعت دیکھنا
جو سُلجھ جاتی ہے گتھی پھر سے اُلجھاتا ہوں میں

حُسن کو کیا دشمنی ہے عشق کو کیا بیر ہے
اپنے ہی قدموں کی خود ہی ٹھوکریں کھاتا ہوں میں

تیری محفل تیرے جلوے پھر تقاضا کیا ضرور
لے اٹھا جاتا ہوں ظالم لے چلا جاتا ہوں میں

تا کجا یہ پردہ داری ہائے عشق و لافِ حُسن
ہاں سنبھل جائیں دو عالم ہوش میں آتا ہوں میں

میری خاطر اب وہ تکلیفِ تجلی کیوں کریں
اپنی گردِ شوق میں خود ہی چھپا جاتا ہوں میں

دل مجسّم شعر و نغمہ، وہ سراپا رنگ و بو — کیا فضائیں ہیں کہ جن میں حل ہوا جاتا ہوں میں

تا کجا ضبطِ محبت، تا کجا دردِ فراق — رحم کر مجھ پر کہ تیرا راز کہلاتا ہوں میں

واہ رے شوقِ شہادت کوئے قاتل کی طرف — گنگناتا، رقص کرتا، جھومتا جاتا ہوں میں

یا وہ صورت خود جہانِ رنگ و بو محکوم تھا — یا یہ عالم اپنے سائے سے دبا جاتا ہوں میں

دیکھنا اس عشق کی یہ طرفہ کاری دیکھنا — وہ جفا کرتے ہیں مجھ پر اور شرماتا ہوں میں

ایک دل ہے اور طوفانِ حوادث اے جگر
ایک شیشہ ہے کہ ہر پتھر سے ٹکراتا ہوں میں

(شملہ، بجنور، مرادآباد)

آئینہ رو برو ہے کچھ گنگنا رہے ہیں — زلفیں سنور چکی ہیں قشقہ لگا رہے ہیں

کافر جمال والے کافر بنا رہے ہیں — ایمان لانے والے ایمان لا رہے ہیں

جھونکے نفس نفس میں خوشبو کے آ رہے ہیں — شاید وہ آج خود ہی تشریف لا رہے ہیں

شاعر ہے محوِ فطرت جذبات چھا رہے ہیں — پیغام جا رہے ہیں پیغام آ رہے ہیں

ساون کی رین اندھیری تنہائیوں کا عالم — بھولے ہوئے فسانے سب یاد آ رہے ہیں

(رسالہ جامعہ مئی ۳۵ء)

بیتاب ہے بے خواب ہے معلوم نہیں کیوں
دل ماہیِ بے آب ہے معلوم نہیں کیوں

بے کیف مئے ناب ہے معلوم نہیں کیوں
پھیکی شب مہتاب ہے معلوم نہیں کیوں

ساقی نے جو بخشا تھا بصد لطف باصرار
وہ جرعہ بھی زہراب ہے معلوم نہیں کیوں

بے نام سی اک یاد ہے کیا جانیے کس کی
بے وجہ تب و تاب ہے معلوم نہیں کیوں

دیکھا تھا کبھی خواب سا معلوم نہیں کیا
اب تک اثر خواب ہے معلوم نہیں کیوں

خلوت میں بھی جلوت میں بھی گھیرے ہوئے دل کو
اک شعلۂ بیتاب ہے معلوم نہیں کیوں

کل تک یہی دنیا سبد گل تھی مگر آج
بے رنگ ہے بے آب ہے معلوم نہیں کیوں

منہ تکتے ہیں تدبیر کوئی کر نہیں سکتے
شل ہمت احباب ہے معلوم نہیں کیوں

محسوس یہ ہوتا ہے کہ ہر تازہ تغیر
میرے لیے بیتاب ہے معلوم نہیں کیوں

جو ساز کہ خود نغمۂ عریاں تھا اسی کو
اندیشۂ مضراب ہے معلوم نہیں کیوں

دل آج بھی سینے میں دھڑکتا تو ہے لیکن
کشتی سی تہِ آب ہے معلوم نہیں کیوں

اس پردۂ رنگیں پہ نظر آتا ہے جو کچھ
جیسے کہ یہ خواب ہے معلوم نہیں کیوں

ہم ہوں اور آپ زیبِ محفل ہوں
ہر طرف آئینے مقابل ہوں

وہ سنیں میرے درد کی آواز
جو مجسّم نزاکتِ دل ہوں

رشک یہ بھی نہیں پسند کہ وہ
اپنی صورت پہ آپ مائل ہوں

کیوں کنکھیوں سے وہ ہمیں دیکھیں
جذبِ دل ہی کے جو نہ قائل ہوں

ایک جانب برس رہے ہوں جمال
اک طرف کچھ حجاب حائل ہوں

جتنے آساں ہوں عشق کے عقدے
حیف اتنے ہی سخت مشکل ہوں

پس منظر بھی سامنے ہے اگر
نگہ و فکر خود نہ حائل ہوں

دور کیوں جائیں آرزو لے کر
آپ اپنے ہی پر نہ مائل ہوں

کیف احساس عشق ہی نہ رہے
اس قدر پاس بھی نہ دو دل ہوں

زندگی جن کے ہر قدم پہ نثار
حیف اپنے وہ آپ قاتل ہوں

اب تو پہلو کا یہ تقاضا ہے
دل ہوں اور دو جہاں کے دل ہوں

نغمے ساکت ہوں بن کے روح مگر
ساز خاموش ہوں مگر دل ہوں

آپ ہی میرے جانِ درد کی صدا
آپ ہی میری جان ہوں دل ہوں

دیکھ لی ہم نے عشق کی تاثیر اب وہ قائل ہوں یا نہ قائل ہوں

زندگی تھے کبھی جو آ د جگر!

اب وہی گھونٹ زہر قاتل ہوں

اوس پڑے بہار پر آگ لگے کنار میں

تم جو نہیں کنار میں لطف ہی کیا بہار میں

لطف ہی کیا ستم ہی کیا عالم اعتبار میں

فرصت ہوش ہی کسے عشق کی گیر و دار میں

راحت جان عاشقاں، کاہش انتظار میں

عیش دل ستم کشاں، درد فراق یار میں

کون کرے یہ عرض جا کے حریم یار میں

نشہ نہیں شراب میں جوش نہیں بہار میں

اس پہ کرے خدا ہی رحم گردش روزگار میں

اپنی تلاش چھوڑ کر جو ہے تلاش یار میں

عشق ہے کس قطار میں حسن ہے کس شمار میں

عمر تمام ہو چلی اپنے ہی انتظار میں

اور تو کچھ کمی نہیں آپ کے اقتدار میں

آپ مجھے بھلا سکیں یہ نہیں اختیار میں

ہم کہیں جانے والے ہیں دامن عشق چھوڑ کر

زیست ترے حضور میں موت ترے دیار میں

قدرت کارساز کی اُف یہ ستم ظریفیاں

جبر میں اختیار ہے جبر ہے اختیار میں

راحت بے خلش اگر مل بھی گئی تو کیا مزا

تلخی غم بھی چاہیے بادۂ خوشگوار میں

دورِ غم فراق کی اتنی تو یاد ہے جگرؔ

اور بھی اک صدا سی تھی درد کی ہر پکار میں

(و)

الٰہی، ایک دُعا ہے، اگر قبول نہ ہو	بہت غریب یہ دل ہے کبھی ملول نہ ہو
تجھے بھی شاق نہ ہو شوق بھی ملول نہ ہو	نظر قبول ہوئی ہے اثر قبول نہ ہو
دُعائے مرگ تو مانگی ہے آج گھبرا کر	میں کیا کروں گا جو یہ بھی کسی قبول نہ ہو
کمالِ عشق! یہ توفیق چاہتا ہوں میں	حصولِ جلوہ، باندازۂ حصول نہ ہو
جسے ہم اپنی محبت کا زخم کہتے ہیں	تری ہی عارضِ رنگیں کا کوئی پھول نہ ہو
کسی کی خاطرِ نازک کا آگیا ہے خیال	دعائیں مانگ رہا ہوں دعا قبول نہ ہو
جو تیرے ہجر میسر کا راز فاش کرے	تری جناب میں وہ دل کبھی قبول نہ ہو

کوئی گناہ نہیں، شوقِ دید و ذوقِ نظر
جز اینکہ فرصتِ نظارگی کو طول نہ ہو	(سیہور بھوپال)

ستم ہو، قہر ہو، آفت، بلا ہو	یہ سب کچھ ہو، مگر، پھر دلربا ہو
کسی کے غم میں کوئی رو رہا ہو	کوئی پردے سے چھپ کر دیکھتا ہو

بتاؤ، کیا تمھارے دل پہ گزرے — اگر کوئی تمھی سا بے وفا ہو

حسن کے ہاتھ میں گر عشق کی تلوار نہ ہو — کوئی یوں جھوم کے سر دینے کو تیار نہ ہو

وصل، شایاں نہ سہی، ہجر سزاوار نہ ہو — میں کہیں کا نہ رہوں تو جو طرفدار نہ ہو

میں بھی ہر حال کو اب ہجر بنا دوں تو سہی — میرا انکار، ترے وصل کا انکار نہ ہو

میں خطاکار، سیہ کار، گنہگار، مگر — کس کو بخشے تری رحمت جو گنہگار نہ ہو

مجھ کو سب کچھ دیا اک بت نے، مگر یہ کہہ کر — تجھ کو اللہ کرے، کچھ بھی سزاوار نہ ہو

میں چلوں عشق میں وہ راہ جو سب سے الگ — کچھ سجھائی بھی نہ دے، سطح بھی ہموار نہ ہو

آتش شوق جو بھڑکی ہے، بھڑکتی ہی رہے — مجھ کو اللہ کرے، تو بھی سزاوار نہ ہو

(غالباً الہ آباد)

(۵)

اِک رند ہے، اور مدحتِ سلطانِ مدینہ!
ہاں! کوئی نظر، رحمتِ سلطانِ مدینہ!

تو صبحِ ازل، آئینۂ حُسنِ ازل بھی
اے صلِّ علیٰ، صورتِ سلطانِ مدینہ!

دامانِ نظر تنگ و فراوانیٔ جلوہ
اے طلعتِ حق طلعتِ سلطانِ مدینہ!

اے خاکِ مدینہ! تری گلیوں کے تصدق
تو خلد ہے، تو جنتِ سلطانِ مدینہ!

اس طرح، کہ ہر سانس ہو مصروفِ عبادت
دیکھوں میں، درِ دولتِ سلطانِ مدینہ!

اِک ننگِ غمِ عشق بھی ہے منتظرِ دید
صدقے ترے اے صولتِ سلطانِ مدینہ!

کونین کا غم، یادِ خدا، وردِ شفاعت
دولت ہے یہی دولتِ سلطانِ مدینہ!

اے عالمِ تکوین! ترے اسرارِ حقیقت
من جملہ یک آیتِ سلطانِ مدینہ!

ظاہر میں غریب الغربا[1] پھر بھی یہ عالم
شاہوں سے سوا سطوتِ سلطانِ مدینہ!

---

[1] غریب بمعنی مفلس صحیح نہیں، لیکن زبان کے متعلق میرے نظریات دوسروں سے بڑی حد تک مختلف ہیں۔ جگر

اس اُمتِ عاصی سے نہ منھ پھیر خدایا! نازک ہی بہت غیرتِ سلطانِ مدینہ!

اے جانِ بلب آمدہ ہُشیار خبردار وہ سامنے ہیں حضرتِ سلطانِ مدینہ!

کچھ ہم کو نہیں کام جگر! اور کسی[1] سے

کافی ہی بس، اِک نسبتِ سلطانِ مدینہ! (مرادآباد مشاعرہ اجمیر شریف)

میری نظروں میں ہی، اک جانِ وفا کا نقشہ کس نے دیکھا ہی؟ اس انداز و ادا کا نقشہ

عشق میں فرقت و قربت ہیں برابر دونوں یہ قیامت کا سماں ہی، وہ بلا کا نقشہ

دل میں کچھ بھی نہیں اب کفرِ محبت کے سوا جم گیا ایک بتِ ہوش رُبا کا نقشہ

تو نے دیکھا ہی نہیں تجھ سے کہوں کیا اللہ اللہ ہائے اُن شوخ نگاہوں میں حیا کا نقشہ

دل میسّر ہو، تو کیا سیرِ دوعالم کی ہوس اسی نقشے میں ہی کل ارض و سما کا نقشہ

دل میں جب درد اُٹھا، نور کا طوفاں بھی اُٹھا کھنچ گیا سامنے، اِک برقِ ادا کا نقشہ

آج جھکتی نظر آتی ہے جبین کو نین دیکھنا، یار کے نقشِ کفِ پا کا نقشہ

پاک رکھ، اشکِ ندامت سے بھرا حال جگر دیکھنا ہی ابھی آنکھوں سے خدا کا نقشہ

---

[1] پہلا مصرعہ سخت ناپسند ہے سچ تو یہ ہے کہ زبردستی کہا گیا ہے

اُف[1]، یہ تیغ آزمائیاں توبہ — اس کی نازک کلائیاں، توبہ
کیا کریں، بندگانِ محبوبی — عاشقی کی خدائیاں، توبہ
منزلِ عشق، اے خدا کی پناہ — ہر قدم کربلائیاں، توبہ
یادِ ایّامِ شوق و عشق و جنوں — چرخ کی فتنہ زائیاں، توبہ
لطفِ بیگانگی، معاذ اللہ — اس کی سادہ ادائیاں، توبہ
حسن میں رقص کا سا اک عالم — شوق کی نے نوائیاں، توبہ
ہائے غمّازیاں نگاہوں کی — اپنی بے دست[2] و پائیاں، توبہ
اُف، وہ احساسِ حسن، پہلے پہل — یک بیک کج ادائیاں، توبہ
اللہ اللہ عشق کی وہ جھجک — حسن کی کہربائیاں، توبہ

---

[1] یہ مسلسل غزل یا نظم میری حیاتِ معاشقہ کے ایک اہم اور بہت ہی درد انگیز واقعے سے متعلق ہے۔

[2] "بے دست و پا" جس مفہوم میں مستعمل ہے اس اعتبار پر میں نے اسے ایک لفظ سے تعبیر کیا ہے اور اس بنا پر جمع بنا لینا غلط نہیں سمجھا۔ جگر

اس کے دامن پہ دل کا جا پڑنا — ہم سے یہ بے وفائیاں، توبہ
غیظ سے ابروؤں پہ وہ شکنیں — دل پہ زور آزمائیاں، توبہ
آستینوں کا وہ چڑھا لینا — گوری گوری کلائیاں، توبہ
نظروں نظروں میں کاوشِ سرزم — دل ہی دل میں لڑائیاں، توبہ
سوزِ غم کی شکایتیں ہر ہر — دردِ دل کی دہائیاں، توبہ
برملا سخت رنجشیں باہم — غائبانہ صفائیاں، توبہ
اپنے مطلب سے عشق کی چھیڑیں — ظاہری بے وفائیاں، توبہ
حسن و توہینِ عشق، ہائے غضب — اپنی وہ خودستائیاں، توبہ
غیرتِ عشق، اے معاذ اللہ — ایک دم بے وفائیاں، توبہ
شبنم آلود وہ حسیں آنکھیں — رُخ پہ اُڑتی ہوائیاں، توبہ
اُس کی غم التفاتیاں ہر ہر — اپنی بے اعتنائیاں، توبہ
سرِ سودا کی شورشیں پیہم — ہر طرف جگ ہنسائیاں، توبہ
رفتہ رفتہ وہ بے پناہ سکوت — سب سے ناآشنائیاں، توبہ

موت سے ہر نفس وہ رازونیاز　　موت کی ہم نوائیاں، توبہ
ناگہاں آمدِ آمدِ محبوب　　غم کی بے انتہائیاں، توبہ
یک بیک آنکھ چار ہو جانا　　دیر تک رونمائیاں، توبہ
نظر دن نظروں میں سرگزشتِ فراق　　دونوں جانب دُہائیاں، توبہ
حُسن کی لہر پھر سے دوڑا کر　　اُس کی معجز نمائیاں، توبہ
پھر وہی چشم مست و جام بدست　　پھر وہی نغمہ زائیاں، توبہ
پھر وہی لب، وہی تبسم ناز　　پھر وہی کج ادائیاں، توبہ
پھر وہ اک بے خودی کے عالم میں　　مِل کے باہم جُدائیاں، توبہ

کچھ نہ زمان و مکان کچھ نہ سفید و سیاہ　　اشہدان لا الٰہ، اشہدان لا الٰہ
غنچۂ و نسرین و گل، انجم و خورشید و ماہ　　یہ بھی مری رہ گزر، وہ بھی مری گردِ راہ
عشق نظر آفریں، اور نظر معصیت　　عشق تمنا نژاد، اور تمنا گناہ
حاصلِ صد عرضِ غم مایۂ صد عرضِ شوق　　اک مترنم سکوت، اک تبسم نگاہ

کون تجھے پا سکے کس کو ہے یہ دستگاہ — عشق سو گم کردہ ہوش عقل سو گم کردہ راہ

دورِ ازل تا ابد یہ بھی کوئی سیر گاہ — فاصلہ یک قدم، دائرہ یک نگاہ

اس کے سوا اور کیا پیش کش حسن دوست — ایک دھڑکتا سا دل ایک لرزتی سی آہ

قصۂ ناز و نیاز کیا کہیں ہوتا ہے ختم — حسن ترا بے اماں عشق مرا بے پناہ

تو ہے خودی ناشناس تجھ کو خدا سے غرض — دیکھ تو لے کر ذرا آئینۂ مہر و ماہ

جانبِ ملکِ حبیب پھر ہیں لیے گامزن — صبح ازل در نفس شام ابد در نگاہ

اپنے بھی سائے سے چل بچ کے رہِ دوستاں — شوق سہی راہ نما عشق سہی خضرِ راہ

اس کا وہیں تک گزر جس کی جہاں تک سکت — اس کی وہیں تک ہے فکر جس کی جہاں تک نگاہ

چیر کے دیکھوں اگر سینۂ مستیِ عشق — توڑ کے رکھ دوں ابھی آئینۂ مہر و ماہ

اے کہ تو ناواقفِ مصلحتِ حسن و عشق — ق — اے کہ تو نامحرمِ سرِّ ثواب و گناہ

میرا تخیّل جگر طائرِ جبریل فکر — میرا تصوّر جگر بلبلِ عنقا نگاہ

درسِ حقیقت سمجھ، حاصلِ فرصت سمجھ

فرضِ محبت سمجھ، معصیت گاہ گاہ

مذہب عشق کر قبول، مسلکِ عاشقی نہ دیکھ
مخشرِ التجا تو بن، صورت ملتجی نہ دیکھ

تجھ کو خدا کا واسطہ تو مری زندگی نہ دیکھ
جس کی سحر بھی شام ہو اس کی سیہ شبی نہ دیکھ

دل کو مٹا کے عشق میں، دل کی طرف کبھی نہ دیکھ
ہو کے نثارِ زندگی، حاصل زندگی نہ دیکھ

جان کو جب گھلا چکا، جان کی فکر ہی نہ کر
شمع کو جب بجھا چکا شمع کی روشنی نہ دیکھ

ناصح کم نگاہ سے کون یہ کہہ کے سر کھپائے
رازِ شکستگی سمجھ، رنگ شکستگی نہ دیکھ

کس لئے جان دیتے ہیں رند، شراب ناب پر
پوچھ نہ رمز محتسب تھوڑی سی آج پی نہ دیکھ

تجھ کو بھی اب قسم ہے یہ، تیرے ستم کا واسطہ
نالۂ نیم شب نہ سن، آہ سحر گہی نہ دیکھ

ہو کے رہے گا ہم نوا وہ بھی تیرے ہی ساتھ ساتھ
نغمۂ شوق گائے جا حسن کی برہمی نہ دیکھ

عشق ادا شناسِ حسن حسن ادا شناسِ عشق
کام سے اپنے کام رکھ، بیخودی، خودی نہ دیکھ

یہ بھی تری طرح کبھی رُخ سے نقاب اُلٹ نہ دے
حُسن پہ اپنے رحم کر عشق کی سادگی نہ دیکھ

فتنۂ روزگار میں ہے یہی راز عافیت
دل جسے چاہے دیکھنا، دیکھ جگر وہی نہ دیکھ

عشق فنا کا نام ہے، عشق میں زندگی نہ دیکھ
جلوۂ آفتاب بن، ذرے میں روشنی نہ دیکھ

شوق کو رہنما بنا، ہو جو چکا کبھی نہ دیکھ
آگ دبی ہوئی نکال، آگ بجھی ہوئی نہ دیکھ

جلوۂ رنگ رنگ کی دیکھ ہما ہمی نہ دیکھ
ایک جگہ ٹھہر نہ جا، غور سے تو کبھی نہ دیکھ

شوق کا مرثیہ نہ پڑھ، عشق کی بے بسی نہ دیکھ
اس کی خوشی خوشی سمجھ، اپنی خوشی خوشی نہ دیکھ

یہ تو نہیں کہ آنکھ کو دعوتِ ماسوا نہ دے
ہاں مگر اس قدر کہ بس ایک ہی رُخ کبھی نہ دیکھ

دل لگی بڑھائے جا، تیز قدم اُٹھائے جا
رخصتِ شوق کی قسم، فرصتِ زندگی نہ دیکھ

حسنِ مجاز سے گزر، یعنی جو تجھ سے ہو سکے
دیکھ کے ایک بار پھر، بارِ دگر کبھی نہ دیکھ

حسن کا ہے یہ مقتضیٰ، دیکھ تو دیکھتا ہی رہ
عشق کا ہے یہ فیصلہ، آنکھ اُٹھا کے بھی نہ دیکھ

تو ہی کمال عشق ہے، تو ہی کمالِ حسن ہے
اپنے سوا کسی طرف آنکھ اُٹھا کے بھی نہ دیکھ

تو ہی تمام نغمہ ہے، تو ہی تمام نغمہ بن
ساز کی نغمگی ہی کیا، ساز کی نغمگی نہ دیکھ

پہلے جہانِ رنگ و بو، تا بہ کمال دیکھ جا
رہروِ منزلِ سلوک، اپنی طرف ابھی نہ دیکھ

موت و حیات میں ہے صرف ایک قدم کا فاصلہ
اپنے کو زندگی بنا، جلوۂ زندگی نہ دیکھ

ہر یہی عین دوستی، اپنی طرف سے لے جگر
دست کرم بڑھائے جا، غیر کی دشمنی نہ دیکھ

(ی)

دل میں اک رشکِ حور رہتا ہے — پاس رہتا ہے، دور رہتا ہے

میں تو رکھوں ہزار پہلو میں — کب دلِ ناصبور رہتا ہے

ہو گیا کیا، مریدِ مے زاہد؟ — اب تو چہرے پہ نور رہتا ہے

پوچھتا ہے یہ اُن نگاہوں سے — عشق کیوں ناصبور رہتا ہے

چشمِ ساقی کی خیر ہو یارب! — بے پیئے ہی سرور رہتا ہے

عشق مرنے پہ بھی نہیں مٹتا — یہ تعلق ضرور رہتا ہے

وہی آہیں، وہی ہوس ہیں لیکن

اب دھواں دور دور رہتا ہے (آگرہ مین پوری)

سُن، تو اے دل! یہ برہمی کیا ہے — آج، کچھ درد میں کمی کیا[۱] ہے؟

---

[۱] مطلع میں یہ مشروط طور پر استعمال ہوئی اس سے دوسرے تمام اشعار میں اس کا لحاظ ضروری تھا۔ لیکن کیا کروں کہ میری افتاد ان تغیرات کو پسند نہیں کرتی۔ جگر

دیکھ لو! رنگِ روئے ناکامی — یہ نہ پوچھو! کہ بے کسی کیا ہے؟

اپنی ناکامیِ طلب کی قسم — عینِ دریا ہے تشنگی کیا ہے؟

جسم محدود، روح لامحدود — پھر یہ اک ربطِ باہمی کیا ہے؟

اے فلک! اب تجھے تو دکھلا دوں — زورِ بازوئے بے کسی کیا ہے؟

ہم نہیں جانتے محبت میں — رنج کیا چیز ہے؟ خوشی کیا ہے؟

اک نفس خلد، اک نفس دوزخ — کوئی پوچھے یہ زندگی کیا ہے؟

(لکھنؤ)

اک شوقِ دیدِ بیتاب سب کچھ دکھا رہا ہے — کوئی نہ آ رہا ہے، کوئی نہ جا رہا ہے

غمِ عشق کے خزینے خوش خوش لٹا رہا ہے — اس ہاتھ کھو رہا ہے، اُس ہاتھ پا رہا ہے

آنکھیں بنی ہوئی ہیں میخانۂ تصور — اک مست آ رہا ہے، اک مست جا رہا ہے

ہمدم کو اس سے مطلب، ناصح کو کیا شکایت؟ — میرا مٹانے والا مجھ کو مٹا رہا ہے

معراجِ شوق کہیے، یا حاصلِ تصور — جس سمت دیکھتا ہوں تو مسکرا رہا ہے

منت گزار ہوں میں اے عشقِ ناشکیبا — دل تیرے نشتروں سے تسکین پا رہا ہے

اُن کی وہ آمد آمد، اپنا یہاں یہ عالم اک رنگ آ رہا ہے، اک رنگ جا رہا ہے

جب حسن و عشق دونوں رسوا کریں گے مجھکو

وہ بھی جگرؔ زمانہ نزدیک آ رہا ہے

اُسے حال و قال سے واسطہ، نہ غرض مقام و قیام سے

جسے کوئی نسبتِ خاص ہو ترے حُسن برق خرام سے

مجھے دے رہے ہیں تسلیاں، وہ ہر ایک تازہ پیام سے

کبھی آ کے منظرِ عام پر، کبھی ہٹ کے منظرِ عام سے

کہوں کیا؟ رہا جو مقابلہ خطرات گام بہ گام سے

سرِ بامِ عشق تمام تک، رہِ شوقِ نیم تمام سے

نہ غرض کسی سے، نہ واسطہ، مجھے کام اپنے ہی کام سے

ترے ذکر سے، تری فکر سے، تری یاد سے، ترے نام سے

مرے ساقیا! مرے ساقیا! تجھے مرحبا، تجھے مرحبا

تو پلائے جا، تو پلائے جا اسی چشم جام بہ جام سے

تری صبحِ عیش ہے کیا بلا؟ تجھے اے فلک! جو ہو حوصلا

کبھی کر لے آ کے مقابلا، غمِ ہجرِ یار کی شام سے

مجھے یوں نہ خاک میں تو ملا، میں اگرچہ ہوں ترا نقشِ پا

ترے جلوے جلوے کی ہے بقا، مرے شوقِ نام بہ نام سے

تری چشمِ مستؑ کو کیا کہوں، کہ نظر نظر ہے فسوں فسوں

یہ تمام ہوش، یہ سب جنوں، اسی ایک گردشِ جام سے

یہ کتابِ دل کی ہیں آیتیں، میں بتاؤں کیا؟ جو ہیں نسبتیں

مرے سجدہ ہائے دوام کو، ترے نقش ہائے خرام سے

ع۱۔ تمام شعرا نے عام طور سے محبوب کی آنکھ سے مستی و بیخودی، کفر و ظلمت کا فائدہ حاصل کیا ہے یا زیادہ سے زیادہ اور وہ بھی تشبیہاً صبح و شام یا گردشِ روزگار کا ذکر کیا ہے لیکن اس ذیل میں "ہوش" کا فائدہ کہیں بھی نہیں اٹھایا گیا ہے حالانکہ آنکھ میں سیاہی بھی ہوتی ہے اور سفیدی بھی۔ یعنی مثلاً سیاہی سے رندی و سیاہ مستی، بیخودی و دیوانگی پیدا ہو سکتی ہے تو سفیدی سے ہوش و خرد کیوں نہ حاصل کئے جائیں۔ جگر راہی

ہلاہل، مدبھرت۔ موہیتا۔ شیام۔ رتنار جیت۔ مرت۔ جھک جھک پرت۔ رچپوت اک بار)

مجھے چاہئے وہی ساقیا! جو برس چلے جو چھلک چلے
ترے حسن شیشہ بدست سے، تری چشم بادہ بجام سے

جو اُٹھا ہے درد اُٹھا کرے، کوئی خاک اُس سے گلا کرے
جسے ضد ہو حسن کے ذکر سے، جسے چڑھ ہو عشق کے نام سے

وہیں چشم حور پھڑک گئی، ابھی پی نہ تھی کہ بہک گئی
کبھی یک بیک جو چھلک گئی کسی رندِ مست کے جام سے

تو ہزار عذر کرے مگر، ہمیں شک ہے اور ہی کچھ جگر!
ترے اضطرابِ نگاہ سے، تری احتیاط کلام سے

(مشاعرۂ سندیلہ لکھنؤ)

اب مرے سامنے ٹھہرے تو گلستاں کوئی
ہو چلا ہی مری صورت سی نمایاں کوئی

چھپ کے رہتا ہے کہیں راز گلستاں کوئی
غنچے غنچے کی زباں سی ہے گل افشاں کوئی

اب اسے وصل کہے یا غم ہجراں کوئی
پردۂ پاس میں ہی سلسلہ جنباں کوئی

اس طرح آج ہے محسوس رگ جاں کوئی
ایک اک سانس میں جیسے ہو خراماں کوئی

خیر ہے آپ نے کیوں غیظ میں تیور بدلے
اپنی ناکامِ محبت پہ ہے نازاں کوئی

کیا وہ نظروں کا مرے حسنِ تلاطم سمجھے
جس نے دیکھا ہی نہ ہو جلوۂ رقصاں کوئی

چشمِ دیوانگیِ شوق، یہاں بھی نہ کھلی
عرصۂ حشر ہے اور مستِ غزلخواں کوئی

عشق بھی رنگِ تعین کا اٹھا دے پردہ
سامنے آئے تو، بے قیدِ رگِ جاں کوئی

بے حقیقت نہ سمجھ! ناصحِ ناداں! ان کو
انھی اشکوں میں نہ ہو حسن کا طوفاں کوئی

شوق نے توڑ دیے وہ بھی جو باقی تھے قیود
لوٹ لے آ کے، بہارِ چمنِ جاں کوئی

اور کیا چاہتی ہے؟ بلبلِ شوریدہ مزاج!
پردۂ گل میں ہے، خود چاکِ گریباں کوئی

یک بیک سامنے آیا نہ کرو، بے پردہ
لے کے اڑ جائے نہ، یہ عالمِ امکاں کوئی

غنچے اسکے ہیں، گل اسکے ہیں، بہاریں اسکی
خون سے اپنے بنائے جو گلستاں کوئی

نگہِ یار کے مخصوص اشاروں کے سوا
مذہبِ عشق میں ہے کفر، نہ ایماں کوئی

اللہ اللہ، مرے جوشِ جنوں کی نہریا
نظر آ جاتا ہے جب چاکِ گریباں کوئی

چاہئے تیرے تصور سے بھی ایسے میں گریز
کیوں کرے تجھ کو شریکِ غمِ ہجراں کوئی

ہائے وہ حسن کا انداز، کہ جس وقت جگر
عشق کے بھیس میں ہوتا ہے نمایاں کوئی

(مشاعرہ بہرائچ)

نظر فروز رہے، سامعہ نواز رہے — زہے مجاز، کہ وہ زینتِ مجاز رہے

کہاں جمالِ حقیقت؟ کدھر مجاز رہے؟ — جو تیرے رُخ پہ نہ حائل حجابِ ناز رہے

ہمیں تو اب ہیں جو کھوئے ہوئے سے پھرتے ہیں — ہمیں وہ تھے کہ ترے راز دارِ راز رہے

الٰہی! اُس دلِ راز آشنا کو کیا کہیے؟ — جو اس طرح سے بھی نا آشنائے راز رہے

نفس کے پردے میں بھی ہے اسی کا عکسِ جمال — بہت نہ سوزِ محبت نفس گداز رہے

کھلا یہ راز تری جلوہ گاہِ قربت میں — جو تجھ سے دور رہے آشنائے راز رہے

جبینِ سجدہ میں ایسی کبھی تڑپ تو نہ تھی — وہ آج خود بھی مگر شاملِ نماز رہے

ترے سوا تری محفل سے کیا غرض مجھکو — خروشِ نغمہ رہے، یا سکوتِ ساز رہے

تری امانتِ غم کا تو حق ادا کر لوں — خدا کرے شبِ فرقت ابھی دراز رہے

ترے بغیر، تو جینا روا نہیں لیکن — میں کیا کروں! جو ترا غم ہی جاں نواز رہے

جراحتیں دلِ بسمل کی روح تک پہنچیں — درازدستیِ قاتل، ابھی دراز رہے

یہ حکم خاص ہے ساقی کا آج محفل میں
جگر سا ایک بھی کافر، نہ پاکباز رہے (مشاعرۂ مین پوری)

کچھ اس طرح، وہ پسِ پردۂ مجاز رہے — حجاب ساز میں جیسے نوائے ساز رہے

نہ کوئی راز رہا ہے، نہ کوئی راز رہے — نفس نفس میں وہ خود ہی جو نے نواز رہے

تری نگہ، جو اسی طرح گرمِ ناز رہے — بشر تو کیا، نہ فرشتہ بھی پاکباز رہے

خطا معاف، کسی اور کا تو ذکر ہی کیا — نیاز مند ترے، تجھ سے بے نیاز رہے

جنونِ سجدہ کو، کیا اہلِ ہوش سے مطلب؟ — ترا خیال بھی، کیوں شاملِ نماز رہے

یہاں تو کام ہے اک نشترِ توجہ سے — نگاہِ قہر رہے، یا نگاہِ ناز رہے

محبت اصلِ حقیقت، محبت اصلِ مجاز — وہ کم نظر تھے، جو بیگانۂ مجاز رہے

جبین و سجدے کی توہین ہے جبیں سائی — جبین و سجدے میں کچھ بھی جو امتیاز رہے

ترے نثار، عطا کر، وہ اک لطیف خلش — تمام عمر محبت کو جس پہ ناز رہے

نگاہِ ناز سے چھلکا رہا ہے مے کوئی — ق — وہ پاکباز نہیں اب جو پاکباز رہے

زمانہ آج ہی غرقِ شراب تھا زاہد! — کچھ اور دیر، جو وہ چشمِ نیم باز رہے

دکھاؤں عشق کی خودداریاں جگر میں بھی

جو ایک بات پہ قائم غرورِ ناز رہے (شاعرِ مینا پوری)

مسلسل

ملا کے آنکھ، نہ محروم ناز رہنے دے   تجھے قسم ہے جو مجھے پاکباز رہنے دے

میں اپنی جان تو قربان کر چکوں تجھ پر   یہ چشم مست ابھی نیم باز رہنے دے

ترے ہی شیوۂ عاشق کشی کی تجھ کو قسم   اسی طرح مژہ ہائے دراز رہنے دے

ہٹا نہ سینۂ عاشق سے رُخ کسی جانب   نگاہ ناز کو نشتر نواز رہنے دے

گلے سے تیغِ ادا کو جدا نہ کر قاتل!   ابھی یہ منظر راز و نیاز رہنے دے

یہ تیرِ ناز ہیں، تو شوق سے چلائے جا   خیالِ خاطرِ اہلِ نیاز رہنے دے

قتیلِ غمزۂ خوں ریز ہوں قصور معاف   اشارۂ نگہِ دل نواز رہنے دے

بجھا نہ آتشِ پنہاں کرم کے چھینٹوں سے

دلِ جگر کو مجسم گداز رہنے دے   (مین پوری)

غیر مُسلسل

مجھے ہلاکِ فریبِ مجاز رہنے دے   نہ چھیڑ، او نگہِ امتیاز رہنے دے

یہ جان آج نکلتی ہے جس کے قدموں پر   خدا کرے سرِ دامانِ ناز رہنے دے

میں رازِ عشق کو بیگانۂ جہاں رکھوں
مگر جو مصلحتِ حُسن راز رہنے دے

خدا نے دی ہی یہ نعمت تو رکھا اس کو بعیب
غرورِ حُسن کو، تا حدِّ ناز رہنے دے

یہ بات کیا ہے؟ کہ حقیقت وہی مجاز وہی
مجاز ہی، تو پھر اس کو مجاز رہنے دے

یہ جان ایک بلا نوش کی ہے ای ساقی!
نہ پھینک دُرد مئے خانہ ساز رہنے دے

یہ خانقاہ نہیں پی بھی جائیے زاہد!
یہ میکدہ ہے، یہاں احتراز رہنے دے

ازل سے حسن تو عاشق نواز ہے لیکن
جو عشق ہی اُسے عاشق نواز رہنے دے

اُسے نہ آئینہ سمجھو، وہ اور ہی شے ہے
جس آئینے کو، خود آئینہ ساز رہنے دے

لُٹا دیئے دولت کونین اور میرے لئے
بس اک تبسّم عاجز نواز رہنے دے

گزرتی ہے جو دلِ عشق پر نہ پوچھ جگر!
یہ خاص رازِ محبت ہے راز رہنے دے

حال بھی ماورائے حال بھی ہے
عشق ممکن بھی ہے، محال بھی ہے

پھر بھی تجھ سے ہزار شکوے ہیں
جانتا ہوں، مرا خیال بھی ہے

کرتے جاتے ہیں صاف عذرِ کرم
اور پھر پرسشِ ملال بھی ہے

دل کے ہر اضطرابِ نازک میں
شانِ بیتابیٔ جمال بھی ہے

ہر ستم ہے کرم کے پردے میں
اس ستم کی کوئی مثال بھی ہے

رہ گئے، محوِ یک نظر ہو کر
اب کسے فرصتِ خیال بھی ہے

دور رہنا، نہ منزلِ دل سے
وصل بھی ہے یہیں وصال بھی ہے

چھائے جاتے ہیں، دردِ دل بن کر
اس پہ تاکیدِ ضبطِ حال بھی ہے

حسن کے ہر جمال میں پنہاں
میری رعنائیٔ خیال بھی ہے

دل کو برباد کر کے بیٹھا ہوں
کچھ خوشی بھی ہے کچھ ملال بھی ہے

لاکھ رسوا سہی جگر لیکن
خوش نظر بھی ہے خوش خیال بھی ہے

کیا خاک سیر کیجئے، دنیائے رنگ و بو کی
مہلت نہ آرزو کی، فرصت نہ جستجو کی

یہ حدِ آخری ہے، عاشق کی جستجو کی
بن بن کے مٹ رہی ہے ہر شکل آرزو کی

تم دل اسے سمجھ لو یا جان آرزو کی
سینے میں اب سے پہلے اک بوند تھی لہو کی

اللہ! شرم رکھ لے تو میرے جنگجو کی
آئینہ روبرو ہے، چوٹیں ہیں دوبدو کی

تو بہارِ تازہ، تو دنیائے رنگ و بو کی — ایک بار جس نے دیکھا، تا حشر آرزو کی

طے منزلیں ہوئی ہیں یوں عشق و آرزو کی — کچھ میں نے جستجو کی، کچھ اُس نے جستجو کی

اب کیا جواب دوں میں، کوئی مجھے بتائے — وہ مجھ سے کہہ رہے ہیں کیوں میری آرزو کی؟

یہ ترکِ جستجو بھی، کیا ترکِ جستجو ہے — اس میں بھی پا رہا ہوں اک شان جستجو کی

پھر دل نوازیاں ہیں، پھر چارہ سازیاں ہیں — پہچانتا ہوں نظریں اُس شوخ فتنہ جو کی

ہاں نشترِ نوازش! اک اور بھی اشارہ — محسوس ہو چلی ہے جنبش رگِ گلو کی

مایوس ہو کے پلٹیں جب ہر طرف سے نظریں — دل ہی کو بت بنایا، دل ہی سے گفتگو کی

ناکامِ جستجو سب فریاد کر رہے ہیں — اے کاش کوئی سنتا، فریاد جستجو کی

وہ ایک گوشۂ دل جس میں ہیں لاکھ شکوے — میں نے بہت چھپایا، اُسکی نظر نے جو کی

آئے نہ مرے مقابل جس کو ہو زعمِ تمکیں — تصویر کھینچتا ہوں اک حُسن شعلہ خو کی

عالم سے چھپنے والے! معلوم تیرا چھپنا — سو بار تجھ کو دیکھا، سو بار گفتگو کی

پردہ جب اُٹھ گیا ہے، دیکھا ہے یہ اکثر — اپنی ہی آرزو میں، اپنی ہی جستجو کی

مجرم بنا ہوا ہوں، اور یہ بھی جانتا ہوں — میں وہ ہوں تُو نے ظالم! خود جس کی آرزو کی

راتیں گزارتے ہیں یوں بیکسان وقت — جب دلکو آچلا غش تاروں سے گفتگو کی

دل خود بھی تنگ ہے اب لیکن علاج اس کا — عادت سی پڑ گئی ہے ظالم کو جستجو کی

عین شکستگی ہی حسنِ شکستگی ہے — چاک قبائے گل کو حاجت نہیں رفو کی

تو خوب جانتا ہے، او جانِ دل کے مالک

ہر حال میں جگر نے تیری ہی آرزو کی

یہ مے کشی ہے تو پھر شانِ مے کشی کیا ہے؟ — بہک نہ جائے جو پی کر، وہ رند ہی کیا ہے؟

بس ایک سمت اڑا جا رہا ہوں وحشت میں — خبر نہیں کہ خودی کیا ہے؟ بیخودی کیا ہے؟

میں زہرِ مرگ گوارا کروں؟ کہ تلخیِ زیست — مری خوشی تو ہے سب کچھ، تری خوشی کیا ہے؟

لبوں پہ موجِ تبسم، نگہ میں برقِ غضب — کوئی بتائے؟ یہ اندازِ برہمی کیا ہے؟

کسے مجال، کہ افشائے رازِ یار کرے — یہ زندگی ہی سے سمجھو، کہ زندگی کیا ہے؟

ستم کشانِ محبت سے کوئی پوچھے تو — امید پر ہے بھروسہ، امید ہی کیا ہے؟

کہاں کی خانقہ و مسجد و کنشت و بہشت — فقیر ہوں مرے ساقی کے گھر کمی کیا ہے؟

یہ درس میں نے لیا، مکتبِ محبت سے — کسی طرح جو بہل جائے، زندگی کیا ہے؟

اُسی کے واسطے مے بھی ہے میکشی بھی جگر!
خبر نہیں جسے، مے کیا ہے؟ میکشی کیا ہے؟

شائستۂ غرورِ تمنا نہ کیجیے ... ایسی نگاہ سے مجھے دیکھا نہ کیجیے
تسکین مضطرب کا مداوا نہ کیجیے ... وعدہ تو کیجیے مگر ایفا نہ کیجیے
محدودِ وصل شوق کی دنیا نہ کیجیے ... مر جائیے، یہ ننگ گوارا نہ کیجیے
رعنائیِ خیال کو رسوا نہ کیجیے ... ممکن بھی ہو تو عرضِ تمنا نہ کیجیے
کیا جانیے کب آہ کی تاثیر جاگ اُٹھے؟ ... گہری نگاہ سے مجھے دیکھا نہ کیجیے
کافی ہے اک نگاہِ کرم التجا کے بعد ... تازہ کوئی فسونِ تماشا نہ کیجیے
موسیٰ کی طرح، کون سُنے لن ترانیاں ... بے عیب ہے جو حسن، تو پردا نہ کیجیے
یا دیکھ کر نہ دیکھیے، کچھ بھی سوائے دوست ... یا، دیکھنے کی طرح سے دیکھا نہ کیجیے
دیوانہ کر کے دیجیے پھر حجابِ ذوقِ ہوش ... ہشیار کر کے پھر مجھے دیوانہ کیجیے
ماتم گسار کون ہے؟ اب کس کی لاج ہے ... کہتے نہ تھے کہ خونِ تمنا نہ کیجیے
تاثیرِ شوق، پاس کا پردہ اُلٹ نہ دے ... اتنے قریب سے مجھے دیکھا نہ کیجیے

ہر جلوہ ہی بجائے خود اِک دعوتِ نگاہ — کیا کیجئے، جو تیری تمنا نہ کیجئے

یوں چشمِ شوق دیکھ ہی لیتی ہی کچھ نہ کچھ — پردے کا ہی خیال تو پردا نہ کیجئے

تفسیرِ عشق و حسن، جگرؔ! مصلحت نہیں

افشائے رازِ قطرہ و دریا نہ کیجئے (مین پوری وجھانسی)

محبت میں جدھر دیکھو، بہارِ جاودانی ہی — ہجومِ رنگ و بو ہی، حسنِ نغمہ ہی، جوانی ہی

جنونِ عشق میں حاصل یہ لطفِ زندگانی ہی — نظر کو دل سی اور دل کو نظر سی بدگمانی ہی

ترے سر کی قسم، تجھ سا ہی اک محبوبِ ثانی ہی — یہی نقشہ، یہی انداز، ایسی ہی جوانی ہی

خدایا! خیر کرنا نبضِ بیمارِ محبت کی — کئی دن سی بہت برہم مزاجِ ناتوانی ہی

کسی کو آج مجبورِ ترنم کر بھی دے اے دل! — بہت مدت سے ہی خاموش سازِ لن ترانی ہی

الٰہی! بھیج دے ایسے میں اُس جانِ تمنا کو — سکوتِ شب کا سناٹا ہی اور دل کی کہانی ہی

تجھے اے عشق! سینے سے لگا دوں دیدہ و دل سے — ترے ہر درد میں پنہاں نشاطِ جاودانی ہی

یہ بتلا، اور کچھ تیرے سوا کونین میں ہی بھی؟ — یہاں جو بھی ہی تیرے سوائے دوست فانی ہی

نہ کر آلودۂ لفظ و بیاں شرحِ محبت کو — محبت ہی بجائے خود زبانِ بے زبانی ہی

ترے حسنِ حیات افروز کو دیکھا ہی حسد سے
بہت مجکو عزیز اس دن سے اپنی زندگانی ہی

الٰہی شرم تیرے ہاتھ ہی آدابِ محفل کی
وہ نازک طبع مہماں ہی جنوں کی میہمانی ہی

لئے پھرتا ہوں اک تصویرِ حسرت اپنی آنکھوں میں
خدا بخشے دلِ مرحوم کی زندہ نشانی ہی

انھیں آنسو سمجھ کر یوں نہ مٹی میں ملا ظالم!
پیامِ دردِ دل ہی اور آنکھوں کی زبانی ہی

ترے جورِ مسلسل کی قسم، او پوچھنے والے!
جگر کے حال پر، تیرا کرم ہی، مہربانی ہے (کرہل مین پوری)

جنونِ عشق کا آنا تو حق ادا کرنے
تجھے بھی اپنی طرح عالم آشنا کرتے

حیات، درد سہی، پھر بھی آہ کیا کرتے
فنا کی چیز جو ہوتی، تو ہم فنا کرتے

تمام منظرِ ہستی کو ایک جا کرتے
پھر اپنی شرحِ محبت، جدا جدا کرتے

محبت اصل حقیقت ہی، اسکو کیا کرتے؟
ہم التجا جو نہ کرتے، وہ التجا کرتے

وہ ہنس رہے ہیں مرے حال پر ہنسا کرتے
یہ بہہ رہے ہیں جو آنسو یونہی بہا کرتے

نہ تھا پسند کہ محرومِ التجا کرتے
وگرنہ دل وہ کسی کا پسند کیا کرتے

یہ کیا مجال، کہ ہم ترکِ التجا کرتے
دہن کو سی بھی جو لیتے، نظر کو کیا کرتے

نمازِ عشق یہاں ہر نفس نفس جاری — کبھی ادا ہی نہ ہوتی، اگر قضا کرتے

یقیں کرو، کہ تمھاری جگہ جو ہم ہوتے — محبتوں کے خزانے لٹا دیا کرتے

دل ایک شاہدِ معنی سہی، مگر پھر بھی — تمھارے سامنے ہم بے نقاب کیا کرتے

حجاب نے انھیں رکھا حجاب میں ورنہ — جب آتے سامنے اپنا ہی سامنا کرتے

وہ عرضِ شوق پہ اے کاش اور کچھ نہ سہی — نگاہ نیچی کیے مسکرا دیا کرتے

نہ انتہا ہے، نہ کچھ ابتدا محبت کی — جو انتہا کوئی ہوتی، تو ابتدا کرتے

نہیں جو وصل میسر، نصیب ہجر تو ہے
ہم اتنے فرق کا اُن سے ملال کیا کرتے

(لکھنؤ)

عشق کی حد سے نکلتے، پھر یہ منظر دیکھتے — کاش حسنِ یار کو ہم حسن بن کر دیکھتے

غنچہ و گل دیکھتے، یا ماہ و اختر دیکھتے — تم نظر آتے ہمیں، ہم کوئی منظر دیکھتے

دور جا کر دیکھتے، نزدیک آ کر دیکھتے — ہم سے ہو سکتا، تو ہم ان کو برابر دیکھتے

فطرتِ مجبور پہ قابو ہی کچھ چلتا نہیں — ورنہ ہم تو تجھ سے بھی تجھ کو چھپا کر دیکھتے

پھر وہی حسرت ہے ساقی! پھر اسی انداز سے — پھر سوا ساغر کے سب کچھ غرقِ ساغر دیکھتے

میرے چپ رہنے پہ کیا؟ وہ بار ہا ہنسے حضرے — مسکرا کر دیکھتے پھر مسکرا کر دیکھتے

عشق کی سرتاپا نظر، نازکِ مزاجِ حسن دوست — دیکھتے بھی ہم، اگر اس کو تو کیوں کر دیکھتے

مل گئیں نظروں سے نظریں اور ملکر رہ گئیں — چشمِ ساقی دیکھ کر، کیا جام و ساغر دیکھتے

تشنگانِ دید جلوہ ہیں، ہمیں سمجھا ہے کیا! — تم اگر صورت دکھاتے جان دیکر دیکھتے

مر مٹا، اک بات پر کس آن سے کس شان سے — آپ اگر ایسے میں ہوتے دل کے تیور دیکھتے

زاہد مسجد نشیں ہیں اور اک ٹوٹا سا ظرف — میکدے میں اہتمامِ جام و ساغر دیکھتے

وائے محرومیٔ قسمت رہ گئی حسرت یہی — ایک دن تو ہم انھیں اپنے میں آ کر دیکھتے

ہائے وہ چہرہ اور آنکھیں وہ تڑپتی بجلیاں — کاش اک دن پھر اُسے گستاخ بن کر دیکھتے

دم بخود ہیں حضرتِ زاہد ہمیں تک دیکھ کر — ہوش اڑ جاتے اگر شیشے سے باہر دیکھتے

یا مذاقِ دید کی تہمت نہ لیتے، اے جگر!

یا مجسّم دل، سراپا آنکھ بن کر دیکھتے — (مین پوری)

کیا برابر کا محبت میں اثر ہوتا ہے — دل اِدھر ہوتا ہے ظالم، نہ اُدھر ہوتا ہے

ہم نے کیا کچھ نہ کیا، دیدہ و دل کی خاطر — لوگ کہتے ہیں دعاؤں میں اثر ہوتا ہے

دل تو یوں دل سے ملایا، کہ نہ رکھا میرا — اب نظر کے لئے، کیا حکمِ نظر ہوتا ہے

میں گنہگارِ جنوں، میں نے یہ مانا لیکن — کچھ اُدھر سے بھی تقاضائے نظر ہوتا ہے

تو نے دیکھا ہی نہیں، تجھ سے کہوں کیا ناصح — وہ جو مخصوص اک انداز نظر ہوتا ہے

کون دیکھے اُسے، بیتابِ محبت اے دل

تو وہ نالے ہی نہ کر، جن میں اثر ہوتا ہے (مین پوری)

خوشا بیداد، خونِ حسرتِ بیداد ہوتا ہے — ستم ایجاد کرتے ہو، کرم ایجاد ہوتا ہے

بظاہر کچھ نہیں کہتے، مگر ارشاد ہوتا ہے — "ہم اسکے ہیں، جو ہم پر ہر طرح برباد ہوتا ہے"

مرے ناشاد رہنے پر، وہ جب ناشاد ہوتا ہے — بتاؤں کیا؟ جو میرا عالمِ فریاد ہوتا ہے

یہی ہے رازِ آزادی جہاں تک یاد ہوتا ہے — کہ نظریں قید ہوتی ہیں تو دل آزاد ہوتا ہے

دلِ عاشق بھی کیا مجموعۂ اضداد ہوتا ہے — اُدھر آباد ہوتا ہے، اِدھر برباد ہوتا ہے

وہ ہر اک واقعہ جو صورتِ افتاد ہوتا ہے — کبھی پہلے بھی دیکھا تھا، کچھ ایسا یاد ہوتا ہے

بڑی مشکل سے پیدا، اک وہ آدم زاد ہوتا ہے — جو خود آزاد، جس کا ہر نفس آزاد ہوتا ہے

نگاہیں کیا، کہ پہروں دل بھی واقف ہو نہیں سکتا — زبانِ حسن سے ایسا بھی کچھ ارشاد ہوتا ہے

تمھی ہو طعنہ زن مجھ پر تمھی انصاف سے کہہ دو
کوئی اپنی خوشی سے خانماں برباد ہوتا ہے

یہ ناننگ پابندی سے کیا آزاد کو مطلب
مگر وہ شرم آزادی سے بھی آزاد ہوتا ہے

تصور میں ہی کچھ ایسا تری تصویر کا عالم
کہ جیسے لب بنازک سے کچھ ارشاد ہوتا ہے

کوئی حد ہی نہیں شاید محبت کے فسانے کی
سناتا جا رہا ہے جس کو جتنا یاد ہوتا ہے

(لکھنؤ)

یوں بھی مجھے تو حاصل آرام جاں نہیں ہے
اب تجھ پہ مہرباں ہے دل مہرباں نہیں ہے

جو داستاں ہے اپنی افسانہ ہے کسی کا
شاید مرے دہن میں میری زباں نہیں ہے

ہاں اے جمال جاناں اک اور بھی تجلی
دنیا مری نظر میں اب تک جواں نہیں ہے

ہر لحظہ کہہ رہا ہے یہ انقلاب فطرت
یعنی جہاں ابھی تھی دنیا وہاں نہیں ہے

دل کی جراحتوں کو کچھ دل ہی جانتا ہے
ظاہر میں دیکھئے تو کوئی نشاں نہیں ہے

شاید تری نظر سے کچھ راز دل سمجھ لوں
کہتے ہیں عشق جس کو میری زباں نہیں ہے

جو کچھ میں دیکھتا ہوں میری نظر سے دیکھو
عین مشاہدہ ہے وہم و گماں نہیں ہے

تیرے کرم کے صدقے کر لے ستم بھی شامل
دل شادماں ہے لیکن غم شادماں نہیں ہے

دل ترے عشق میں ناشاد بھی ہے شاد بھی ہے　　یہی نغمہ، یہی نالہ یہی فریاد بھی ہے

اب بھی کیا، دل کو نہ سمجھو گے سزاوارِ سزا؟　　مجرمِ شوق بھی ہے ملزمِ فریاد بھی ہے

تم مری آنکھ سے دیکھو تو یہ دنیائے جمال　　ہائے کیا چیز مرا عشق خداداد بھی ہے

ہر وہ ناچیز سا ذرہ جسے تم دیکھتے ہو　　اُس کو سن لو، تو یہ نغمہ بھی ہے فریاد بھی ہے

تم جو ایسے میں چلے آؤ، تو رو لوں دم بھر　　صبح کا وقت بھی ہے خاطرِ ناشاد بھی ہے

اب کہاں آہ مجھے فرصتِ یک لحظہ جگر!

سینۂ عشق بھی ہے نشترِ فریاد بھی ہے　　(سیہور بھوپال)

وہ کون ہے ایسا! کہ تری شکل دکھا دے　　احسان ہے اُسکا جو تجھے مجھ سے ملا دے

ہاں جذبِ غمِ عشق کی تاثیر دکھا دے　　مجبور نہ بن حسن کو مجبور بنا دے

تو چاہے تو اے جلوۂ اعجازِ محبت!　　تصویر، کو تصویر کا دیوانہ بنا دے

تو حسن ہے، میں عشق ہوں تو جان ہے میں جسم　　کس کی ہے یہ طاقت کہ مجھے تجھ سے چھڑا دے

اے جانِ دو عالم! ترے عالم کے تصدق　　اپنا جو بنایا ہے، تو اپنا سا بنا دے

جنت میں بھی ایسا تو نہ ہوگا گل خنداں　　اے زخمِ جگر زینتِ قاتل کو کُھلا دے

(لکھنو)

کیوں دور مہک کے جائیں ہم دل کی سرزمیں سے
دونوں جہاں کی سیر یہ حاصل ہیں سب یہیں سے

پرواز سُن رہے ہیں اک موجِ تہ نشیں سے
ڈوبے ہیں ہم جہاں پر ابھرینگے پھر وہیں سے

خونِ وفائے بسمل جرمِ نگاہِ قاتل
ظاہر تو ہر جگہ ہی ثابت نہیں کہیں سے

اس چشمِ خشک سی تم چھیڑیں تو کر رہے ہو
تڑپے نہ موج کوئی، دریائے آستیں سے

انکار اور اُس پر اصرار وہ بھی پیہم
تم مجھ کو چاہتے ہو، ثابت ہوا یہیں سے

اب کیا بتاؤں کیا کیا عالم گزر رہے ہیں
میرے دلِ حزیں پر میرے دلِ حزیں سے

یوں آج مل رہا ہے جانِ جگر سے کوئی
جس طرح مل رہا ہو کوئی حسیں حسیں سے
(لکھنؤ)

اے حُسنِ یار! شرم، یہ کیا انقلاب ہے؟
تجھ سے زیادہ درد ترا کامیاب ہے

جب تک شبابِ عشق مکمل شباب ہے
پانی بھی ہے شراب ہوا بھی شراب ہے

جو خود نہ زندگی ہو نہ پیغامِ زندگی
وہ حسن قہر ہے، وہ محبت عذاب ہے

عاشق کی بیدلی کا تغافل نہیں جواب
اس کا بس ایک جوشِ محبت جواب ہے

تیری عنایتیں کہ نہیں نذرِ جاں قبول
تیری نوازشیں کہ زمانہ خراب ہے

اے حسن! اپنی حوصلہ افزائیاں تو دیکھ
مانا کہ چشمِ شوق بہت بے حجاب ہے

میں عشقِ بے نیاز ہوں، تم حسنِ بے پناہ
میرا جواب ہے، نہ تمھارا جواب ہے

مے خانہ ہے اُسی کا، یہ دنیا اُسی کی ہے
جس تشنہ لب کے ہاتھ میں جامِ شراب ہے

اُس سے دلِ تباہ کی روداد کیا کہوں
جو یہ نہ سُن سکے کہ زمانہ خراب ہے

اے محتسب! نہ پھینک، مرے محتسب!!! نہ پھینک
ظالم!!! شراب ہے، ارے ظالم!!!! شراب ہے

اپنے حدود سے نہ بڑھے کوئی عشق میں،
جو ذرہ جس جگہ ہے، وہیں آفتاب ہے

وہ لاکھ سامنے ہوں، مگر اس کا کیا علاج؟
دل مانتا نہیں، کہ نظر کامیاب ہے

میری نگاہِ شوق بھی کچھ کم نہیں مگر
پھر بھی ترا شباب، ترا ہی شباب ہے

مانوسِ اعتبارِ کرم کیوں کیا مجھے؟
اب ہر خطائے شوق اسی کا جواب ہے

میں اُس کا آئینہ ہوں، وہ ہے میرا آئینہ
میری نظر سے اُس کی نظر کامیاب ہے

تنہائیِ فراق کے قربان جایئے
میں ہوں، خیالِ یار ہے، چشمِ پُر آب ہے

سرمایۂ زاقِ جگر! آہ کچھ نہ پوچھ
اک جان ہے، سو اپنے لئے خود عذاب ہے
(بھوپال)

سنتا ہوں کہ ہر حال میں وہ دل کے قریں ہے — جس حال میں ہوں اب مجھے افسوس نہیں ہے

زاہد، مگر اس رمز سے آگاہ نہیں ہے — سجدہ وہی سجدہ ہے کہ جو ننگِ جبیں ہے

جس دل میں تری یاد ہے، تو صدر نشیں ہے — وہ دل بھی حسیں، اس کی محبت بھی حسیں ہے

وہ آئے ہیں، اے دل ترے کہنے کا یقیں ہے — لیکن میں کروں کیا مجھے فرصت ہی نہیں ہے

جس رنگ میں دیکھو اُسے، وہ پردہ نشیں ہے — اور اس پہ یہ پردہ ہے کہ پردہ ہی نہیں ہے

ہر ایک مکاں میں کوئی اس طرح مکیں ہے — پوچھو تو کہیں بھی نہیں، دیکھو تو یہیں ہے

نزدیک ہو یا دور، جہاں تم ہو وہیں ہے — عاشق وہی عاشق ہے، جو مجبور نہیں ہے

یہ دل ہے ترا دل مجھے کیا تابِ تصرف — تو دیکھ لے جو چیز جہاں رکھی وہیں ہے

میری ہی طرح وہ بھی نہ ہو ہجر میں بیتاب — ہر سانس کے ساتھ آج اِک آوازِ حزیں ہے

اس طرح نہ ہوگا، کوئی عاشق بھی تو پابند — آواز جہاں دو، اُسے وہ شوخ وہیں ہے

مجھ سے کوئی پوچھے ترے ملنے کی ادا نیں — دنیا تو یہ کہتی ہے کہ ممکن ہی نہیں ہے

کیا ذوق ہے، کیا شوق ہے، کیا ربط ہے، کیا ضبط — سجدہ ہے جبیں میں کبھی سجدہ میں جبیں ہے

ہر لحظہ نیا جلوہ، نئی آن، نئی شان — میری نگہِ شوق بھی، کیا شوخ حسیں ہے

میں بے اثرِ جذبِ محبت سہی لیکن — کیا کم ہی، وہ میرے لئے بیتاب نہیں ہی
میں اور ترے ہجرِ جفا کار کے صدقے — اس بات پہ جیتا ہوں کہ مرنے کا یقیں ہی
معلوم ہیں اس سحرِ نگاہی کے کرشمے — دنیا مرے نزدیک جو ہی بھی تو نہیں ہی
اس بزمِ حقیقت کی حقیقت میں کہوں کیا — نغموں کا تلاطم تو ہی، آواز نہیں ہی

کس کس سے ترے عشق میں دامن کو چھڑاؤں
کونین ہی، اور ایک مری جانِ حزیں ہی (بھوپال سنہ ۳۲ء)

تڑپ کر دل انھیں تڑپا رہا ہے — قیامت پر قیامت ڈھا رہا ہی
عجب عالم سا دل پر چھا رہا ہے — حسیں جیسے کوئی شرما رہا ہی
یہ کیسا دل پہ عالم چھا رہا ہے — کہ تجھ سے مل کے بھی گھبرا رہا ہی
نگاہوں سے نگاہیں لڑ رہی ہیں — ق — مزے دردِ محبت پا رہا ہی
پیامِ شوق کا اب پوچھنا کیا — برابر آ رہا ہے، جا رہا ہی
وہ زلفیں دوش پر بکھری ہوئی ہیں — جہانِ آرزو تھرا رہا ہی
گلے مل کر وہ رخصت ہو رہے ہیں — محبت کا زمانہ آ رہا ہی

وہ کچھ دلکو مرے سمجھا رہے ہیں کچھ اُن کو دل مرا سمجھا رہا ہے
وہ خود تسکین خاطر کر رہے ہیں مگر دل ہے کہ ڈوبا جا رہا ہے
ازل ہی سے چمن بندِ محبت ق یہی نیرنگیاں دکھلا رہا ہے
کلی کوئی جہاں پر کھل رہی ہے وہیں اک پھول بھی مرجھا رہا ہے
طبیعت ہے کہ ٹھہری جا رہی ہے زمانہ ہے کہ گزرا جا رہا ہے
مری رودادِ غم، وہ سن رہے ہیں تبسم سا لبوں پر آ رہا ہے
سنبھل بیٹھیں، حریفانِ شہادت زباں پر نام قاتل آ رہا ہے
غم دل کو خدا آباد رکھے نشاط سرمدی برسا رہا ہے
ملا ہے آج اذنِ باریابی ہر اک پردہ اٹھایا جا رہا ہے

جگر ہی کا نہ ہو افسانہ کوئی
در و دیوار کو حال آ رہا ہے (بھوپال ۱۹۳۲ء)

دل کو جب دل سے راہ ہوتی ہے آہ ہوتی ہے، واہ ہوتی ہے
جو بچائے خود آہ ہوتی ہے ہائے، وہ کیا نگاہ ہوتی ہے

میرے غم خانۂ مصیبت کی — چاندنی بھی سیاہ ہوتی ہے

اِک نظر دل کی سمت دیکھ تو لو — کیسی دنیا تباہ ہوتی ہے

حُسنِ جاناں کی منزلوں کو نہ پوچھ؟ — ہر "نفس" ایک آہ ہوتی ہے

کیا خبر تھی کہ عشق کے ہاتھوں — ق — ایسی حالت تباہ ہوتی ہے

سانس لیتا ہوں دم اُلجھتا ہے — بات کرتا ہوں، آہ ہوتی ہے

جو اُلٹ دیتی ہے صفیں کی صفیں — اِک شکستہ سی آہ ہوتی ہے

یوں نہ پردہ کرو خدا کے لئے — دیکھو، دنیا تباہ ہوتی ہے

وقفۂ ہوشِ عشق، آہ، نہ پوچھ — فرصتِ یک نگاہ ہوتی ہے

آہِ پیہم پہ تھا مدارِ حیات — وہ بھی اب گاہ گاہ ہوتی ہے

وہ بھی ہے اک مقامِ عشق جہاں — ہر تمنا گناہ ہوتی ہے

وہ سرہانے کھڑے ہیں اور یہاں — رخصتِ اشک و آہ ہوتی ہے

حاصلِ حُسن و عشق اُسے سمجھو — وہ جو پہلی نگاہ ہوتی ہے

ایک ایسا بھی وقت ہوتا ہے — مسکراہٹ بھی آہ ہوتی ہے

ہم سے پوچھو تو عشق کی بھی نگاہ — سخت کافر نگاہ ہوتی ہے

حسن کو بھی جو رنگ دیتی ہے — ایک سادہ نگاہ ہوتی ہے

درد بے وجہ کو نہ چھیڑ جگر!

یہ خوشی گاہ گاہ ہوتی ہے (بھوپال ۳۲ء)

خار کو گل اور گل کو خار، جو چاہے کرے — تو نے جو چاہا کیا، اے یار! جو چاہے کرے

مست و بیخود، عاقل و ہشیار، جو چاہے کرے — شوخیٔ طرزِ تپاک یار، جو چاہے کرے

اس نے یہ کہکر دیا دل کو فریبِ جستجو — حشر تک اب عاشقِ ناچار، جو چاہے کرے

تھا ابھی جلوہ، ابھی پردہ، ابھی کچھ بھی نہیں — آپ کی یہ حسرتِ دیدار، جو چاہے کرے

ہر حقیقت حسن کی ہے، بے نیازِ اعتراف

اب کوئی اقرار یا انکار، جو چاہے کرے (گونڈہ)

عشق کی چوٹ چل ہی جاتی ہے — آہ دل سے نکل ہی جاتی ہے

خوب رو لے فراق میں اے دل! — کچھ طبیعت سنبھل ہی جاتی ہے

فطرتِ عشق، لاکھ پتھر ہو — اک نہ اک دن پگھل ہی جاتی ہے

موجِ خوں ہو، کہ موجِ بادۂ ناب
جوش کھا کر اُچھل ہی جاتی ہے

ہم سے ایسی چلی، کہ بس توبہ
ورنہ آپس میں چل ہی جاتی ہے
(دین پوری)

کیا بتائیں عشق ظالم کیا قیامت ڈھائے ہے؟
یہ سمجھ لو، جیسے دل سینے سے نکلا جائے ہے

جب نہیں تم، تو تصور بھی تمہارا کیا ضرور
اس سے بھی کہہ دو، اکہ یہ تکلیف کیوں فرمائے ہے

ہائے وہ عالم نہ پوچھو اضطرابِ عشق کا
یک بیک جس وقت کچھ کچھ ہوش سا آ جائے ہے

کس طرف جاؤں؟ کدھر دیکھوں؟ کسے آواز دوں
اے ہجومِ نامرادی! جی بہت گھبرائے ہے
(لکھنوی)

کُن کہتے ہی جلووں کی یہ کثرت نظر آئی
اللہ کو اللہ کی صورت نظر آئی

جب دل پہ نظر کی تری صورت نظر آئی
آغوشِ محبت میں محبت نظر آئی

ہوگا تری محفل میں کوئی اور بھی جلوہ
مجھ کو تو محبت ہی محبت نظر آئی
(لکھنوی)

ہر ایک سے بیگانہ بن رہے ہیں کسی کی جانب نظر نہیں ہے

خبر وہ رکھتے ہیں اس طرح سے، کہ جیسے کوئی خبر نہیں ہے

فراق بھی ہے وصال بھی ہے، ہر ایک لحظہ، ہر ایک ساعت

فراق کیا ہے؟ وصال کیا ہے؟ جو کوئی پوچھے خبر نہیں ہے

تجھے نہیں مجھ سے ربط اصلاً، یہ میں نے مانا، مگر یہ تیلا!

مرے تصور میں کیوں ہے ایسا؟ تری توجہ اگر نہیں ہے

مری یہ ہستی، مری یہ طاقت، کہ تیرِ دل دوزِ عشق روکوں

مری طرف سے یہ کون ہے پھر؟ جو خود وہ سینہ سپر نہیں ہے

شباب میکش، جمال میکش، خیال میکش، نگاہ میکش

خبر وہ رکھیں گے کیا کسی کی؟ انھیں خود اپنی خبر نہیں ہے

(لکھنو)

نظر سے حسنِ دو عالم گرا دیا تو نے نہ جانے کون سا عالم دکھا دیا تو نے؟

کمال حسن کا عالم دکھا دیا تو نے چراغ سامنے رکھ کر بجھا دیا تو نے

جوابِ حسنِ طلب اور کیا دیا تو نے — تمام شکر و شکایت بنا دیا تو نے

فنائے عشق کو رنگِ بقا دیا تو نے — حیات و موت کو یکجا دکھا دیا تو نے

ہزار جانِ گرامی، فدا بایں نسبت — کہ میری ذات سے اپنا پتا دیا تو نے

یہ کیا کیا؟ کہ عطا کر کے عشقِ لامحدود — مجھے حریفِ مقابل، بنا دیا تو نے

جمالِ حسن کی، ہلکی سی لہر دوڑا کر، — نفس نفس کو مرے جگمگا دیا تو نے

ہزار دل کو مٹا کر، دیا مجھے اک درد — اس ایک درد کو پھر دل بنا دیا تو نے

خوشا وہ دردِ محبت، زہے وہ دل کہ جسے — ذرا سکون ہوا، گدگدا دیا تو نے

ہر ایک دل کو عطا کر کے، مدعائے حیات

جگر کو اک دلِ بے مدعا دیا تو نے — (لکھنؤ)

شوقِ گستاخ کا چہرے پہ اثر دیکھ نہ لے — ڈر رہا ہوں کہ وہ سفاک ادھر دیکھ نہ لے

اب تو خلوت میں بھی اٹھتی نہیں چہرے سے نقاب — ڈر یہ ہے، کوئی پسِ پردۂ در دیکھ نہ لے

عاشقوں کی نگہِ شوق کہیں تھکتی ہے — دیکھتے ہی رہیں اس کو، وہ اگر دیکھ نہ لے

اب نظر جا کے اٹھے عزمِ نظر کے ہمراہ — دل دھڑکتا ہے کہ وہ شوخ ادھر دیکھ نہ لے

میں تو اس چھپنے کے صدقے کہ یہ اب ضد ہی نہیں
حسن کو عشق کی صورت میں جگر دیکھ لے (مین پوری)

دل کو اشکوں سے جو خالی کوئی کر دیتا ہے ساقیِ غیب پھر اس جام کو بھر دیتا ہے
مست ہو جاتا ہے، بیخود مجھے کر دیتا ہے درد اُٹھ کر، تری آمد کی خبر دیتا ہے
تو نے ٹانکے جو دیئے تھے، وہ مگر ٹوٹ گئے آج پھر خون ہر اک زخمِ جگر دیتا ہے
دیکھ سکتا نہیں، ساقی مری محرومی کو
جام خالی نہیں ہوتا ہے کہ بھر دیتا ہے (غالباً مین پوری)

وہ کافر آشنا، ناآشنا یوں بھی ہے اور یوں بھی
ہماری ابتدا تا انتہا، یوں بھی ہے اور یوں بھی
تعجب کیا؟ اگر رسمِ وفا یوں بھی ہے اور یوں بھی
کہ حسن و عشق کا ہر مسئلہ، یوں بھی ہے اور یوں بھی
کہیں ذرہ، کہیں صحرا، کہیں قطرہ، کہیں دریا
محبت اور اُس کا سلسلا، یوں بھی ہے اور یوں بھی

وہ مجھ سے پوچھتے ہیں، ایک مقصد میری ہستی کا
بتاؤں کیا؟ کہ میرا مُدعا، یوں بھی ہے اور یوں بھی

ہم اُن سے کیا کہیں؟ وہ جانیں، اُن کی مصلحت جانے
ہمارا حالِ دل تو بُرا ملا، یوں بھی ہے اور یوں بھی

نہ پالینا ترا آساں، نہ کھو دینا ترا ممکن
مصیبت میں یہ جان مبتلا یوں بھی ہے اور یوں بھی

لگا دے آگ، او برقِ تجلّی! دیکھتی کیا ہے
نگاہِ شوق، ظالم، نارسا، یوں بھی ہے اور یوں بھی

الٰہی کس طرح، عقل و جنوں کو ایک جا کر لوں
کہ نشائے نگاہِ عشوہ زا، یوں بھی ہے اور یوں بھی

مجازی[1] سے جگر کہدو! ارے او عقل کے دشمن
مُقِر ہو، یا کوئی منکر، خدا یوں بھی ہے اور یوں بھی (لکھنو)

---

[1] مجازی، ایک لکھنوی منکرِ خدا کا تخلص ہے، جو اتفاق سے میرے دوست بھی ہیں جگر

ترے جمالِ حقیقت کی تاب ہی نہ ہوئی — ہزار بار نگہ کی، مگر کبھی نہ ہوئی

تری خوشی سے اگر غم میں بھی خوشی نہ ہوئی — وہ زندگی تو محبت کی زندگی نہ ہوئی

کہاں وہ شوخ، ملاقات خود سے بھی نہ ہوئی — بس ایک بار ہوئی اور پھر کبھی نہ ہوئی

وہ ہم ہیں اہلِ محبت، کہ جان سے، دل سے — بہت بخار اُٹھے، آنکھ شبنمی نہ ہوئی

ٹھہر ٹھہر، دلِ بیتاب! پیار تو کر لوں — اب اس کے بعد ملاقات پھر ہوئی نہ ہوئی

مرے خیال سے بھی آہ مجھ کو بُعد رہا — ہزار طرح سے چاہا، برابری نہ ہوئی

ہم اپنی رندی و طاعت پہ خاک ناز کریں — قبول حضرتِ سلطاں ہوئی ہوئی نہ ہوئی

کوئی بڑھے، نہ بڑھے، ہم تو جان دیتے ہیں — پھر ایسی چشمِ توجہ ہوئی ہوئی نہ ہوئی

تمام حرف و حکایت، تمام دیدۂ دل — اس اہتمام پہ بھی شرحِ عاشقی نہ ہوئی

فسردہ خاطریِ عشق، اے معاذ اللہ — خیالِ یار سے بھی کچھ شگفتگی نہ ہوئی

تری نگاہِ کرم کو بھی آزما دیکھا — اذیتوں میں نہ ہونی تھی کچھ کمی نہ ہوئی

کسی کی مست نگاہی نے ہاتھ تھام لیا — شریکِ حال جہاں میری بیخودی نہ ہوئی

صبا یہ اُن سے ہمارا پیام کہہ دینا — گئے ہو جب سے یہاں صبح شام ہی نہ ہوئی

وہ کچھ سہی نہ سہی پھر بھی زاہدِ ناداں! بڑے بڑوں سے محبت میں کافری نہ ہوئی

اِدھر سے بھی ہے سوا کچھ اُدھر کی مجبوری کہ ہم نے آہ تو کی، اُن سے آہ بھی نہ ہوئی

خیالِ یار! سلامت تجھے خدا رکھے ترے بغیر کبھی گھر میں روشنی نہ ہوئی

گئے تھے، ہم بھی جگر! جلوہ گاہِ جاناں میں
وہ پوچھتے ہی رہے ہم سے بات بھی نہ ہوئی

زخم وہ دل پہ لگا ہے، کہ دکھائے نہ بنے اور چاہیں کہ چھپا لیں تو چھپائے نہ بنے

ہائے بیچارگیِ عشق، کہ اُس محفل میں سر جھکائے نہ بنے، آنکھ اُٹھائے نہ بنے

یہ سمجھ لو کہ غمِ عشق کی تکمیل ہوئی ہوش میں آ کے بھی جب ہوش میں آئے نہ بنے

کس قدر حسن بھی مجبورِ کشاکش ہے کہ آہ منہ چھپائے نہ بنے سامنے آئے نہ بنے

ہائے وہ عالمِ پُر شوق، کہ جس وقت جگر!
اُس کی تصویر بھی سینے سے لگائے نہ بنے (مین پوری)

یادِ جاناں بھی عجب روح فزا آتی ہے سانس لیتا ہوں تو جنت کی ہوا آتی ہے

میری جانب نگہِ ہوش رُبا آتی ہے پھر دہی ظالمِ مظلوم نما آتی ہے

جا بھی اے ناصحِ ناداں! نہ کر اسکو بدنام ‏ ‏ ان جفاؤں سے تو خوشبوئے وفا آتی ہے

مرگِ ناکامِ محبت! مری تقصیر معاف ‏ ‏ زیست بن بنکے مرے حق میں قضا آتی ہے

نہیں معلوم وہ خود ہیں کہ محبت اُنکی ‏ ‏ پاس ہی سے کوئی بیتاب صدا آتی ہے

میں تو اُس سادگیِ حسن پہ اُسکی صدقے ‏ ‏ نہ جفا آتی ہے جس کو، نہ وفا آتی ہے

ہائے کیا چیز ہے یہ تکملہ حسن و شباب

اپنی صورت سے بھی اب اُنکو حیا آتی ہے ‏ ‏ (لکھنؤ مراد آباد)

کون یہ جانِ تمنا عشق کی منزل میں ہے ‏ ‏ جو تمنا دل سے نکلی پھر جو دیکھا، دل میں ہے

وہ کچھ اس صورت سے آئے جلوہ دکھلاتے ہوئے ‏ ‏ میں یہ سمجھا، وسعتِ کونین میرے دل میں ہے

شاید اُٹھنے ہی کو ہے پردہ رُخِ مقصود سے ‏ ‏ آج حاصل کی سی لذت سعیِ لاحاصل میں ہے

اے میں قرباں! واہ کیا کہنا ترا، اعجازِ عشق! ‏ ‏ اک سکونِ مستقل بھی اضطرابِ دل میں ہے

اُس شہیدِ ناز کے کیا خوں بہا کا پوچھنا ‏ ‏ جس کی روداد مکمل دامنِ قاتل میں ہے

اُٹھ گیا، آخر محبت کا بھی پردہ اُٹھ گیا ‏ ‏ اب نہ میرے دل میں حسرت ہے نہ اُنکے دل میں ہے

کیا کہیں خونِ دو عالم سے بھی اب بجھتی ہے پیاس ‏ ‏ خونِ بسمل کی حرارت خنجرِ قاتل میں ہے

میں ہوا جب سے غریقِ موجِ طوفان خیزِ عشق — ڈوب مرنے کی تمنا سینۂ ساحل میں ہے
دیکھئے کرتی ہے کیا کیا اُنکی نظروں میں حقیر — یہ جو ظالم اک لہو کی بوند اب تک دل میں ہے
بیخودی، منزل سے بھی کوسوں نکل آئی جگر!
جستجو آوارہ اب تک جادۂ منزل میں ہے (لکھنؤ)

آئے زباں پہ رازِ محبت محال ہے — تم سے مجھے عزیز، تمہارا خیال ہے
نازک ترے مریضِ محبت کا حال ہے — دن کٹ گیا تو رات کا کٹنا محال ہے
دل تھا ترے خیال سے پہلے چمن چمن — اب بھی روش روش ہے مگر پائمال ہے
کمبخت اس جنونِ محبت کو کیا کروں — میرا خیال ہے نہ تمہارا خیال ہے
آنکھیں تو کھول، سر تو اٹھا، دیکھ تو ذرا
کب سے جگر! وہ چاند سا چہرا نڈھال ہے (مراد آباد مین پوری)

محبت آپ اپنی ترجماں ہے — یہی خود چشم و دل، لفظ و بیاں ہے
نگاہوں میں بہار جاوداں ہے — جہاں میں ہوں وہیں اب آشیاں ہے
محبت دونوں جانب مہرباں ہے — کہ ہم اُس سے وہ ہم سے بدگماں ہے

وہ کب سے مضطرب ہیں اے غمِ عشق! خدا جانے، تری غیرت کہاں ہے

ہماری رفعتوں کا پوچھنا کیا جہاں ہم پاؤں رکھ دیں آسماں ہے

کوئی آواز ہی دے، گم شدہ دل! کہاں ہے؟ او مرے یوسف کہاں ہے

اگر تو ہے تو اے جانِ دو عالم! یہاں ہر شے جواں ہے جاوداں ہے

مزے سوزِ دروں کے مل رہے ہیں بحمداللہ، کہ دل آتش بجاں ہے

تماشا دیدنی ہے، دیکھ جاؤ زبانِ شوق و گلبانگ فغاں ہے

مبارک باد، اے جذبِ محبت انھیں، اپنے پر اب میرا گماں ہے

کسی کو اک نظر ہی دیکھ تو لیں اب اتنی بھی ہمیں جرأت کہاں ہے

ترے نقشِ قدم کا ذرّہ ذرّہ عبادت گاہِ جانِ عاشقاں ہے

الٰہی! خیر کرنا، دیر سے پھر بہت مضطر نگاہِ رازداں ہے

پھنکا جاتا ہے دل جس سوزِ غم سے جہنم میں یہ چنگاری کہاں ہے

جو پڑھ سکتا ہے، تو پڑھ لے ہمِ دل
کہ ان نظروں میں آج اک داستاں ہے

کچھ اس ادا سے آج وہ پہلو نشیں رہے — جب تک ہمارے پاس رہے ہم نہیں رہے

ایمان و کفر اور نہ دنیا و دیں رہے — اے عشق! شاد باش کہ تنہا ہمیں رہے

میری زباں پہ شکوۂ درد آفریں رہے — شاید مرے حواس ٹھکانے نہیں رہے

جب تک الٰہی! جسم میں جانِ حزیں رہے — نظریں مری جواں رہیں، دل حسیں رہے

یارب کسی کے رازِ محبت کی خیر ہو — دستِ جنوں رہے نہ رہے آستیں رہے

تا چند، جوشِ عشق میں دل کی حفاظتیں — میری بلا سے اب وہ جنونی کہیں رہے

جا، اور کوئی ضبط کی دنیا تلاش کر — اے عشق! ہم تو اب ترے قابل نہیں رہے

مجھ کو نہیں قبول، دو عالم کی وسعتیں — قسمت میں کوئے یار کی دو گز زمیں رہے

اے عشقِ نالہ کش! تری غیرت کو کیا ہوا؟ — ہے ہے، عرق عرق وہ تنِ نازنیں رہے

دردِ غمِ فراق کے یہ سخت مرحلے — حیراں ہمیں ہیں کہ پھر بھی تم اتنے حسیں رہے

اللہ ری چشمِ یار کی معجز بیانیاں — ہر اک کو ہے گماں کہ مخاطب ہمیں رہے

ظالم! اٹھا تو پردۂ وہم و گمان و فکر — کیا سامنے وہ مرحلہ ہائے یقیں رہے

ذات و صفاتِ حسن کا عالم نظر میں ہے — محدودِ سجدہ، کیا مرا ذوقِ جبیں رہے

کس درد سے کسی نے کہا آج بزم میں ”اچھا یہ ہے وہ ننگِ محبت یہیں رہے“

سرادگانِ عشق و محبت کی کیا کمی قاتل کی تیغ تیز، خدا کی زمیں رہے

اس عشق کی تلافیٔ مافات دیکھنا

رونے کی حسرتیں ہیں جب آنسو نہیں رہے (بھوپال یا لکھنؤ)

دیکھ لے تو بھی کہ اب خیر نہیں جانوں کی آج ہولی ہے ترے سوختہ سامانوں کی

چاہتے ہیں نہ رہے حدِ تعیّن کوئی ہائے معصوم ضدیں عشق کے دیوانوں کی

بزمِ ساقی میں ذرا دیکھ تو چل کر زاہد! کیا بہاریں ہیں چھلکتے ہوئے پیمانوں کی

تیری نظروں کے تصدق، تری آنکھوں کے نثار ابھی پیمانوں سے ساقی! ابھی میخانوں کی

ابھی تکمیل کو پہنچی نہیں تعمیرِ جنوں ابھی چلتی رہے دیوانوں سے دیوانوں کی

سب جسے کہتے ہیں ارمانوں کا پورا ہونا میرے نزدیک یہی موت ہے ارمانوں کی

ہر طرف چھا گئے، پیغامِ محبت بن کر

مجھ سے اچھی رہی قسمت مرے افسانوں کی (لکھنؤ)

عشق کا ہاتھ سے پیمان نہ جانے پائے جان جائے، مگر ایمان نہ جانے پائے

یہ نہیں دل کسی عنوان نہ جانے پائے — مگر اتنا ہے کہ آسان نہ جانے پائے

بات تو جب ہے کہ قاتل کا ادھر رُخ نہ کرے — دل سے بچ کر کوئی پیکان نہ جانے پائے

صاف رکھ اے جانِ دل و جسم کو آئینہ صفت — کہ وہ آئے تو پشیمان نہ جانے پائے

دلکو بھی اب ہے یہ ضد حسن کے ہر جلوے سے — (گھر میں جو آئے وہ مہمان نہ جانے پائے)

ہوش میں آ، دل دیوانہ! کہ تیری ہی طرح — کوئی حیران، پریشان نہ جانے پائے

داستانِ غمِ ہستی کو مکمل کر لے!! — ایک بھی عشق کا عنوان نہ جانے پائے

تیری محفل میں ہے اک ننگِ محبت بھی ترا — دیکھنا! ہو کے پشیمان نہ جانے پائے

اشک ہیں حاصلِ غم ہے و دیعت اسکی — باہر آنکھوں سے یہ طوفان نہ جانے پائے

حسن سرگرمِ نوازش ہے مگر اے غمِ دل! — رائگاں عشق کا احسان نہ جانے پائے

جان جائے کہ رہے دیکھ مری جانِ جگر!

عشق کی شان اتری آن نہ جانے پائے — (لکھنؤ)

اک لفظ محبت کا ادنیٰ یہ فسانا ہے — سمٹے تو دلِ عاشق پھیلے تو زمانہ ہے

یہ کس کا تصور ہے؟ یہ کس کا فسانہ ہے؟ — جو اشک ہے آنکھوں میں تسبیح کا دانا ہے

دل سنگِ ملامت کا ہر چند نشانا ہے — دل پھر بھی مرا دل ہی، دل ہی تو زمانا ہی

ہم عشق کے ماروں کا، اتنا ہی فسانا ہے — رونے کو نہیں کوئی، ہنسنے کو زمانا ہی

وہ اور وفا دشمن، مانیں گے نہ مانا ہے — سب دل کی شرارت ہی آنکھوں کا بہانا ہی

شاعر ہوں میں شاعر ہوں میرا ہی زمانا ہی — فطرت مرا آئینہ، قدرت مرا شانا ہی

جو اُن پہ گزرتی ہی کس نے اُسے جانا ہے — اپنی ہی مصیبت ہی، اپنا ہی فسانا ہی

کیا حسن نے سمجھا ہی؟ کیا عشق نے جانا ہے؟ — ہم خاک نشینوں کی ٹھوکر میں زمانا ہی

آغازِ محبت ہے، آنا ہی نہ جانا ہی — اشکوں کی حکومت ہی آہوں کا زمانا ہی

آنکھوں میں نمی سی ہی چپ چپ سے وہ بیٹھے ہیں — نازک سی نگاہوں میں نازک سا فسانا ہی

ہم دردِ بدل نالاں، وہ دست بدل حیراں — اے عشق! تو کیا ظالم!! تیرا ہی زمانا ہی

یا وہ تھے خفا ہم سے، یا ہم ہیں خفا اُن سے — کل اُن کا زمانا تھا، آج اپنا زمانا ہی

اے عشقِ جنوں پیشہ! ہاں عشقِ جنوں پیشہ!! — آج ایک ستمگر کو ہنس ہنس کے رُلانا ہی

تھوڑی سی اجازت بھی، اے بزم گہِ ہستی! — آ نکلے ہیں دم بھر کو، رونا ہی رُلانا ہی

یہ عشق نہیں آساں، اتنا ہی سمجھ لیجے — اِک آگ کا دریا ہی اور ڈوب کے جانا ہی

خود[1] حسن و شباب اُنکا، کیا کم ہے رقیب اپنا
جب دیکھیے اب وہ ہیں، آئینہ ہے شانا ہے

ہم عشق مجسم ہیں، لب تشنہ و مستسقی
دریا سے طلب کیسی؟ دریا کو رُلانا ہے

تصویر کے دو رُخ ہیں، جاں اور غمِ جاناں
اِک نقش چھپانا ہے، اِک نقش دکھانا ہے

وہ حسن و جمال اُن کا، یہ عشق و شباب اپنا
جینے کی تمنا ہے، مرنے کا زمانا ہے

مجھ کو تو اسی دھن میں، ہر لحظہ بسر کرنا
اب آئے، وہ اب آئے، لازم نہیں آنا ہے

خودداری و محرومی، محرومی و خودداری
اب دل کو خدا رکھے اب دل کا زمانا ہے

اشکوں کے تبسم میں، آہوں کے ترنم میں
معصوم محبت کا معصوم فسانا ہے

آنسو تو بہت سے ہیں آنکھوں میں جگر لیکن
بندھ جائے سو موتی ہے، رہ جائے سو دانا ہے (لکھنؤ)

عشق ہے نصف حقیقت، کیوں پریشاں کیجیے
یعنی ہم پر رحم کر کے خود پر احساں کیجیے

کب تک آخر مشکلاتِ شوق آساں کیجیے
اب محبت کو محبت ہی پہ قرباں کیجیے

۱۔ اگرچہ اس شعر کا اندازِ بیان لکھنوی ہے لیکن "مفہوم شعری" واقعیت کے ساتھ ساتھ نہایت درجہ نازک۔ جگر

چاہتا ہے عشق، رازِ حسن عریاں کیجئے
یعنی خود کھو جائیے اُنکو نمایاں کیجئے

آپ کے دشمن رہیں وقفِ خلش صرفِ تپش
آپ کیوں غمخواریٔ بیمار ہجراں کیجئے

حُسن کی رسوائیاں بھی حسن سے کچھ کم نہیں
ہو سکے تو مثلِ بوئے گل پریشاں کیجئے

پھر جنوں سامانیوں میں کچھ کمی سی آچلی
آج پھر برہم مزاجِ حسنِ جاناں کیجئے

آپ کو شرمائیے کیا، آپکا دامن ہے پاک
ہم گنہگارِ محبت ہیں، پشیماں کیجئے

دل پہ جو گزرے سو گزرے عشق کی ضد ہے یہی
آج اتنا چھیڑیئے انکو، کہ گریاں کیجئے

سر سے پا تک اک نگاہ بے محابا ڈالکر
عمر بھر کے واسطے ممنونِ احساں کیجئے

اللہ اللہ سُنتے ہیں تم ہو رگ جاں سے قریب
اب تو ہر نشتر کو پیوستِ رگ جاں کیجئے

شانِ رحمت کو نہیں درکار کوئی پیش کش
احتیاطًا اکتسابِ کفر و ایماں کیجئے

مسلسل

خاطرِ عشق، الم کوش ہوئی جاتی ہے
زندگی، خوابِ فراموش ہوئی جاتی ہے

حیرتِ جلوہ، ہم آغوش ہوئی جاتی ہے
آنکھ نظارہ فراموش ہوئی جاتی ہے

شوقِ چالاک کہاں، جرأتِ بیباک کہاں	یاس آغوش درِ آغوش ہوئی جاتی ہے
وہ خلش جس سے تھا ہنگامۂ ہستی برپا	وقفِ بیتابیٔ خاموش ہوئی جاتی ہے
وہی مستی کہ سماتی ہی نہ تھی عالم میں	غرقِ یک ساغرِ سرجوش ہوئی جاتی ہے
وہی اک شورشِ دل تنگ تھی جس کو زمین	وہی اب معتکفِ ہوش ہوئی جاتی ہے
ایک منظر ہے کہ آنکھوں میں کھنچا آتا ہے	ایک دنیا ہے کہ روپوش ہوئی جاتی ہے
ایک جانب، نگہِ خاص ہے بے اذنِ جنوں	اک طرف مرحمتِ ہوش ہوئی جاتی ہے
نگہِ شوق کہاں ہے؟ یہ تماشا کیا ہے!	جیسے ہر شے لبِ خاموش ہوئی جاتی ہے
ہائے وہ سرخوشیٔ عشق کہ تھی جزوِ حیات	کس قدر زود فراموش ہوئی جاتی ہے
یاد وہی موت، کہ تھی خادمِ زیست کبھی	یاد وہی ہے کہ ہم آغوش ہوئی جاتی ہے
اُف یہ پروانے کہ سمٹے ہی چلے آتے ہیں	ہائے وہ شمع کہ خاموش ہوئی جاتی ہے
عشق کی قسمتِ محروم، الٰہی توبہ	یادِ جاناں بھی فراموش ہوئی جاتی ہے
بال کھولے ہوئے یہ کون چلا آتا ہے	بزمِ دل محشرِ خاموش ہوئی جاتی ہے
مجھ گنہگار کو شکوہ ہے تری رحمت کا	کیوں خطابخش و خطاپوش ہوئی جاتی ہے

یادِ ایام کہ جب پوچھے کہتے تھے جگر

دعوتِ چشم و لب و گوش ہوئی جاتی ہے (آگرہ)

دل میں تم ہو، نزع کا ہنگام ہے — کچھ سحر کا وقت ہے کچھ شام ہے

عشق ہی خود عشق کا انعام ہے — واہ کیا آغاز، کیا انجام ہے

حسن ہے نغمہ ہے، مے ہے، جام ہے — اب کہاں، اے گردشِ ایام ہے

کیا اسی کو کہتے ہیں آئینِ حسن — جو تمہارا ہو گیا ناکام ہے

پینے والے، ایک ہی دو ہوں تو ہوں — مفت سارا میکدہ بدنام ہے

درد و غم دل کی طبیعت بن چکے — اب یہاں آرام ہی آرام ہے

عشق کے ہاتھوں تری سرکار سے — مل گیا جو کچھ، وہی انعام ہے

پی رہا ہوں آنکھوں آنکھوں میں شراب — اب نہ شیشہ ہے، نہ کوئی جام ہے

دیکھ لینا عشق کی بھی نخوتیں — حسن کی برہم مزاجی عام ہے

وہ سراپا ناز، اُن سے کیا گلہ — تجھ سے شکوہ گردشِ ایام ہے

ہوشیار اے شکوہ سنجِ زندگی! — زندگی، انعام ہی انعام ہے

ہوشیار او کامیاب زندگی زندگی ناکامیوں کا نام ہے

حسن سے ہیں عشق کی رسوائیاں بادہ جبتک ہی فروغ جام ہے

کیجئے کیا اور شرح زندگی کچھ سحر، کچھ دوپہر، کچھ شام ہے

ایک بوسہ اُس لب جاں بخش کا عمر بھر کے واسطے انعام ہے

کیا جگر سے آپ بھی واقف نہیں

ایک ہی تو رندے آشام ہے (مین پوری)

آئینے میں عشق کی تاثیر نہاں دیکھئے میری صورت اپنی صورت سے نمایاں دیکھئے

بے تکلف ہر طرف تصویر جاناں دیکھئے میری آنکھوں سے جمال شام ہجراں دیکھئے

دل کی ہستی بیش از یک شیشۂ ساعت نہیں

اس میں جو کچھ دیکھئے تقویم دوراں دیکھئے (لکھنؤ)

پھر وہ ہم سے خفا ہے، کیا کہئے زندگی، بے حیا ہے، کیا کہئے

دل بھلا، یا بُرا ہے، کیا کہئے آپ کا نقش پا ہے، کیا کہئے

چاندنی ہے، ہوا ہے، کیا کہئے مفلسی کیا بلا ہے، کیا کہئے

بندگی جس کی ہے فقط، رونا ۔۔۔ وہ ہمارا خدا ہے، کیا کہئے

انتہا کے ہیں عشق میں صدمے ۔۔۔ اور ابھی ابتدا ہے، کیا کہئے

شوقِ بے انتہا کے پردے میں ۔۔۔ کون ہنگامہ زا ہے، کیا کہئے

حسن جتنا ہی جنگ جو ظالم! ۔۔۔ عشق اُس سے سوا ہے، کیا کہئے

دل میں پنہاں ہے ایک لطیف خلش ۔۔۔ صورتِ التجا ہے، کیا کہئے

پھر، سرِ حشر ہیں، وہی جلوے ۔۔۔ پھر، وہی سامنا ہے، کیا کہئے

ابھی پابند ہے، ابھی آزاد ۔۔۔ عشق کا دل بھی کیا ہے، کیا کہئے

پردہ رکھ لیتے ہم زمانے سے ۔۔۔ آنکھ پہچانتا ہے، کیا کہئے

پوچھتے رہیں مزاج دل ہم سے ۔۔۔ ایک ہی خود نما ہے کیا کہئے

ان دنوں بے خودیِ شوق نہ پوچھ ۔۔۔ کس طرف کی ہوا ہے کیا کہئے

عشق تو عشق، حسن سے بیزار ۔۔۔ دل کو کیا ہو گیا ہے، کیا کہئے

شوق سر تا قدم نگاہ و زباں ۔۔۔ وہ مجسم حیا ہے، کیا کہئے

آج حالِ دلِ تباہ، جگر! ۔۔۔ ہم نے کس سے کہا ہے، کیا کہئے

(لکھنؤ)

کچھ جو پشیمانِ جفا ہو گئے — اور وہ گھبرا کے خفا ہو گئے

نالۂ دل خاک رسا ہو گئے — ق آئے وہ آتے ہی جدا ہو گئے

کچھ نہ سُنا اور یونہیں چل دیے — کچھ نہ کہا، اور خفا ہو گئے

اور بھی اس عشق میں کچھ سانحات — دل کی ہلاکت کے سوا ہو گئے

اُن کا اُدھر گوشۂ دامن بڑھا — تنگ اِدھر بندِ قبا ہو گئے

وہ بھی، جو تھے منکرِ آئینِ عشق — سُنتے ہیں پابندِ وفا ہو گئے

ہم سے نظر پھیر لی، اس شوخ نے — ہم بھی ہیں انسان، خفا ہو گئے

ہم کو گرفتارِ بلا دیکھ کر — وہ بھی گرفتارِ بلا ہو گئے

کچھ مرے چہرے سے کھلے رازِ عشق — کچھ تری نظروں سے ادا ہو گئے

ڈھونڈھ کے اب لائیے کیوں کر انھیں — ہائے وہ نالے، کہ رسا ہو گئے

چُپ ہیں وہ یوں سُن کے مری عرضِ شوق
جیسے کہ سچ مچ ہی خفا ہو گئے (لکھنؤ)

سب پہ تو مہربان ہے پیارے — کچھ ہمارا بھی دھیان ہے پیارے

آ، کہ تجھ بن بہت دنوں سے یہ دل　　ایک سونا مکان ہے پیارے

تو جہاں ناز سے قدم رکھ دے　　وہ زمیں آسمان ہے پیارے

مختصر ہے یہ شوق کی روداد　　ہر نفس داستان ہے پیارے

اپنے جی میں ذرا تو کر انصاف　　کب سے نامہربان ہے پیارے

صبر ٹوٹے ہوئے دلوں کا نہ لے　　تو یونہی دھان پان ہے پیارے

ہم سے جو ہو سکا، سو کر گزرے　　اب ترا امتحان ہے پیارے

مجھ میں تجھ میں تو کوئی فرق نہیں　　عشق کیوں درمیان ہے پیارے

کیا کہے حالِ دل، غریب جگر

ٹوٹی پھوٹی زبان ہے پیارے　　(لکھنؤ)

جب سے تو مہربان ہے پیارے　　اور دل بدگمان ہے پیارے

اس کی باتوں میں تو نہ آ جانا　　عشق جادو بیان ہے پیارے

تو کہاں؛ یہ غریب خانہ کہاں!　　وہم ہے یا گمان ہے پیارے

صدقے تیری نوازشوں کے مگر　　سخت ترا امتحان ہے پیارے

ان دنوں دل کے رنگ ڈھنگ نہ پوچھ　　کچھ عجب آن بان ہے پیارے

سچ بتا اس میں کوئی بات بھی ہے　　یا یونہی مہربان ہے پیارے

وہ بھی ہلکی سی اِک نگاہ کرم　　دل بہت ناتوان ہے پیارے

تیرا دیوانہ غریب جگر

فخر ہندوستان[۱] ہے پیارے

عشق کی داستان ہی پیارے　　اپنی اپنی زبان ہے پیارے

کل تک اے درد! یہ تپاک نہ تھا　　آج کیوں مہربان ہے پیارے

سایۂ عشق سے خدا ہی بچائے　　ایک ہی قہرمان ہے پیارے

اس کو کیا کیجئے، جو لب نہ کھلیں　　یوں تو منھ میں زبان ہے پیارے

یہ تغافل بھی ہے نگہ آمیز　　اسمیں بھی ایک شان ہے پیارے

جس نے اے دل! دیا ہے اپنا غم　　اُس سے تو بدگمان ہے پیارے

دل کا عالم نگاہ کیسا جانے　　یہ تو صرف اِک زبان ہے پیارے

۱؎ اس اعلان لغو کو میں جائز سمجھتا ہوں ۱۲ جگر

میرے اشکوں میں اہتمام نہ دیکھ　　عاشقی کی زبان ہے پیارے

ہم زمانے سے انتقام تو لیں　　اک حسین درمیان ہے پیارے

عشق کی ایک ایک نادانی　　علم و حکمت کی جان ہے پیارے

تو نہیں، میں ہوں، میں نہیں، تو ہے　　اب کچھ ایسا گمان ہے پیارے

رکھ قدم پھونک پھونک کر نادان!　　ذرّے ذرّے میں جان ہے پیارے

کس کو دیکھے سے دل کو چوٹ لگی　　کیوں یہ اُتری کمان ہے پیارے

تیری برہم خرامیوں کی قسم　　دل بہت سخت جان ہے پیارے

ہاں ترے عہد میں جگر کے سوا

ہر کوئی شادمان ہے پیارے　　(لکھنؤ)

درد بڑھ کر فغاں نہ ہو جائے　　یہ زمیں آسماں نہ ہو جائے

پھر کوئی مہرباں نہ ہو جائے　　سعی غم رائگاں نہ ہو جائے

دور ہے عرصۂ عدم آباد　　کم کوئی ناتواں نہ ہو جائے

دل کو لے لیجئے، جو لینا ہے　　پھر یہ سودا گراں نہ ہو جائے

ڈر ہے مجھ کو کہ میری عرضِ سکوت — آپ ہی کی زبان نہ ہو جائے

دردِ دل کیا ہی میہماں ہے اگر — اشک بن کر رواں نہ ہو جائے

موت سے ڈر نہیں مگر ہے یہ وہم — عشق بے خانماں نہ ہو جائے

دل میں ڈوبا ہوا ہے جو نشتر — میرے دل کی زباں نہ ہو جائے

قسمتوں سے مِلا ہے دردِ حبیب — کہیں آرامِ جاں نہ ہو جائے

عشق اپنی خوشی سے کون کرے — عشق اگر ناگہاں نہ ہو جائے

آہ کیجئے، مگر لطیف ترین — لب تک آکر دھواں نہ ہو جائے

عشق کر ہی چکا تھا اپنا کام — دل اگر درمیاں نہ ہو جائے

عشق میں جتنے بدگماں ہم ہیں — یوں کوئی بدگماں نہ ہو جائے

(لکھنؤ)

ادا جو آئے وہ بے عیب بے قصور آئے — خدا وہ دن نہ کرے آپ کو غرور آئے

نکل کے عشق جو حدِ ادب سے دور آئے — اُدھر سے کعبہ چلے، اس طرف سے طور آئے

ذرا تو آنکھ کھُلے، عقل میں شعور آئے — ہم اپنے آپے میں آئیں، تو وہ ضرور آئے

جسے ذرا بھی غمِ عشق پر غرور آئے ترے حضور نہ جائے مرے حضور آئے

چلوں میں راہِ محبت میں بے نیازانہ مری بلا سے اگر وہ بھی ناصبور آئے

خود اپنی منزلِ دل محو ہوتی جاتی ہے نظر میں جب سے مقاماتِ دور دور آئے

پئیں وہ شوق سے تنہا، مگر یہ کیا ممکن ہمیں سرور نہ آئے اُنھیں سرور آئے

ہزار سجدے کرے رات رات بھر زاہد جو دل ہی صاف نہ ہو کیا جبیں میں نور آئے

زمانے تک تری گلیوں کی خاک چھانی ہے مری نگاہ میں کیا جلوہ گاہِ طور آئے

کسی کی مست خرامی کا واہ کیا کہنا کہ جیسے حافظِ شیراز چور چور آئے

الٰہی! جذبِ محبت کی بخش دے تقصیر وہ آج دست بہ دل سخت ناصبور آئے

مری طرف سے بھی اے کاروانِ شوق سلام کہیں جو راہِ طلب میں مقامِ طور آئے

انھیں ہے عشق سے چشمک مگر یہ کون کہے وہ خود حسیں ہیں انکو نہ کیوں غرور آئے

عجیب چیز ہے میخانۂ تصور بھی یہاں سے ہوش میں پہنچے وہاں سے چور آئے

نظر ہی اپنی نہ اب دل ہی رہ گیا اپنا سزا ملی ہے کہ ہم کیوں ترے حضور آئے

اجل جو آتی ہے آئے، مگر اسی صورت کہ جیسے زلف پریشاں وہ شوخ حور آئے

مجاز ہو کہ حقیقت، یہاں تو حال یہ ہے ترے حضور سے اُٹھے، ترے حضور آئے

وہیں سے ہم کو ملا ہے سکونِ دل کیا کیا جہاں سے لوگ بہت ہو کے ناصبور آئے

ہزار بار لکھے تو ہمارا، نامۂ شوق

ترے بُلائے جگر آئے، وہ ضرور آئے (لکھنؤ)

پسینہ موت کا بن کر نہ کیوں لہو آئے ارے غضب کہ یونہیں پا برہنہ تو آئے

کرے نہ کام جو بلبل کا نالۂ خونیں نہ غنچے نیند سے چونکیں نہ رنگ و بو آئے

دیا ہے عشق نے وہ مرتبہ بحمد اللہ

کہ آنکھ تک نہ اُٹھاؤں اگرچہ تو آئے

کیا گھڑی ہے، کیا آسماں ہے، کس غضب کا جوش ہے عشق کی بیتابیاں ہیں حُسن کا آغوش ہے

وجد میں ہے مطربِ غم، کُل فضا خاموش ہے تیرتے پھرتے ہیں نغمے، بزمِ جاں مدہوش ہے

کیسے کیسے مست صہبائے محبت کٹ مرے او نشیلی آنکھ والے! کچھ تجھے بھی ہوش ہے

ایک دل ہے سینۂ عاشق میں لیکن لااِلٰہ ایک قطرہ ہے، مگر ایسا کہ دریا نوش ہے

دیدۂ یار بھی پرنم ہے خدا خیر کرے
آج کچھ اور ہی عالم ہی خدا خیر کرے

اُس طرف غیرتِ خورشید جمال اور اِدھر
زعمِ خودداریِ شبنم ہی خدا خیر کرے

دل ہی پہلو میں کہ مچلا ہی چلا جاتا ہی
اور وہ خود سے بھی برہم ہی خدا خیر کرے

رازِ بیتابیِ دل کچھ نہیں کھلتا لیکن
کل سے درد آج بہت کم ہی خدا خیر کرے

حسن ہر گام پہ ہی سلسلہ فگن دام فگن
عشق، آزادِ دو عالم ہی خدا خیر کرے

عاشقی امتیاز کیا جانے
فرقِ ناز و نیاز کیا جانے

نگہِ شوق کی ہی سب تحریک
حسن تمہیدِ ناز کیا جانے

ہم سمجھتے ہیں رازِ رامش و رنگ
زاہدِ پاکباز کیا جانے

ناخنِ عشق کتنے ٹوٹ گئے
گرہِ نیم باز کیا جانے

سچ ہی سب نیک و بد ہمیں سے ہی
گردشِ چشمِ ناز کیا جانے

مسلکِ آشتیِ دیدہ و دل
شوقِ ہنگامہ ساز کیا جانے

شیخ پندارِ عشق سمجھا ہی
نازِ اہلِ نیاز کیا جانے

غیرتِ بندگی و ناچاری — کوئی بندہ نواز کیا جانے

آئینے کی نزاکتیں ہے ہے — دست آئینہ ساز کیا جانے

آنکھ جو دیکھتی ہے، دیکھتی ہے — دل کے راز و نیاز کیا جانے

سینۂ نے پہ جو گزرتی ہے — وہ لب نے نواز کیا جانے

کثرتِ جلوہ و ہجومِ نظر — عشق وحدت طراز کیا جانے

حسن کی دل گدازیاں ہیں، ہیں — عشق بے سوز و ساز کیا جانے

وہ حقیقت کہ جو گزرتی ہے — لب افسانہ ساز کیا جانے

ہائے گُل کاریاں محبت کی — دامن پاکباز کیا جانے

رہروِ راہ بیخودی ہے جگر

وہ نشیب و فراز کیا جانے (بلند شہر)

دل گیا۔ رونق حیات گئی — غم گیا، ساری کائنات گئی [۱]

---

[۱] یہ مطلع بالکل ہی ابتدائی دور کی غزل کا ہے۔ پوری غزل جو اس زمانے میں کہی تھی فراموش ہو گئی۔ اب بہت زمانے کے بعد دوسری نئی غزل ہوئی ۔ جگر

دل دھڑکتے ہی پھر گئی وہ نظر　　لب تک آئی نہ تھی کہ بات گئی
دن کا کیا ذکر تیرہ بختوں میں　　ایک رات آئی ایک رات گئی
تیری باتوں سے آج تو واعظ　　وہ جو تھی خواہشِ نجات گئی
اُن کے بہلائے بھی نہ بہلا دل　　رائیگاں سعیِ التفات گئی
مرگِ عاشق تو کچھ نہیں لیکن　　اِک مسیحا نفس کی بات گئی
اب جنوں آپ ہی گریباں گیر　　اب وہ رسمِ تکلفات گئی
ہم نے بھی وضعِ غم بدل ڈالی　　جب سے وہ طرزِ التفات گئی
ترکِ اُلفت بہت بجا ناصح　　لیکن اس تک اگر یہ بات گئی؟
ہائے سرشاریاں جوانی کی　　آنکھ جھپکی ہی تھی کہ رات گئی
جلوۂ ذات اے معاذ اللہ　　تابِ آئینۂ صفات گئی
نہیں ملتا مزاج دل ہم سے　　غالباً دور تک یہ بات گئی

قیدِ ہستی سے کب نجات جگرؔ!
موت آئی اگر حیات گئی

عشق ہی تنہا نہیں شوریدہ سر میرے لئے
حسن بھی بیتاب ہے اور کسقدر میرے لئے

ہاں مبارک اب یہ معراج نظر میرے لئے
جسقدر وہ دور تر نزدیک تر میرے لئے

کھیل ہے بازیچۂ شام و سحر میرے لئے
دو گلُ بازی ہیں یہ شمس و قمر میرے لئے

وقف ہے صیاد کی اک اک نظر میرے لئے
ہاں مبارک یہ شکستِ بال و پر میرے لئے

گرم ہے ہنگامۂ شام و سحر میرے لئے
رات دن گردش میں ہیں شمس و قمر میرے لئے

میں ہوں وحشی آہ کس صحرائے آفت خیز کا
ہر گلِ ویرانہ بھی بیگانہ تر میرے لئے

اس مقام عشق میں ہیں ہم مبتلائے بیخودی
ذرہ ذرہ ہے جہان گرم سفر میرے لئے

جذب ہو کر رہ گیا ہوں میں جمال دوست میں
عشق ہے تابندہ تر پائندہ تر میرے لئے

میں نہیں کہتا کہ میں ہوں تو ہو تیری خلوتیں
ہاں مگر سب سے جدا خاص اک نظر میرے لئے

اللہ اللہ میں بھی کیا نازک دماغ عشق ہوں
نکہت گل بھی ہے وجہ درد سر میرے لئے

پھر بھی آنکھیں تو ڈھونڈھتی ہیں اک سراپا ناز کو
میں نے مانا کچھ نہیں حد نظر میرے لئے

رہ روِ راہ طلب کو خضر کی حاجت نہیں
ذرہ ذرہ ہے چراغ رہگزر میرے لئے

اپنے دل میں جز ترے میں بھی سما سکتا نہیں
میرا ہر ہر سانس ہے زنجیر در میرے لئے

مجھکو جنت ہی جو دینا ہی تو یا رب بخشدے — بس یہی دامانِ تر چشمانِ تر[۱] میرے لئے

ترکِ مے سے اور بھی میں تو شرابی بن گیا — روز آجاتا ہے پینلئے[۲] سحر میرے لئے

جس نے زاہد سے بھی کافر کے اڑا ڈالے ہیں ہوش — اس سے بھی کچھ اور ساقی تیز تر میرے لئے

وہ مرا ساغر بکف ہونا پشیمانی کے ساتھ — ابرِ رحمت کا وہ اُٹھنا جھوم کر میرے لئے

کل شبِ مہتاب میں اک بلبلِ آفت نوا ق — بن رہا تھا مرکزِ فکر و نظر میرے لئے

ناگہاں لب ہلے برگِ گل سے یہ آئی ندا — نالے کرتا ہے عبث اے بیخبر میرے لئے

میں بھی ہوں تیری طرح خونیں جگر خونیں کفن — تو نہ اپنی جان کھو اے مشتِ پر میرے لئے

بس یہ سننا تھا کہ ہائے گل یہ گر کر مر مٹا — بن گیا اک نقشِ عبرت عمر بھر میرے لئے

زندگی اک تہمت بیجا ہی میری ذات پر — موت اک الزام ناجائز جگر میرے لئے

میں تو ہر حالت میں خوش ہوں لیکن اسکا کیا علاج — ڈبڈبا آتی ہیں وہ آنکھیں جگر میرے لئے

---

۱ کہ چشمان دل مبین جز دوست (سعدی) یہ لفظ ترک کر دیا گیا ہے لیکن میں جائز سمجھتا ہوں۔

۲ شرابی عموماً آخر شب تک پیتے پیتے بدمست ہو کر سو جاتا ہے اور اُٹھتا ہے دن چڑھے اس لئے صبح صادق کے نشہ پاش منظر سے لطف اندوز نہیں ہو سکتا ترک مے کے بعد اس لطیف منظر سے متاثر ہوتے رہنا بھی کچھ کم نہیں۔ جگر

نگاہ شوق جگر وقف چار سو کیا ہے — جو دل حسیں ہو تو دنیائے رنگ و بو کیا ہے

خبر نہیں مجھے میں کیا ہوں آرزو کیا ہے — کسی نے جب سے یہ سمجھا دیا کہ "تو کیا ہے"

جو دل میں ڈوب نہ جائے وہ گفتگو کیا ہے — جو چھا نہ جائے وہ پیغام آرزو کیا ہے

یہ چپکے چپکے دل و جاں سے گفتگو کیا ہے — یہ چھیڑ چھاڑ یہ انداز آرزو کیا ہے

یہی خبر نہیں اے وائے عشق محرومی
کہ آرزو کسے کہتے ہیں جستجو کیا ہے؟

نہیں ہی نہیں ہی جوانی نہیں ہے — جوانی اگر جاودانی نہیں ہے

مقام تحیّر زبانی نہیں ہے — یہاں کوئی شے آنی جانی نہیں ہے

جگر یہ مے ارغوانی نہیں ہے — ارے آگ ہے آگ، پانی نہیں ہے

یہ کیا ہے جو سحر جوانی نہیں ہے — کہ ہے اور پھر بدگمانی نہیں ہے

مرا قصۂ عشق فانی نہیں ہے — یہ مردہ دلوں کی کہانی نہیں ہے

حریفانہ رکھتا ہوں رسم محبت — رگوں میں مری خون پانی نہیں ہے

مرا عشق زندہ، مرا عزم راسخ — مجھے شکوۂ ناتوانی نہیں ہے

محبت ہے اپنی بھی لیکن نہ اندھی   جوانی ہے لیکن دوانی نہیں ہے
سمجھ سوچ کر پاؤں آگے بڑھانا   حقیقت ہے دنیا کہانی نہیں ہے
خجل جس سے ہوتا پڑے سل ہی دل میں   وہ کچھ اور ہے مہربانی نہیں ہے
مجھے اُن سے مطلب اُنھیں مجھ سے مطلب   کوئی واسطہ درمیانی نہیں ہے
محبت منوّر محبت معطّر   محبت نہیں تو جوانی نہیں ہے
نہ سُنئے نہ سُنئے غم و درد میرا   یہ ہے آپ بیتی کہانی نہیں ہے
وہ عالم ہے اب خشک آنکھوں میں اپنی   کہ طوفاں ہے برپا روانی نہیں ہے
فسوں ہے فسوں ہے جسے عشق کہیئے   جنوں ہے جنوں ہے جوانی نہیں ہے
محبت ازل سے مقدّر بڑی تھی   یہ اُفتادِ غم ناگہانی نہیں ہے

جگر کا یہ نغمہ ہے اور سازِ مشرق
یہ مغرب زدوں کی کہانی نہیں ہے

وہ مست ہوں کہ اُلٹ دی جب آستیں میں نے
دکھا دئے حرم و دیر سب یہیں میں نے

مٹا کے دل سے ہر اک نقش دل نشیں میں نے
تجھے بھی دیکھ لیا پا لیا یہیں میں نے
بنایا عشق کو یوں حسن آفریں میں نے
تجلیاں رُخِ فطرت سے چھین لیں میں نے
چھپا کے دل میں غمِ اشک آفریں میں نے
بنا تو لی ہے ستاروں کی سرزمیں سے نے
کبھی یہ وہم کہ میں کیا ہوں میرا سجدہ ہی کیا
کبھی یہ فکر جھکا دی اگر جبیں میں نے
تری نگاہ کے صدقے کہ پھر سے یاد آیا
بھلا دیا تھا جو اک درسِ اولیں میں نے
نہ حسن سے کوئی مطلب نہ عشق سے سروکار
کچھ اس طرح کی بھی گھڑیاں گزار دیں میں نے
الٰہی خیر کہ دیکھا ہے خواب میں دمِ صبح

شباب و حسن کا اک پیکرِ حسیں میں نے

مری یہ فطرت معصوم عشق ارے توبہ

کسی نے جو بھی کہا کر لیا یقیں میں نے

مگر جو تیری نگاہوں میں ہے وہ چھیڑ کہاں

ہزار دیکھ لئے یوں تو نکتہ چیں میں نے

تجھے خبر ہو جو ساقی تو مجھ پہ رشک کرے

اُلٹ لئے ہیں جو دریائے آتشیں میں نے

(رسالہ جامعہ جنوری ۳۲ء)

مے منصور پلا دے ساقی ۔۔۔ نور ہی نور پلا دے ساقی

جام بلور پلا دے ساقی ۔۔۔ چشم بد دور، پلا دے ساقی

پھر کبھی نام نہ لوں پینے کا ۔۔۔ آتنی بھرپور، پلا دے ساقی

تا کجا ہستی ناکام مری ۔۔۔ شعلۂ طور، پلا دے ساقی

تجھ کو اپنی ہی تجلی کی قسم ۔۔۔ ساغر نور، پلا دے ساقی

مے ظاہر تو بہت کچھ پی لی — مے مستور پلا دے ساقی

تو تو ساقی ہے تجھے کام سے کام — میں سہی چور پلا دے ساقی

تشنہ کاموں سے اب انکار ہے کیوں — حسب دستور پلا دے ساقی

ساغر ظلمت غم میں بھر کر — بادۂ نور پلا دے ساقی

کہہ گیا کیا یہ سیہ مستی میں — شب دیجور پلا دے ساقی

مے گل رنگ کے جلوے کب تک — حاصل طور پلا دے ساقی

میں تو جب جانوں مئے توبہ کے بعد — کر کے مجبور پلا دے ساقی

صبر ایوب کی تجھ کو سوگند — بیٹھے ہیں دور پلا دے ساقی

ساغر ہوش میں اب تو بھر کے — روح منصور پلا دے ساقی

تیری ہر شرط حقیقی و مجاز — مجھ کو منظور پلا دے ساقی

جانے کیا شے وہ افق تاب ہوئی — میں ہوں مجبور پلا دے ساقی

ایک ساغر میں زماں اور مکاں — کر کے معمور پلا دے ساقی

کر کے حل اب تو مرے ساغر میں — دیدۂ حور پلا دے ساقی

(رسالۂ جامعہ فروری ۱۹۳۳ء)

تقدیر سے شکایت، کوئی نہ آسماں سے ‏ ‏ ‏ ‏ شکوہ ہے صرف اپنے اک خاص مہرباں سے

کونین ہے عبارت اک عشق بے اماں سے ‏ ‏ ‏ ‏ نکلا یہی فسانہ الٹا ورق جہاں سے

کس نے اٹھا دیا ہے پردہ حریم جاں سے ‏ ‏ ‏ ‏ آنکھیں بھی مطمئن سی آنسو بھی شادماں سے

اس وقت کوئی دیکھے اعجاز ساز فطرت ‏ ‏ ‏ ‏ خود حسن نغمہ زن ہو جب عشق کی زباں سے

مدت کے بچھڑے دل باہم جو مل رہے ہیں

پھولوں کی بارشیں ہیں یا در ہائے آسماں سے (رسالہ جامعہ مئی ۱۹۳۳ء)

تھی جو بنیاد شادی و غم کی ‏ ‏ ‏ ‏ دل نے وہ انجمن ہی برہم کی

اس نے شانوں پہ زلف برہم کی ‏ ‏ ‏ ‏ خیر یارب نظام عالم کی

آہ کی ہے صدا نہ ماتم کی ‏ ‏ ‏ ‏ کیا طبیعت بدل گئی غم کی

تیری نسبت سے، تیری بخشش سے ‏ ‏ ‏ ‏ اللہ اللہ راحتیں غم کی

اتنے ہی مجھ سے وہ قریب ہوئے ‏ ‏ ‏ ‏ میں نے جتنی ہی آرزو کم کی

یوں تو پیارے ہیں سبزہ و گل بھی ‏ ‏ ‏ ‏ کس نے دیکھی ہے پیاس شبنم کی

کوئی دیکھے تو کیا ہنسی آئے ‏ ‏ ‏ ‏ ہائے ری بدحواسیاں غم کی

آئی تھی آج بھی نسیم سحر — آگ بھڑکا گئی جہنم کی
عشق کو کہیے کس طرح معراج — یہ تو فطرت ہے ابن آدم کی
اس سے پوچھو جمال شبنم کا — جس نے خود آرزوئے شبنم کی
اک خطا پر سزائے بے میعاد — ہائے تقدیر ابن آدم کی
تو نے ہمدم یہ کس کا نام لیا — چھا گئیں دل پہ بدلیاں غم کی
جس کا جھکنا محال تھا سو آج — عشق نے وہ نگاہ بھی خم کی
عشق کا راز غیر کیا سمجھیں — پڑ نہ جائے نگاہ محرم کی
شان رحمت برس پڑی کیا کیا — اس خطا پر کہ ہر خطا کم کی
دھن ہی اب اور ہے یہاں ناصح — تجھ کو سوجھی ہے شادی و غم کی
حسن آیا تھا خود منانے کو — سو توجہ ہی عشق نے کم کی
خاطر حسن تھی ہی کچھ برہم — دل نے دانستہ اور برہم کی
اللہ اللہ ہستی شاعر — قلب غنچے کا آنکھ شبنم کی
اس زمانے کا انقلاب نہ پوچھ — روح شیطاں کی شکل آدم کی

اس کی ہر شان مرحبا لیکن — ہائے یہ شان حسنِ برہم کی

میری جانب نگراں ہے کوئی — اب زماں ہے نہ مکاں ہے کوئی

وہیں میں بھی ہوں جہاں ہے کوئی — دل ہے یا تخت رواں ہے کوئی

اب تو یوں محرم جاں ہے کوئی — جیسے رگ رگ میں نہاں ہے کوئی

گرم اشکوں میں رواں ہے کوئی — ق سرد آہوں میں نہاں ہے کوئی

میں نے گھبرا کے جو اک روز جگر — دی یہ آواز کہاں ہے کوئی

درد چیخا کہ مجھی میں ہے وہ شوخ — غم پکارا کہ یہاں ہے کوئی

ہمہ نغمہ ہمہ خوشبو ہمہ رنگ — ق دوسرا تجھ سا کہاں ہے کوئی

تو ہی للہ بتا دے ناصح — ایسی سج دھج کا جواں ہے کوئی

اے غمِ عشق ترا کیا کہنا — پہلے تو بعد ازاں ہے کوئی

کیجئے شرح محبت کیوں کر — کیا محبت کی زباں ہے کوئی

غیرتِ عشق یہ کیا سنتا ہوں — غیر از دوست کہاں ہے کوئی

نہیں ہٹتی، نہیں ہٹتی تری یاد — یہ بھی کیا رشتۂ جاں ہے کوئی

کس کے دل پر نہیں اس کا سایہ ق غم ہے یا سحرِ رواں ہر کوئی

ہمہ ساز و ہمہ سوز و ہمہ درد زندگی ہے کہ فغاں ہر کوئی

ہر نفس اب تو یہ دیتا ہی صدا کہ پسِ پردۂ جاں ہر کوئی

دل کی اب فکر کرے میری بلا

مجھ سے بڑھ کر نگراں ہر کوئی (رسالہ جامعہ جولائی ۳۶ء)

شعر دا الہام تو کیا عرش بھی نازل ہو جائے

دل جو اک شے ہی حقیقت میں اگر دل ہو جائے

جس طرف آنکھ اُٹھے حسن مقابل ہو جائے

عشق خود ہی نہ اگر پردۂ حائل ہو جائے

اپنی ہستی کے سوا مجھ سے بھی غافل ہو جائے

دل بہر حال مرا دل ہے مگر دل ہو جائے

حُسن کامل ہے ترا، اور بھی کامل ہو جائے

میری گستاخ نگاہی بھی جو شامل ہو جائے

دونوں عالم سے فراغت مجھے حاصل ہوجائے
عشق اگر حُسن بنے، حُسن مرا دل ہوجائے

حُسن سے عشق کچھ اس طرح ماثل ہوجائے
جیسے تصویر سے تصویر مقابل ہوجائے

عشق ہی کاش مرے عشق کا حاصل ہوجائے
یہی رہبر بھی جادہ، یہی منزل ہوجائے

اُف رے تقدیرِ چمن، ہائے رے بیدادِ فلک
غنچہ کھلنے بھی نہ پائے کہ مرا دل ہوجائے

مجھ کو منظور دو عالم سے رقابت لیکن
وہ نگاہِ متبسم طرف دل ہوجائے

میں رُخِ عشق سے پردہ تو اُٹھا دوں لیکن
ڈر یہ ہے تو نہ کہیں عشق پہ مائل ہوجائے

غیر تو غیر ہے، اے عشق گوارا نہ کروں

میرے عالم میں اگر خود بھی وہ شامل ہوجائے

ارتباط اب نہ بڑھا اور زیادہ اے دوست
مجھ کو ڈر ہے کہ ترا دل نہ مرا دل ہوجائے

حیف وہ حسن کا پندار جو کھا جائے شکست
ہائے وہ زعم محبت کہ جو باطل ہوجائے

دل کے آثار ابھی تک تو بہت اچھے ہیں
کہیں اقرارِ محبت پہ نہ مائل ہوجائے

رنگِ چہرہ نہ اُڑے اور محبت برسے
لب کو جنبش نہ ہو اور شرحِ غم و دل ہوجائے

میں تو مر جاؤں مرا عشق کہیں کا نہ رہے
اک نفس بھی جو فراغت مجھے حاصل ہوجائے

مجھ کو دینا تھا غمِ عشق، نہ اس طرح مگر
کہ مرا عقدۂ دل ہی مجھے مشکل ہوجائے

ہر ستم مجھ کو گوارا مگر اس شرط کے ساتھ
ہر ستم کے لئے مخصوص مرا دل ہو جائے

غیرتِ حسن کا پھر کوئی ٹھکانا ہی نہ تھا
درد بن کر نہ اگر عشق مرا دل ہو جائے

کیا بگڑ جائے ترا اے مہِ خوبی جمال
گر یہاں بھی کوئی دم، رونقِ محفل ہو جائے

عشق ہر رنگ میں ہے اپنی حقیقت کی دلیل
یہ وہ دعویٰ ہی نہیں ہے کہ جو باطل ہو جائے

(رسالہ جامعہ جون ۱۹۳۵ء)

پارہائے جگر

آج ایسا نگہِ مست کا اِک وار ہوا — دل کا کیا ذکر، سنبھلنا مجھے دشوار ہوا

وہی ہے عشق، وہی حُسن ہے، وہی سب کچھ — مگر کسی سے کسی کا جواب ہو نہ سکا

امید ہی تری رحمت اسے بھی دھو ڈالے — وہ اِک گناہ جو غرقِ شراب ہو نہ سکا

اب کیا کریں لے جوشِ طلب تیری قسم اور — بڑھتا ہے اگر شوق تو رُکتے ہیں قدم اور

طرفین غمِ عشق کے ہیں تازہ ستم اور — اب دیکھیے کیا ہو، کہ نہ تم اور نہ ہم اور

عشق کی! اللہ ری آتش کاریاں — خون کی بوندیں ہیں یا چنگاریاں

قتل گہ میں آج ہولی ہے جگر!

چل رہی ہیں خون کی پچکاریاں

شکوہ تو کیا، ہو نہ سکی آہ تک — ہمتِ اربابِ وفا، کچھ نہیں

لطف سے کچھ اُس نے کہا زیرِ لب — میں نے جو پوچھا تو کہا "کچھ نہیں"

یونہی حیران پریشان روز صبح شام کرتے ہیں   جنونِ عشق کے مارے کہیں آرام کرتے ہیں

ہجوم آرزو، شوق فراواں، درد بیتابی

وہ جس پر چاہتے ہیں اُس پہ یوں اکرام کرتے ہیں

اک جگہ بیٹھ کے پی لوں مرا دستور نہیں   میکدہ تنگ بنا دوں مجھے منظور نہیں

قیدِ آدابِ محبت مجھے منظور نہیں   عشق دستور ہی خود عشق کا دستور نہیں

برقِ غیرت مری ہستی کو جلا دے تسلیم   چھپکے پردے میں رہے حسن یہ منظور نہیں

کیا انا الحق کا ترانہ کہ اب اس دنیا میں

رسن و دار نہیں شبلی و منصور نہیں

تجھی میں ہی جگر اک حسنِ معتبر پنہاں   بہار در بر و میخانہ در نظر پنہاں

بہت اشارۂ پیہم مگر لطیف ترین   ہزار ہا نگہ ملتفت مگر پنہاں

جگر کو درسِ حقیقت بہت نہ دے واعظ

وہ بے خبر تو بہ ظاہر ہے باخبر پنہاں

دل ہی قدموں پر کسی کے سر جھکا ہو یا نہ ہو   بندگی تو اپنی فطرت ہے خدا ہو یا نہ ہو

یہ جنوں بھی کیا جنوں ہے، یہ حال بھی کیا حال ہے
ہم کہے جاتے ہیں کوئی سُن رہا ہو یا نہ ہو

عبث دھمکا رہے ہیں عشق میں اہلِ وفا مجھکو
مجسّم زندگی ہوں چھو نہیں سکتی قضا مجھکو

جلوہ وہ کونسا ہے، جو صورت کشا نہ ہو
اے اعتبارِ شوق! جو تو ہو تو کیا نہ ہو

خود ہی جمالِ دید ہی وجہِ حجاب ہے
دیکھوں اُسے وہ مجھ کو اگر دیکھتا نہ ہو

کس کی نگاہ کافرِ غماز بن گئی ہے
میری تمام ہستی آواز بن گئی ہے

دیکھ لو رنگ رفتۂ ناکامی
یہ نہ پوچھو، کہ بیکسی کیا ہے؟

گزر گیا ہوں یوں بھی میں مناظرِ حیات سے
کہ جیسے کچھ غرض نہیں حیات سے ممات سے

جب سے وہ آنکھ شرمسار سی ہے
دل کو تسکین بے قرار سی ہے

دیکھئے یاس بھی رہے نہ رہے
یوں تو ظاہر میں وضعدار سی ہے

مرے گناہوں کا کیا ٹھکانا، خیال سے شرم آ رہی ہے
رواں ہیں آنکھوں سے اشکِ پیہم حیات گنگا بہا رہی ہے

جب سے مری آنکھوں میں تری جلوہ گری ہے
دنیا مرے نزدیک تبسم سے بھری ہے

یہ نشہ بھی کیا نشہ ہے، کہتے ہیں جسے حُسن
جب دیکھئے کچھ نیند سی آنکھوں میں بھری ہے

یہ چاہتا ہوں الٰہی، کہ کچھ دنوں کے لئے　　خود اپنے عشق میں وہ شوخ مبتلا ہو جائے

خدا کی شان، کہ شورش حجاب بن جائے　　سکوت، آئینۂ رنگِ مدعا ہو جائے

حسن خود عشق کی صورت میں مقابل آئے　　کاش ایسا ہو، کہ تجھ پر بھی ترا دل ہو جائے

جب اس طرف سے کوئی اہل نظر گیا ہے　　دل کی نزاکتوں پر عالم گزر گیا ہے

مجھے تو رشک آتا ہے غم جاناں کی ہستی پر　　بدل لے کاش اپنی زندگی سے زندگی میری

اسے صیاد نے کچھ گل نے کچھ بلبل نے کچھ سمجھا　　چمن میں کتنی معنی خیز تھی اک خامشی میری

نگاہِ کرم کی ضرورت نہیں ہے　　کہ اب مجھ میں تاب محبت نہیں ہے

مجھے بھی ہے احساس اپنی خودی کا　　اگر ان کو میری ضرورت نہیں ہے

محبت سے بھی ماورا ہے کوئی شے　　محبت ہی تنہا محبت نہیں ہے

کسے یاد رکھوں کسے بھول جاؤں　　اب اتنی بھی اے عشق فرصت نہیں ہے

جب نظر اپنی حقیقت آئی　　مجھ پہ خود میری طبیعت آئی

جو مصیبت جو قیامت آئی　　سب اسی دل کی بدولت آئی

دل مرحوم کے ماتم کے لئے　　بال کھولے شب فرقت آئی

کوئی طوفاں بھی نہ ہوگا ایسا   کیا اندھا دھند طبیعت آئی

کہاں تک عذابِ محبت اُٹھائیں   بس اب وہ ہمیں، ہم انھیں بھول جائیں

کوچۂ یار سے محبت ہے   در و دیوار سے محبت ہے

یار و اغیار سے محبت ہے   گل تو گل خار سے محبت ہے

میری صحرا نوردیاں توبہ   ہر سرِ خار سے محبت ہے

میں اور تیرے عشق کے قابل نہیں نہیں   مجھ کو معاف کر کہ میں تجھ سا حسیں نہیں

میرے سوا، زمان و مکاں میں اگر تو ہو   تیرے سوا زمان و مکاں بھی کہیں نہیں

دِل درد، جگر درد، دُعا درد، اثر درد   میں ہوں ہمہ تن درد، میری شام و سحر درد

جب تک شبابِ عشق مکمل شباب ہے   پانی بھی ہے شراب، ہوا بھی شراب ہے

جو خود نہ زندگی ہو، نہ پیغامِ زندگی   وہ حُسن قہر ہے، وہ محبت عذاب ہے

للہ ان حدود میں رکھنا نہ تو قدم   پیارے جہانِ عشق، جہانِ خراب ہے

دیرینہ دوستی، خوشیِ انفاس کا لحاظ   اے محتسب نزاکتِ احساس کا لحاظ

جان آنکھوں میں اٹک کر رہ گئی   ایک بجلی سی چمک کر رہ گئی

یہی حسن و عشق کا راز ہے کوئی راز اس کے سوا نہیں
کہ خدا نہیں تو خودی نہیں جو خودی نہیں تو خدا نہیں

جہاں کی بزم آرائی ہی میں ہوں   ہجوم رنج تنہائی ہی میں ہوں

کارِ عظیم چاہیئے طبع سلیم چاہیئے   عزم صمیم چاہیئے فکر مآل کار کیا

محبت کس کو کہتے ہیں، محبت کی بقا کیا ہے
خدائی کس کو کہتے ہیں خودی کیا ہے خدا کیا ہے

خودی کا اک تصور وار داتی اور لا محدود
نشاتی اور حیاتی اور ذاتی اور لا محدود

ہمہ تن وجد میں آ، رقص میں آ، جوشش میں آ
حسن کو ہوش میں لانا ہے تو خود ہوش میں آ

دل نے کچھ ایسی دُھن میں آج نغمۂ شوق گا دیا
عشق بھی جھوم جھوم اُٹھا حسن بھی مُسکرا دیا
مجھ کو خدائے عشق نے جو بھی دیا بجا دیا

اُتنی ہی تابِ ضبط دی جتنا ہی غم سوا دیا

آتشِ تر نے ساقیا کچھ نہ مجھے مزا دیا

آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے تو نے یہ کیا پلا دیا

جذبِ جنوں نے آج تو گل ہی نیا کھلا دیا

خود وہ گلے لپٹ گئے عشق کا واسطا دیا

شوق نے بیخودی میں جیب دستِ طلب بڑھا دیا

غیرتِ عشق نے وہیں پہلوئے دل دبا دیا

میں کہ تھا ایک مشتِ خاک حسن جو مسکرا دیا

عشق کی روح پھونک دی، روح کو جگمگا دیا

تو نہ رہے تیرا غم رہے میں نہ رہوں میرا دم رہے

کون تجھے بھلا سکا، کس نے تجھے بھلا دیا

ق

میرے جنونِ عشق کی کیوں نہ ہو عاقبت خراب

مجھ کو ہنسا ہنسا کے آج اُن کو رُلا رُلا دیا

میں بھی نہ لوں جو انتقام مجھ پہ ہو عاشقی حرام
دل نے تو کرکے اہتمام حسن کا دل کھلا دیا

خیر ہو اے نسیم ناز پھیل نہ جائے بھید راز
تو نے یہ کیا غضب کیا غنچۂ دل کھلا دیا
میرے ہجوم شوق پر منہ سے تو کچھ نہ کہہ سکے
چہرے پہ رنگ آگیا ہاتھ مرا دبا دیا
حسن بھی رشک سے بری ہو نہ سکا نہ ہو کبھی
اپنے سوا ہر ایک نقش دل سے مرے مٹا دیا
شکوہ کریں کہ شکر ہائے اے التفات دوست
جو نہ کہیں بھی جھک سکا تو نے وہ سر جھکا دیا
بیٹھے ہیں سر جھکائے کیوں خاک مزار پر وہ اب
خاک سے پھر غرض ہی کیا خاک میں جب ملا دیا

تو مرے دل کی دھڑکنیں رہنے دے چارہ گر یونہی
ہاں انھیں دھڑکنوں نے تو مجھ کو مرا بنا دیا

ترکِ تعلقات سے عشق کہیں ہے بے نیاز
کہنے کی بات ہی فقط کس نے کسے بھلا دیا

حسن ہے حسنِ بے اماں، ضد نہ کر اے غمِ نہاں
پھر یہ نگاہ و دل کہاں، پردہ اگر اٹھا دیا

قسمتِ حسن و عشق سے مجھ کو نہیں ہی کچھ گلہ
تجھ کو غرور اگر دیا مجھ کو بھی حوصلہ دیا

شکرِ شباب و یادِ یار، دردِ فراق و انتظار
آنکھ کھلی سلا دیا، آنکھ لگی جگا دیا

کفر کہاں کہاں جگرؔ او بتِ سنگ دل مگر
ہائے رے شوقِ فتنہ گر تجھ کو خدا بنا دیا

فتنۂ روزگار میں امن ہی کیا قرار کیا
(حاصلِ زیست غم سہی غم کا بھی اعتبار کیا)

عشق کمالِ ہوش ہے ہوش سے ننگ و عار کیا
سینہ چاک چاک کریں دامن تار تار کیا

دیدۂ دل پہ کس کا بس جائیں یہ اختیار کیا
ہو چکے اُن کے جب ہمیں آئنہ کریں نثار کیا

تیری نصیحتیں بجا، یہ تو بتا کہ ناصحا
اور ہے عشق کے سوا مقصدِ حسنِ یار کیا

عشقِ خزاں مزاج سے لطفِ جمال پوچھیے
جن کی نظر ہے خود بہار اُن کے لئے بہار کیا

ناز سے مسکرا کے دیکھ چشمِ حیا اُٹھا کے دیکھ
دل سے حریف کے لئے نیچی نظر کا وار کیا

سوزِ تمام چاہیئے رنگِ دوام چاہیئے
شمع تہِ مزار ہو، شمع سرِ مزار کیا

کارِ عظیم چاہیئے طبعِ سلیم چاہیئے
عزمِ صمیم چاہیئے، فکرِ مآلِ کار کیا

میں نے کیا ہے جرمِ عشق مجھ سے ہوئی خطائے شوق
خواہشِ عفو کس لئے بخششِ حسنِ یار کیا

فطرتِ شوق کی قسم غیرتِ عشق کی قسم
دولتِ دو جہاں سہی دولتِ مستعار کیا

منزلِ عشق میں جگرؔ غیر تو پھر بھی غیر ہیں
دل پہ بھی اعتماد کیوں اپنا بھی اعتبار کیا

مانا کہ ہم پہ جور و جفا کیجیے گا آپ
لیکن ہمیں نہ ہوں گے تو کیا کیجیے گا آپ

ہر چند ضبط حد سے سوا کیجیے گا آپ
آنسو نہ تھم سکیں گے تو کیا کیجیے گا آپ

آنکھوں کی نیند دل کی خلش کا نہیں علاج
بستر سے آہ کر کے اُٹھا کیجیے گا آپ

تنہائیاں تو ایک طرف سب کے سامنے
پہروں اُداس اُداس رہا کیجیے گا آپ

زلفِ رمیدہ بوجوہ پریشاں نہ رہ سکی
روئے پریدہ رنگ کو کیا کیجیے گا آپ

ہونا ہی ایک دن جنھیں مشہورِ خاص و عام
کس دل سے وہ فسانے سُنا کیجیے گا آپ

چھُپ چھُپ کے جب نہ رو بھی سکیں گے بقدرِ ظرف
گھُٹ گھُٹ کے دل ہی دل میں رہا کیجیے گا آپ

ہر چند نہ لائیے گا زباں پر نہ رازِ عشق
نظریں پکار اُٹھیں گی تو کیا کیجیے گا آپ

چہرے پہ ہم سنوں کی تبسم تو کیا مگر
اک فرض ناگوار ادا کیجیے گا آپ

اتنا ہی اور ہو کے رہے گا غم آشکار
جتنی ہی احتیاط سوا کیجیے گا آپ

رہتا نہیں ہے جس میں کہ یارائے صبر و ضبط
کیا جانے اُس جنوں میں کیا کیجیے گا آپ

جب کچھ نہ بن پڑے گا مداوائے زخمِ ہجر
رو رو کے مغفرت کی دعا کیجیے گا آپ

ذرّوں سی باتیں کرتے ہیں دیوار و در سے ہم
وابستہ کس قدر ہیں تری رہگزر سے ہم

دیکھا جہاں بھی حسن وہیں لوٹ ہو گئے
تنگ آ گئے ہیں اپنے مزاجِ نظر سے ہم

چھیڑیں کسی سے اور ہمارے ہی سامنے
لڑتے ہیں دل ہی دل میں نسیمِ سحر سے ہم

اتنی سی بات پر ہی بس اک جنگِ زرگری
پہلے اُدھر سے بڑھتے ہیں وہ یا اِدھر سے ہم

کیوں کر نہ ہو نظامِ دو عالم میں ابتری
کچھ بے خبر سے آپ ہیں کچھ بے خبر سے ہم

حیرت خود اک محشرِ خاموش بن گئی
بچ کر چلے تھے فتنۂ شام و سحر سے ہم

ذرّوں کو حسن و عشق سے معمور کر دیا
دامن فشاں گزر گئے جس رہ گزر سے ہم

کوئی حسیں حسیں ہی ٹھہرتا نہیں جگر
باز آئے اس بلندیِ ذوقِ نظر سے ہم

یعنی

کلامِ دورِ سوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(الف)

اُس کی نگہِ ناز کے قابل نہ سمجھا
اے بیخبرو! دل کو کبھی دل نہ سمجھا

بے کار سی اِک ہستیِ باطل نہ سمجھا
نقشِ قدمِ یار ہے یہ، دل نہ سمجھا

دل ہی کو فقط درد کے قابل نہ سمجھا
اُس شوخ سی خالی کوئی محفل نہ سمجھا

میں دل سے سہی دور مگر اے غمِ جاناں!
دل کو مرے آوارۂ منزل نہ سمجھا

جو موجِ نظر ہے، وہ ہے اک برقِ تجلی
آنکھوں کو فقط پردۂ حائل نہ سمجھا

ہر جلوے کے پردے میں وہ خود سیرِ کناں ہیں
تنہا اسے ہنگامۂ محفل نہ سمجھا

خود دے کے کہا دردِ محبت یہ کسی نے
"اب آج سے اپنا اسے تم دل نہ سمجھا"

کہتی ہے یہ اب وسعتِ دیوانگیٔ شوق منزل بھی جو آ جائے، تو منزل نہ سمجھنا
اے قیسِ نظر! حسنِ حقیقت سے خبردار سایہ ہے اسے صاحبِ محمل نہ سمجھنا
ہر سانس ہے در پردہ نگہبانِ محبت زنہار کبھی حسن کو غافل نہ سمجھنا

ہر ذرّہ ہے اک پیکرِ صد حسنِ حقیقت
ہستی کو جگر! ہستیِ باطل نہ سمجھنا (مین پوری)

محال تھا کہ میں آزادِ دو جہاں ہوتا بقیدِ جسم نہ ہوتا، بقیدِ جاں ہوتا
نہاں کیے سے کہیں رازِ غم نہاں ہوتا (زباں دہن میں نہ ہوتی تو میں زباں ہوتا)
یہ سوچتا ہوں، ٹھکانا مرا کہاں ہوتا اگر وہ میری طرح مجھ سے بدگماں ہوتا
محال تھا، کہ غمِ عشق بے نشاں ہوتا جو میں نہیں، تو مری آہ کا دھواں ہوتا
جو میں خود اپنی حقیقت کا رازداں ہوتا تمام منظرِ فطرت، مری زباں ہوتا
یہ سب ہیں فیض اسی دم قدم کے اے بلبل! خزاں نہ تنکے اڑاتی، نہ آشیاں ہوتا
بھلا ہوا، کہ نظر حیرتوں میں ڈوب گئی کہاں کہاں نہ ترا حسن رائگاں ہوتا
صفاتِ عشق کی تکمیل بھی ضروری تھی جبیں پہ سجدۂ بت کا بھی اک نشاں ہوتا

بہار، توبہ شکن ہے چشمِ مستِ یار مُصر — میں آج پی جو نہ لیتا وہ بدگماں ہوتا

کہاں فراغ، تلوّن مزاجیوں سے تری — یہ دردِ ہجر ہی اے کاش جاوداں ہوتا

کمالِ اہلِ حرم، مستند سہی لیکن — کوئی تو باخبرِ جلوۂ بتاں ہوتا

یہ ذوقِ سجدہ کہیں مطمئن نہ رہ سکتا — مری جبیں سے جو باہر وہ آستاں ہوتا

کہاں ہم، اور کہاں اب فسانۂ غمِ عشق — وہ التفات نہ کرتے تو کچھ بیاں ہوتا

وہ حالِ دل، لبِ خاموش سے بھی سنتے ہیں — یہ جانتا، تو نہ شرمندۂ فغاں ہوتا

گدازِ عشق کی اب شرح مختصر یہ ہے — وہ مہرباں جو نہ ہوتا تو مہرباں ہوتا

نثار ہو گئے، اِک جلوۂ تبسم پر — کہاں نصیب یہ وقتِ وداعِ جاں ہوتا

تمام اُٹھ گئے پردے تو اس سے کیا حاصل — مزا تو جب تھا کہ میں بھی نہ درمیاں ہوتا

یہ سب نمود و نمائش ہے تیرے چھپنے سے
جو تو نہ پردے میں ہوتا، تو میں کہاں ہوتا

یادِ ایام کہ جلووں کا ترے ہوش نہ تھا — حیرت آوارہ نہ تھی عشق جنوں کوش نہ تھا

حسن بھی بزم میں جبتک کہ قدح نوش نہ تھا — بادۂ عشق میں نشہ تھا مگر جوش نہ تھا

ہائے آغازِ محبت کا وہ دورِ سرشار　　کونسا اشک تھا جو ساغرِ سر جوش نہ تھا

دن جوانی کے جگر بے خبری میں گزرے

ہوش کا وقت جب آیا، تو مجھے ہوش نہ تھا　　(مین پوری)

جنوں میں بھی کیا کم یہ سامان ہوگا　　گریباں سے پیدا گریبان ہوگا

نہ جاں، دل بنے گی، نہ دل جان ہوگا　　غمِ عشق خود اپنا عنوان ہوگا

ٹھہر اے دل دردمندِ محبت　　تصور کسی کا پریشان ہوگا

مرے دل میں بھی اک وہ صورت ہے پنہاں　　جو تو دیکھ لے گا، تو حیران ہوگا

یہ کہہ کر دیا اس نے دردِ محبت　　"جہاں ہم رہیں گے یہ سامان ہوگا"

گزارا نہیں جان دے کر بھی دل کو　　تری اک نظر کا جو نقصان ہوگا

کٹے گی شبِ غم بڑی راحتوں سے　　تری یاد ہوگی، ترا دھیان ہوگا

چلو دیکھ آئیں جگر کا تماشا

سنا ہے وہ کافر مسلمان ہوگا　　(مین پوری)

حسن کے احترام نے مارا　　عشق بے ننگ و نام نے مارا

وعدۂ ناتمام نے مارا ۔ روز کی صبح و شام نے مارا
لرزشِ دستِ شوق آہ نہ پوچھ ۔ لغزشِ نیم گام نے مارا
عشق کی سادگی تو ایک طرف ۔ شوق کے اہتمام نے مارا
اللہ اللہ نفس کی آمد و شد ۔ اس پیام و سلام نے مارا
عشق مرتا نہ اپنی موت سے آہ ۔ عاشقانِ کرام نے مارا
کاش وہ عمرِ خضر بن جاتے ۔ جن خیالاتِ خام نے مارا
میں نہیں بسملِ حسامِ جگرؔ!
حافظؔ خوش کلام نے مارا

جدھر سے حسن کا اک گوشۂ نقاب اُٹھا ۔ تمام ذرّے پکارے وہ آفتاب اُٹھا[1]
یہ کون، جامِ تہی کردہ و خراب اُٹھا؟ ۔ کہ میکدے کو لئے شورِ اضطراب اُٹھا
نظر کو مستِ مئے حسن کر حجاب اُٹھا ۔ جگرؔ! شراب نہ پی تہمتِ شراب اُٹھا

---

[1] آفتاب اُٹھا، درحقیقت خلافِ محاورہ ہی، مگر میرا مفہوم بجز اس کے اور کسی طرح ادا نہیں ہوتا، اگر مذاقِ سلیم سے کام لیا جائے تو ایک اجتہاد ہوگا جسے رائج ہونا چاہئے جگر

یہ سب جو حسن حقیقت پہ ہیں حجاب اُٹھا — نظر کو ہے جو اُٹھانا تو کامیاب اُٹھا

نشانِ منزلِ جذب تمام چھپ نہ سکا — اِدھر فنا ہوا قطرہ، اُدھر حباب اُٹھا

کہاں مشاہدۂ روح میں ہے پابستہ؟ — بہت لطیف سہی، پھر بھی یہ حجاب اُٹھا

نمودِ حسن کی یہ گرمیٔ مزاج تو دیکھ — ہزار قطرے فنا کرکے اِک حباب اُٹھا

کہیں نہ فتنہ کوئی اُٹھ کے تھام لے دامن — قدم نہ راہِ محبت میں بے حساب اُٹھا

رہِ طلب میں نہ کر خوفِ لغزشِ پا سے — یہاں جو گر کے اُٹھا بس وہ کامیاب اُٹھا

جہانِ حسن سے تکمیلِ تشنگی کرلے — ابھی نظر سے، نہ یہ پردۂ سراب اُٹھا

بھری ہوئی ہیں فضائیں جہاں غم سے تمام — گناہگارِ نظر! لذتِ عذاب اُٹھا

وداعِ ہوش کو پابندِ انحصار نہ کر — سکونِ شوق سے بھی کیفِ اضطراب اُٹھا

اُٹھا چکا ہے بہت ناز بادہ و ساغر — شکستِ نشۂ سراب لذتِ شراب اُٹھا

فضائے عشق ہے ساکت ہوائے شوق ہے تیز — کدھر ہے مطربِ آتش نوا رباب اُٹھا

کوئی خرابِ تماشا، وہاں پہنچ نہ سکا — مگر جو میکدۂ عشق سے خراب اُٹھا

یہی تھا وعدۂ تسکین یہی تھا عہدِ وفا — نظر تو اپنی اے شوخ پُرحجاب اُٹھا

نسیمِ شوق یہ لائی جوابِ نامۂ درد — کچھ اور دن ابھی تکلیفِ اضطراب اُٹھا
جدھر کو مستیِ دریا نے رُخ کیا اپنا — تڑپ کے موج اُٹھی جھوم کر حباب اُٹھا
مجھے اُٹھانے کو آیا ہے واعظِ ناداں! — جو اُٹھ سکے تو مرا ساغرِ شراب اُٹھا
کدھر سے برق چمکتی ہے دیکھیں اے واعظ! — میں اپنا ساغر اُٹھاتا ہوں تو کتاب اُٹھا
کہاں یہ بار کہاں پائے نازکِ جاناں — اُٹھا سر اے جگرِ خانماں خراب اُٹھا

قریب ساعتِ وصل آ چکی ہے اب تو جگر
نچوڑ دامنِ تر دیدۂ پر آب اُٹھا (مین پوری)

ہزاروں قربتوں پر یوں مرا مہجور ہو جانا — جہاں سے چاہنا اُن کا وہیں سے دور ہو جانا
نقابِ روئے نادیدہ کا از خود دور ہو جانا — مبارک اپنے ہاتھوں حسن کو مجبور ہو جانا
سراپا دیدہ ہو کر غرقِ موجِ نور ہو جانا — ترا ملنا ہے خود ہستی سے اپنی دور ہو جانا
نہ دکھلائے خدا اے دیدۂ تر دل کی بربادی — جب ایسا وقت آئے پہلے تو بے نور ہو جانا
جو کل تک لغزشِ پائے طلب پر مسکراتے تھے — وہ دیکھیں آج سر نقشِ قدم کا طور ہو جانا
ان آنکھوں کا نہ پوچھو ضبط جن آنکھوں نے دیکھا ہے — سحر ہونے سے پہلے شمع کا بے نور ہو جانا

محبت کیا ہے؟ تاثیر محبت کس کو کہتے ہیں؟ — ترا مجبور کر دینا، مرا مجبور ہو جانا

یکایک دل کی حالت دیکھ کر میرا تڑپ اٹھنا — اسی عالم میں پھر کچھ سوچ کر مسرور ہو جانا

محبت عین مجبوری سہی لیکن یہ کیا باعث — مجھے باور نہیں آتا، مرا مجبور ہو جانا

مگر اس رمز سے ناآشنا تھے حضرت موسیٰؑ — کہ ہے ننگِ نظر پابندِ برقِ طور ہو جانا

نگاہِ ناز کو تکلیفِ جنبش تا کجا آخر — مجھی پر منحصر کر دو، مرا مجبور ہو جانا

جگر! وہ حسنِ یکسوئی کا منظر یاد ہے اب تک

نگاہوں کا سمٹنا، اور ہجومِ نور ہو جانا (اٹاوہ، مین پوری)

ادب شناسِ محبت، دل خراب ہوا — ترا حجاب نہ کرنا بھی اب حجاب ہوا

سکونِ شوق جو مائل بہ اضطراب ہوا — شراب و شیشہ بنا، نغمہ و رباب ہوا

اسی سے دل کا ہر اک نقش جلوہ تاب ہوا — مری نظر نہ ہوئی، آپ کا حجاب ہوا

خراب ہو کے بھی دل کب جہاں خراب ہوا — اک آفتاب کا سایہ تھا، آفتاب ہوا

فروغِ بادہ، ترے حسن کا جواب ہوا — سنبھالنا مجھے ساقی! امینِ نقاب ہوا

مجھی میں گم، مرا ہر کیف و اضطراب ہوا — جو نہ بچ رہا وہ مرا شوق کامیاب ہوا

کتابِ عشق کا مشکل ترین باب ہوا ــــ وہ ایک دورِ محبت جو صرفِ خواب ہوا

معاملاتِ محبت یہاں تک اب پہنچے ــــ کمالِ ضبطِ نفس شرطِ اضطراب ہوا

نگاہِ شوق کی جذب و کشش ارے توبہ ــــ جس آئینے پہ نظر کی ترا جواب ہوا

ستم ظریفیِ حسنِ ازل، ارے توبہ ــــ وہ دل دیا کہ جسے قرب بھی عذاب ہوا

اُس ایک دل کی حقیقت کوئی کیا جانے ــــ جو لاکھ بار بنا، اور پھر خراب ہوا

نگاہِ دل بھی یکایک اُسے سمجھ نہ سکی ــــ وہ ہر کرم، جو پسِ پردۂ عتاب ہوا

دلِ تباہ کی کرنی ہی تھی کوئی تاویل ــــ سمجھ لیا کہ محبت کا گھر خراب ہوا

نگاہ خاک پہنچتی، جمالِ معنی تک ــــ خیالِ دل میں اُترتے ہی اضطراب ہوا

بہت ملال ہی دل کو، سنا ہے جب سے ــــ بہ قدرِ تابِ نظر کوئی بے حجاب ہوا

سکون، اصل عدم تھا محیطِ قدرت میں ــــ دلیلِ ہستی ہر موج، اضطراب ہوا

جہانِ شوق کی محرومیاں، نہ پوچھ جگر!
سکوں تو کیا ہے کہ میسر نہ اضطراب ہوا (مین پوری)

رحمت نے مجھ کو مائلِ عصیاں بنا دیا ــــ اک پیکرِ حقیقتِ عریاں بنا دیا

ساقی نے آج بندۂ احساں بنا دیا | ڈالی وہ اک نظر، کہ مسلماں بنا دیا
دل کو حریفِ جلوۂ جاناں بنا دیا | میں وہ ہوں جس نے حسن کو حیراں بنا دیا
تیری ہر ایک شان کے شایاں بنا دیا | انساں کو، دردِ عشق نے انساں بنا دیا
بربادیوں نے لوٹ کے سامانِ آرزو | ناکامیوں کو حاصلِ عرفاں بنا دیا
اس عشقِ ہرزہ کار سے ہونا ہی کیا، مگر | اک کیفِ مستقل کو، رگِ جاں بنا دیا
اک اک ادائے عشق کو تاثیرِ حسن نے | آئینۂ لطافتِ پنہاں بنا دیا
ساقی کے فیضِ مست نگاہی کے میں نثار | ایک ایک موجِ مے کو، رگِ جاں بنا دیا
اس کے لئے تو ننگِ محبت ہی فخر تھا | تیرا کرم، کہ جان کو جاناں بنا دیا
کس نے غمِ فراق میں بھر کر نشاطِ روح؟ | اک محشرِ تبسمِ پنہاں بنا دیا
آج اس نظر نے دل سی کیا یوں معانقہ | سمجھا یہ میں کہ درد کو درماں بنا دیا

ہم بھی ہیں کلمہ گو اُسی کافر نگاہ کے
کافر جگر کو جس نے مسلماں بنا دیا (اعظم گڑھ)

خالی، زادہائے پریشاں نہیں دیکھا | ہم نے کسی آئینے کو حیراں نہیں دیکھا

مدت ہوئی چھڑے ہوئے افسانہ ہستی　　اب تک اثرِ خوابِ پریشاں نہیں دیکھا

اللہ ری مجبوریِ آدابِ محبت

گلشن میں رہے، اور گلستاں نہیں دیکھا　　(گونڈہ)

وارفتگیِ شوق میں حد سے نہ گزر جا　　ٹھہرائے جہاں مصلحتِ عشق ٹھہر جا

کونین کی ان بھول بھلیوں سے گزر جا　　اپنی ہی طرف دیکھ اِدھر جا نہ اُدھر جا

تقلیدِ صبا، اک روشِ عام ہے اے دل!　　تو موجِ فنا بن کے اُبھر اور ٹھہر جا

مجھ سا کوئی دیوانہ تجھے کون ملیگا؟　　آ، اے اجل آ! تو بھی مرے ساتھ ہی مر جا

قاتل نگاہوں میں ہے، اک معنیٔ پنہاں

اے جاں بلب آمدہ! کچھ دیر ٹھہر جا

(غالباً مین پوری)

(ت)

نہ دیکھا، رُخِ بے نقابِ محبت — محبت ہی شاید، حجابِ محبت

برستا ہے کیفِ شبابِ محبت — ہر آنسو ہے، جامِ شرابِ محبت

عجب جوش پر ہے شبابِ محبت — محبت ہے، مستِ شرابِ محبت

زہے، خواب و تعبیرِ خوابِ محبت — محبت ہی نکلی، جوابِ محبت

مجھے کیا پڑی ہے، ترے در سے اُٹھوں — ٹھہرنے جو دے اضطرابِ محبت

دلِ ذرّہ ذرّہ ہے، طورِ تجلّی — زہے، جلوۂ آفتابِ محبت

سبھی اُٹھ گئے، دیدہ و دل سے پردے — نہ اُٹھا، مگر، اِک حجابِ محبت

لہو کی ہر ایک بوند، دل بن گئی ہے — خوشا لذّتِ کامیابِ محبت

حدودِ محبت سے بھی بڑھ گئے ہم

سلامت رہے، اضطرابِ محبت (مین پوری)

(ر)

ترے جلووں میں گم ہو کر، خودی سے بیخبر ہو کر — تمنا ہے کہ رہ جاؤں ز سر تا پا نظر ہو کر

نہ چونکے اہلِ دل، تا حشر مست و بیخبر ہو کر — زمانہ کروٹیں بدلا کیا، شام و سحر ہو کر

جنونِ بیخودی نے کہہ دیا کیا؟ پردہ در ہو کر — نگاہِ قہر بھی اُٹھی، محبت کی نظر ہو کر

بہارِ لالہ و گُل، شوخیِ برق و شرر ہو کر — وہ آئے سامنے لیکن حجاباتِ نظر ہو کر

نگاہِ اہلِ دل بھی رہ گئی زیر و زبر ہو کر — کہاں پہنچے مرے اجزائے ہستی منتشر ہو کر

بھرم کھونا کہیں اے دل! نہ عشق معتبر ہو کر — گزر جا، ہاں گزر جا حسن سے بھی بیخبر ہو کر

حجاب اندر حجاب و جلوہ اندر جلوہ کیا کہیے — بلا میں پھنس گئے عشاق پابندِ نظر ہو کر

یہاں تک جذب کر لوں کاش تیرے حسنِ کامل کو — تجھی کو سب پکار اٹھیں گزر جاؤں جدھر ہو کر

اب اُس رحمت کے آگے حشر میں کیا ہاتھ پھیلاؤں — رہی البتہ جو مجھ سے مرا دامانِ تر ہو کر

معاذ اللہ، اُن کا کیف و حدانی معاذ اللہ — اثر کا منہ چڑھاتی ہیں جو آہیں بے اثر ہو کر

پڑا رہ، سبزۂ بیگانہ پر تو بصورتِ شبنم — شعاعِ حسن اُڑا لیجائیگی، خود بال و پر ہو کر

کہاں جاتی ہے مل کر او نگاہِ ناز بے پروا — مرے پہلو میں رہ جا لذتِ دردِ جگر ہو کر

لطافت مانعِ نظارہ صورت سہی لیکن — دھڑکنا دل کا کہتا ہے وہ گزرے ہیں ادھر ہو کر

حریمِ حسنِ معنی ہے جگر کاشانۂ اصغر[1]
جو بیٹھو باادب ہو کر تو اٹھو باخبر ہو کر

(لاہور)

---

(۱) حضرت اصغر گونڈوی نور اللہ مرقدہ ۱۲ جگر

(ف)

اللہ اللہ، اثر انگیزیٔ جذبِ غمِ کیف
ٹپکا پڑتا ہے نگاہوں سے مری عالمِ کیف

اُس نے ساغر کو اچھالا تھا کسی دن دمِ کیف
بن گیا عالمِ ہستی، ہمہ تن عالمِ کیف

کھل گیا آج، مجھے دیکھ کے بیخودیٔ دمِ کیف
زاہدِ خشک کو سمجھا تھا میں نامحرمِ کیف

دیکھو! کہتے ہیں اسے حاصلِ کیف و غمِ کیف
رقص کرتا ہے نگاہوں پہ مری عالمِ کیف

میں نہ کہتا تھا کہ بے سود ہے اب شانِ حجاب
پھر وہی تو ہے، وہی ہیں مستیٔ عالمِ کیف

گوشۂ دل میں بھی خاک اڑتی ہے آنکھیں بھی ہیں خشک
دیکھیے، آج برستی ہے کدھر شبنمِ کیف

دیکھا تھا مجھے جب میں ہی تھا از خود رفتہ
اب جو دیکھی بھی تو کیا انجمن برہمِ کیف

جذب ہو کر ترے جلووں میں عجب حسن بنا
چھا رہا تھا نگہِ شوق پہ جو عالمِ کیف

سب ہیں اک بادۂ بے کیف کے پینے والے
محرمِ کیف ہو کوئی کہ ہو نامحرمِ کیف

ہر نفس جس کا ہوا اک جلوۂ نو سے ملحق
پوچھ، اُس مست سے اندازۂ نشۂ دمِ کیف

کب اسے وسعتِ کونین بھی کافی ہوتی!
تو نہ بنتی اگر اے جانِ حزیں محرمِ کیف

دیکھتے دیکھتے، یوں عشق نے کروٹ بدلی انتہا کیف کی خود بن گئی وجہ رمِ کیف

ہمہ ایں دامِ قیود و ہمہ ایں نقشِ وجود حلقۂ بست نہ صد سلسلۂ برہمِ کیف

ایک دن منظرِ فطرت ہی بدل دے نہ کہیں
یہ تری مست نگاہی، یہ مرا عالمِ کیف

(مین پوری)

(ق)

مجھ سے سنو، مآلِ غمِ انتہائے عشق — میں سازِ عشق ہوں مری نظریں صدائے عشق

اللہ ری، یہ شانِ فنا و بقائے عشق — اب حسن، آپ جلوہ نما ہی بجائے عشق

وہ جانتا ہی اُس کو جو ہی آشنائے عشق — ہر ذرّہ ہی مقام پر اپنے، خدائے عشق

اب کوئی سن سکے، تو سُنے ماجرائے عشق — اک اک نظر ہی مطربِ آفت نوائے عشق

دنیائے آب و گل کی ہوا گرم ہو چلی

کھلنے نہ پائے تھے ابھی بندِ قبائے عشق

(مین پوری)

(ن)

نالہ پابندِ نفس، اے دلِ ناشاد نہیں — یہ تو فریاد کی توہین ہے فریاد نہیں

اب یہ کیا بات کہ آباد نہیں شاد نہیں — دل گزرگاہ تری ہے تجھے کیا یاد نہیں؟

عشق، محرومِ اثر، او ستم ایجاد نہیں — ہے یہ تیری ہی صدا، درد کی فریاد نہیں

آنکھ کہہ دے جسے وہ عشق کی روداد نہیں — دل سے آجائے جو لب تک مری فریاد نہیں

تجھ سے اے دوست! کوئی شکوۂ بیداد نہیں — دل ستم ساز ہے خود تو ستم ایجاد نہیں

نقش بنکر اسے رہنا ہے سنو یا نہ سنو — میری آواز ہے، یہ درد کی فریاد نہیں

دور ہے منزلِ عرفانِ خودی اور یہاں — بیخودی کا ہے یہ عالم، کہ خدا یاد نہیں

غم سلامت ہے، تو کر لے گا بہت دل پیدا — سچ کہا آپ نے "ہستی تری برباد نہیں"

ہم وہ مدہوشِ ازل ہیں، کہ الٰہی توبہ — دل ہے کیا کہہ کے چلے تھے ہمیں کچھ یاد نہیں

میری ہستی ہے، مری عرضِ تمنا اے دوست — خود میں فریاد ہوں میری کوئی فریاد نہیں

موت ہے ذوقِ طلب کیلئے عرفانِ حصول — سعی برباد ہے، جو سعی کہ برباد نہیں

مستیِ غم کا ہے ادراک جسے کہتے ہیں درد — ہستیِ دل کا ہے احساس تری یاد نہیں

پھونک دے قیدِ تعین کو بھی اے برقِ جمال — دل ہے آزاد، نگاہیں ابھی آزاد نہیں

آنکھ غافل ہے، کہ ہے تشنۂ دیدار ہنوز — دل ہے آگاہ، کہ تو خود ہے تری یاد نہیں

تم نے کیوں انجمنِ ناز میں تیور بدلے؟ — دل دھڑکنے کی صدا ہے، کوئی فریاد نہیں

دیکھنا بیخودیِ عشق کا اعجاز جگر!

کہہ رہا ہوں وہ فسانہ، جو مجھے یاد نہیں

(مین پوری)

عشق کا پیغام مستیِ شوق کی روداد ہوں — زندگی جس سے برستی ہے، میں وہ فریاد ہوں

ہر نفس سرمایہ دارِ عشقِ کامل ہے مرا — مرحبا، درد ایسے کہ حسنِ دوست کی روداد ہوں

مائلِ فرزانگی ہے، اب مرا ذوقِ جنوں — آج کل میں محوِ تعمیرِ خراب آباد ہوں

عشق بے پروا مرا، کافی حقیقت ہے مری — کچھ سمجھ کر میں ہلاکِ حسنِ بے بنیاد ہوں

اور بھی مشقِ تمنا سے بڑھی ایذائے فکر — جس طرف اب دیکھتا ہوں میں ہی میں آباد ہوں

میری ہستی جستجو، میری حقیقت اختلاج — میں سراپا درد ہوں، میں مستقل فریاد ہوں

کچھ نہیں کھلتا جگر، رازِ طلسمِ کائنات — مجھ میں یہ آباد ہے، یا اس میں میں آباد ہوں

(لاہور، فیروز پور)

(و)

لیکے نکلا ہے مرا جوشِ لطافت مجھ کو — خوب پہچان لی آج ای مری صورت مجھ کو

منزلِ غم میں کہاں؟ وقفۂ راحت مجھ کو — ہر نفس تازہ ہے درپیش قیامت مجھ کو

گر پڑی روح، تعین کدۂ ہستی میں — کاش ہوتا ہی نہ احساسِ محبت مجھ کو

عشق نے خدمتِ دشوار وہ کی ہے تفویض — خود سے ملنے کی بھی ملتی نہیں فرصت مجھ کو

(علم کے جہل سے بہتر ہے کہیں جہل کا علم — میرے دل نے یہ دیا، درسِ بصیرت مجھ کو)

برسوں آوارہ پھرا بادِ صبا کے ہمراہ — دل نے جبتک نہ دکھا دی مری وسعت مجھ کو

قلزم آشامیٔ یک قطرۂ بیتاب تو دیکھ! — گم کیے دیتی ہے میری ہی محبت مجھ کو

رندِ میخوارہ ہوں میکدۂ ہستی میں — ہر خمِ موج ہے محرابِ عبادت مجھ کو

اُڑ چلا ہوں نگہِ یار سے شوخی لیکر — اب جو ممکن ہو تو روکے مری حیرت مجھ کو

لے لیا کام، جو لینا تھا غمِ ہستی نے — گرچہ ثابت نہ ہوئی میری ضرورت مجھ کو

گل ویرانہ کو کیا اہلِ ہوس سے مطلب — ننگ ہے میری پریشانیٔ نکہت مجھ کو

فردِ عصیاں کو مری اے عرقِ شرم نہ دھو   اس سے ہوتا ہی کچھ اندازۂ رحمت مجھ کو

یوں تو ہونے کو جگر! اور بھی ہیں اہلِ کمال
خاص ہی حضرت اصغر[1] سے ارادت مجھ کو   (غالباً مین پوری)

اے وہ! کہ تجھ سے تازہ گلستانِ آرزو   بھر دے گُلِ مراد سے دامانِ آرزو

اللہ رے فیض جلوۂ تابانِ آرزو   صبحِ ازل ہے، شامِ غریبانِ آرزو

نکلی تڑپ کے آنکھوں سے اک موجِ بیقرار   اب آرزو کہو اسے یا جانِ آرزو

قطرے تمام خونِ شہیداں کے بن گئے   نقش و نگارِ پردۂ ایوانِ آرزو

جنبش میں ہیں تمام حروفِ خطِ نیاز   اللہ رے فیضِ شوخیِ عنوانِ آرزو[2]

سب کچھ ہوا، مگر نہ کھلا آجتک یہ راز   تم جانِ آرزو ہو؟ کہ ہم جانِ آرزو

ہاں اس طرف بھی اک نگہِ نیشتر نواز
کب سے تڑپ رہی ہے رگِ جانِ آرزو   (مین پوری)

---

(۱) حضرت اصغر گونڈوی نوّر اللہ مرقدہٗ ۱۲

(۲) صرف لفظی حسن ہے جسے میں بالطبع پسند نہیں کرتا ۔۱۲ جگر

(۵)

اندازۂ ساقی تھا کس درجہ حکیمانہ ساغر سے اٹھیں موجیں بن کر خطِ پیمانہ

انجام سے بے پروا، آغاز سے بیگانہ پروانے کی دنیا ہے، بیتابیِ پروانہ

شیشے سے نہ رکھ مطلب اے ساقیِ میخانہ! ان مست نگاہوں سے بھر دے مرا پیمانہ

آ جائے اگر اپنی ضد پر، کوئی دیوانہ خود گرد پھرے آکر، کعبہ ہو کہ بتخانہ

ادراک ہے ہستی کا، احساس ہے مستی کا ہاں اے نگہِ ساقی! اک اور بھی پیمانہ

ٹکرا دیا شیشوں کو، لڑوا دیا رندوں کو
نچلی نہ کبھی بیٹھی، وہ نرگسِ مستانہ

(ی)

بے نقاب آج تو یوں جلوۂ جاناں ہو جائے
جو جہاں پر ہو وہیں بیخود و حیراں ہو جائے

واقفِ سرِ حقیقت اگر انساں ہو جائے
غم سے نزدیک ہو راحت سے گریزاں ہو جائے

اس کی اک موجِ تبسم جو نمایاں ہو جائے
دل کا ہر ذرہ بے کیف خمستاں ہو جائے

اک ذرے کا اگر حسن نمایاں ہو جائے
آدمی شدتِ انوار سے حیراں ہو جائے

حسن خود ہو نگراں عشق جو حیراں ہو جائے
جان خود جسم بنے جسم اگر جاں ہو جائے

کفر ہی کا اگر انساں کو عرفاں ہو جائے
جس جگہ ٹیک دے سر کعبۂ ایماں ہو جائے

تم سنا دو کسی پردے سے جو اپنی آواز
روحِ خوابیدہ ابھی جسم میں رقصاں ہو جائے

دل ہے گنجینۂ اسرار، نگاہیں محدود
کاش اس کل کا ہر اک جزو پریشاں ہو جائے

مستیِ عشق کا افسانہ اگر چھیڑ دوں میں
کفر کی شرح میں گم، شیخ کا ایماں ہو جائے

عرش تک ہو نہیں سکتی جو رسائی بھی ہو
یہی انساں کی ہے معراج کہ انساں ہو جائے

اس سے بڑھ کر کوئی دلسوز بھی دنیا میں نہیں
نفس چالاک اگر تابعِ فرماں ہو جائے

یوں بڑھے پائے طلب حسن قدم کی جانب ایک ہی جست میں طی عالم امکاں ہو جائے
عام ہی بیعت ساقی در میخانہ ہی باز آج ہونا ہو جسے آ کے مسلماں ہو جائے
اللہ اللہ یہ عرفان جنوں کی تاثیر آج جس خار سے کہہ دوں وہ گلستاں ہو جائے

خام سمجھو طلب و شوق کا اعجاز جگر!
ہر نفس عشق میں جب تک رگ جاں ہو جائے (کانپور مشاعرہ میں پڑی)

دل کو کسی کا تابع فرماں بنائیے مسلسل دشواری حیات کو آساں بنائیے
درماں کو درد، درد کو درماں بنائیے جس طرح چاہیے مجھے حیراں بنائیے
پھر دل کو محو جلوۂ جاناں بنائیے پھر شام غم کو صبح درخشاں بنائیے
پھر کیجیے اسی رخ تاباں سے کسب نور پھر داغ دل کو شمع شبستاں بنائیے
پھر لکھیے خط شوق میں بیتابی فراق پھر خون دل کو زینت عنواں بنائیے
پھر پیکر حیات میں بھرئیے فنا کا رنگ پھر جان و دل کو شعلہ بداماں بنائیے
منشا جسن دوست ہی نکلیں نہ حسرتیں سینہ تمام گنج شہیداں بنائیے
آباد اگر نہ دل ہو، تو برباد کیجیے گلشن نہ بن سکے، تو بیاباں بنائیے

ایک اک لہو کی بوند میں بھر لیجیے دردِ عشق — جتنی رگیں ہیں سب کو رگِ جاں بنائیے

دل کو اُسی نگاہ کے کر دیجیے سپرد — گلشن بنائیے، نہ بیاباں بنائیے

اُنکی طرف سے دل پہ جو پڑ جائیں مشکلیں — اپنی طرف سے اُن کو نہ آساں بنائیے

برقِ جمالِ یار، یہ کہتی ہے، اے جگر!

کون اہلِ ہوش ہے جسے حیراں بنائیے (اعظم گڑھ)

خود اپنے عکس کو اپنے مقابل دیکھنے والے! — ذرا آنکھیں تو کھول، اے نقشِ باطل دیکھنے والے!

حقیقت کو حقیقت کے مقابل دیکھنے والے! — مجھے بھی دیکھ، میری ہستیِ دل دیکھنے والے!

یہ محفل ہی یہاں ہے رنگِ محفل دیکھنے والے! — ارے بیگانہ بن کر جانبِ دل دیکھنے والے!

نقوشِ پرتوِ رنگینیِ دل دیکھنے والے! — کبھی خود کو بھی دیکھ، اے خود سے غافل دیکھنے والے!

ترے جلووں کو دیکھیں اور مرنے کی طرف دیکھیں — کہاں ہیں اتصالِ موج و ساحل دیکھنے والے

ترے کوچے میں آ کر فخر سمجھے ہیں اسیری کو — زمیں سے آسماں تک وسعتِ دل دیکھنے والے!

دیکھیں آنکھ اُٹھا کر بھی جمالِ شاہدِ مقصد — غمِ بے حاصلی کا حسنِ حاصل دیکھنے والے!

تری صورت کا مظہر ہے، ترا ہر پرتوِ رنگیں — تجھی کو دیکھتے ہیں تیری محفل دیکھنے والے!

شہادت انتقامِ عشق کی صورت بدلتی ہے — سنبھلنا ہاں سنبھلنا رقصِ بسمل دیکھنے والے!

مری ہستی کا ہر ذرہ اڑا جاتا ہے منزل سے — مرا منہ دیکھتے ہیں جذبِ منزل دیکھنے والے!

زمین و آسماں کیا ہیں؟ مکان و لامکاں کیا ہیں؟ — سما جا تو بھی او گنجائشِ دل دیکھنے والے!

انھیں تہہ کی خبر کیا؟ گوہرِ مقصد کو کیا جانیں؟ — یہ سب ہیں رقصِ موج و شکرِ ساحل دیکھنے والے!

شہیدانِ محبت سے لڑا آنکھیں نہ اے ناصح! — یہی وہ ہیں جنھیں کہتے ہیں قاتل دیکھنے والے!

ادھر آ، ہر قدم پر حسنِ منزل تجھکو دکھلادوں — فلک کو پاس سے منزل بہ منزل دیکھنے والے!

مری آتش نوائی کا بھی کچھ اندازہ فرمائیں — اسی محفل میں ہوں گے نبضِ محفل دیکھنے والے!

انھی میں کھینچ کر روحِ محبت میں نے بھر دی ہے — مرے اشعار دیکھیں گے مرا دل دیکھنے والے!

مجھے آغوشِ طوفاں ہی جگر آغوشِ مادر ہے

(فیض آباد) — وہ کوئی اور ہوں گے امنِ ساحل دیکھنے والے! — (مشاعرہ الہ آباد)

اِک حسن کا دریا ہے، اِک نور کا طوفاں ہے — اس پیکرِ خاکی میں! یہ کون خراماں ہے؟

اِک سازِ محبت ہی کل عالمِ امکاں ہے — تو چھیڑ تو دے ظالم! ہر تار رگِ جاں ہے؟

عہ مصرع طرح مشاعرہ مسلم ہوسٹل الہ آباد یونیورسٹی ۱۲ جگر

پھر عشقِ جنوں پیشہ، یوں سلسلہ جنباں ہے — راہیں بھی گریزاں ہیں منزل بھی گریزاں ہے

تو رازِ محبت کو سمجھا ہی نہیں ورنہ — پابندیِ انساں ہی آزادیِ انساں ہے

تجھ کو مرے عصیاں سے کیا خاک ڈرائے گا — زاہد، وہی زاہد جو رحمت سے گریزاں ہے

صدقے ترے ہونٹوں کے رنگینی و رعنائی — اک موجِ تبسم میں کل رازِ گلستاں ہے

اِک شاہدِ بیتابی، اک پیکرِ محبوبی — ہر درد میں شامل ہے، ہر سانس میں پنہاں ہے

عالم کا تلوّن کیا، ہستی کا تعیّن کیا! — تو خود جو خراماں ہے، سایہ بھی خراماں ہے

بیہوشی و ہشیاری، مجبوری و آزادی — جو کچھ ہے محبت میں احسان ہی احساں ہے

اللہ تجھے رکھے محفوظ حوادث سے — اے کفر! ترے دم تک آرائشِ ایماں ہے

یہ تربتِ عاشق ہے، ٹھکرا کے نہ چل غافل!

اس خاک کا ہر ذرّہ خورشید بداماں ہے — (کانپور)

فطرت نے محبت کی، اس طرح بنا ڈالی — جو قید نظر آئی، اک بار اٹھا ڈالی

ہر ذرّے کے پیکر میں اک روحِ وفا ڈالی — اپنی ہی سی کل دنیا عاشق نے بنا ڈالی

اس جلوۂ رنگیں کی دیکھے تو کوئی شوخی! — (بتخانے کے پردے میں کعبے کی بنا ڈالی)

بر بادِ ستم ہو کر، پامال کرم بن کر — میں نے بھی نقاب اپنے چہرے سے اُٹھا ڈالی

ہستی جسے کہتے ہیں اک سادہ حقیقت تھی

رنگین نگاہوں نے رنگین بنا ڈالی (اٹاوہ)

عشق میں مقصودِ اصلی کو مقدم کیجئے — شرح و تفصیلات پر یعنی نظر کم کیجئے

ہر طرف بے فائدہ کیوں سعیِ پیہم کیجئے — تشنگی سے اپنی پیدا بحرِ اعظم کیجئے

عشق کی عظمت نہ ہرگز جیتے جی کم کیجئے — جان دیدیجئے مگر آنکھیں نہ پُرنم کیجئے

اپنی ہستی پر نہ طاری کیجئے کوئی اثر — دور سے نظارۂ حُسنِ دو عالم کیجئے

آنسوؤں میں کھینچ لیجئے جلوۂ حسنِ ازل — پھر ہویدا کیجئے اور غرقِ شبنم کیجئے

بیخودی میں چھیڑ دیجئے نغمہ ہائے سازِ دل

پھر اٹھی موجوں پہ خود ہی، رقصِ پیہم کیجئے (داناؤ مشاعرہ کانپور)

احساسِ عاشقی سے بیگانہ کر دیا ہے — یوں بھی کسی نے اکثر، دیوانہ کر دیا ہے

اب کیا امید رکھوں اے حسنِ یار تجھ سے — تو نے تو مسکرا کر، دیوانہ کر دیا ہے

تجھ سی خدا ہی سمجھے، تو نے کسی کو اے دل! — مجھ سے بھی کچھ زیادہ دیوانہ کر دیا ہے

پھر اُس کے دیکھنے کو آنکھیں ترس رہی ہیں ۔۔۔ یادش بخیر جس نے دیوانہ کر دیا ہی

مجھ کو جنوں سی اپنے شکوہ جو ہی تو یہ ہی ۔۔۔ میری محبتوں کو افسانہ کر دیا ہی

اے حُسنِ روز افزوں! عمرت دراز بادا ۔۔۔ دونوں جہاں سی مجھ کو بیگانہ کر دیا ہی

جب دل میں آگیا ہی، اک جنبشِ نظر نے ۔۔۔ دیوانہ کہہ دیا ہے، دیوانہ کر دیا ہی

مجھ سے ہی پوچھتے ہیں، یہ شوخیاں تو دیکھو
میرے جگر کو کس نے دیوانہ کر دیا ہی؟ (مراد آباد)

ہم سے رندِ دل کا زمانے سی جدا میخانہ ہے ۔۔۔ آسماں خم ہی، فضائے آسماں پیمانہ ہی

اک نمودِ مضطرب، اک جوشِ بیتابانہ ہے ۔۔۔ عشق دیوانہ سہی، کیا حُسن بھی دیوانہ ہی؟

حیرت آبادِ فنا بھی، کیا تجلی خانہ ہی ۔۔۔ ہر تصور شمعِ محفل، ہر نگہ پروانہ ہی

اللہ اللہ بیخودیِ شوق کی صورت گری ۔۔۔ ہر قدم پر اس طرف کعبہ، ادھر بتخانہ ہی

کھینچ کر اک آہ کس نے رکھ دیا جامِ شراب ۔۔۔ دیدنی آج اضطرابِ ساقی و پیمانہ ہی

ہوشیار اے جان و دل سی چھیننے والے ہوشیار ۔۔۔ آج چشمِ شوق کا انداز بیباکانہ ہی

اُسکے دل سی پوچھیے! رازِ جلوہ بیرنگِ حُسن ۔۔۔ کعبہ بھی جس کی نظر میں صورتِ بتخانہ ہی

فیضِ ساقی نے مجھے لبریزِ مستی کر دیا — ہر نظر جام و سبو ہے، ہر نفس میخانہ ہے

اس تبسم کے تصدق اس تجاہل کے نثار — خود مجھی سے پوچھتے ہیں "کون یہ دیوانہ ہے؟"

یہ بہار آئی ہوئی، ایسی گھٹا چھائی ہوئی — سجدے کرتا ہے زاہد کیا کوئی دیوانہ ہے؟

میں بزمِ ازل اک ساقیِ بے نام کا — (شش جہت میری نظر میں ٹوٹا سا اک پیمانہ ہے)

کوئی قیدِ ہوشیاری ہے نہ شرطِ بیخودی — تم سمجھ لو جس کو دیوانہ وہی دیوانہ ہے

جس کا جتنا ظرف ہے اُس سے سوا ملتا نہیں — جلوۂ ساقی بقدرِ ہمتِ مردانہ ہے

ہر قدم پر ناصحِ مشفق کی دلسوزی نہ پوچھ — آدمی اچھا ہے لیکن اک ذرا دیوانہ ہے

پی کے اک جامِ شرابِ شوق آنکھیں کھل گئیں — دیکھتا ہوں جس طرف میخانہ ہی میخانہ ہے

عشقِ وحدت آشنا و شوقِ صورت آفریں — اک نظر اپنی ہے کعبہ اک نظر بتخانہ ہے

آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ فرمائیے

(مراد آباد — سب یہ کہتے ہیں جگر دیوانہ ہے دیوانہ ہے — مشاعرہ اٹاوہ)

ہر گھڑی بیتاب نظر، اک تازہ طوفاں چاہیے — حشر کیا شے ہے؟ مذاقِ حشر ساماں چاہیے

ذوق برہم چاہیے، شوق گریزاں چاہیے — مجھ کو اب تیرے سوا سب کچھ پریشاں چاہیے

یہ کرم بھی، اے نگاہِ فتنہ ساماں چاہیے — دل کی خاطر، ایک دل سا دشمنِ جاں چاہیے

اِک جمالِ نو بنو، طوفان بہ طوفاں چاہیے — اب بجائے ہر نگہ تصویرِ جاناں چاہیے

عشق بے قیدِ تصور، شوق بے قیدِ نظر — مجھ کو جو کچھ چاہیے، بے حد و پایاں چاہیے

لذتِ باقی کو اے ذوقِ فنا یہ بھی دے — کچھ تو بہرِ امتیازِ جان و جاناں چاہیے

ایک دو جلوؤں میں بجھتی ہی کہیں رندوں کی پیاس — ہر نگاہِ مستِ ساقی، ساغرستاں چاہیے

عفو کیا؟ جلوۂ رحمت بھی نکلیگا نہیں — ذوقِ عصیاں چاہیے، عرفانِ عصیاں چاہیے

آرزو و شوق تو ہیں، انجمن در انجمن — اب ترا جلوہ گلستاں در گلستاں چاہیے

حسن کی کافر نگاہیں عشق کا معصوم دل — اب تجھے کیا، اے حیاتِ فتنہ ساماں چاہیے

سیر گاہِ عشق میں کانٹے ہی کانٹے ہوں تو ہوں — دیکھنے والی نظر گلشن بداماں چاہیے

آرزوئے دل سلامت، درد پیہم برقرار — آنکھ لگ ہی جائیگی، گہوارہ جنباں چاہیے

منتشر کر دے فضائے حسن میں ذراتِ دل — عشق کی تصویر کا ہر رخ نمایاں چاہیے

حسن بیتابِ تجلی خود ہی لیکن، اے جگر!

ایک ہلکا سا حجابِ چشمِ حیراں چاہیے — (مین پوری)

یہ جذبِ شہادت کا حاصل نظر آتا ہے / جو پردہ اُٹھاتا ہوں قاتل نظر آتا ہے

عالم ہے مجھے نادیدہ بسمل نظر آتا ہے / بسمل ہی وہی جس کو قاتل نظر آتا ہے

تصدیقِ حقیقت بھی محتاجِ حقیقت ہے، / باطل ہی نظر جب تک، باطل نظر آتا ہے

اُس جانِ تمنا کا کس طرح پتا پوچھیں؟ / ہم خود ہی نہیں رہتے جب دل نظر آتا ہے

اب اُس رُخِ رنگیں کے جلوؤں کو تو کیا کہیے / اپنا بھی نظر آنا مشکل نظر آتا ہے

ہر سمت سے مقتل میں کیوں ٹوٹ پڑیں نظریں؟ / کیا صورتِ بسمل میں، قاتل نظر آتا ہے

ہستی کے عدم پر بھی شک ہی ترے مستوں کو / تصویر کا یہ رُخ بھی باطل نظر آتا ہے

پروردۂ طوفاں کو، کشتی کی نہیں حاجت

موجوں کے تلاطم میں ساحل نظر آتا ہی (مین پوری)

فکرِ منزل ہی، نہ ہوش جادۂ منزل مجھے / جا رہا ہوں جس طرف لیجا رہا ہی دل مجھے

اب زباں بھی دے ادائے شکر کے قابل مجھے / درد بخشا ہی اگر تو نے بجائے دل مجھے

یوں تڑپ کر دل نے تڑپایا سرِ محفل مجھے / اُس کو قاتل کہنے والے کہہ اُٹھے قاتل مجھے

اب کدھر جاؤں؟ بتا، اے جذبۂ کامل مجھے / ہر طرف سے آج آتی ہی صدائے دل مجھے

رک سکتی ہو تو بڑھ کر روک لے منزل مجھے
لے اڑی ہے ایک موجِ بیقرارِ دل مجھے

جانِ دیگر حشر تک ہیں میری تنہائیاں
ہاں مبارک فرصتِ نظّارۂ قاتل مجھے

ہر اشارے پر ہے پھر بھی گردنِ تسلیم خم
جانتا ہوں صاف دھوکے دے رہا ہے دل مجھے

جا بھی اے ناصح! کہاں کا سود اور کیسا زیاں
عشق نے سمجھا دیا ہے عشق کا حاصل مجھے

میں ازل سے صبحِ محشر تک فروزاں ہی رہا
حسن سمجھا تھا چراغِ کشتۂ محفل مجھے

خونِ دل رگ رگ میں جم کر رہ گیا اس سہم سے
بڑھ کے سینے سے نہ لپٹا لے مرا قاتل مجھے

کیا قطرہ؟ کیسا دریا؟ کس کا طوفاں؟ کس کی موج؟
تو جو چاہے تو ڈبو دے خشکیِ ساحل مجھے

پھونک دے اے غیرتِ سوزِ محبت پھونک کر
اب سمجھتی ہیں وہ نظریں رحم کے قابل مجھے

توڑ کر بیٹھا ہوں راہِ شوق میں پائے طلب
دیکھنا ہے جذبۂ بے تابیِ منزل مجھے

اے ہجومِ ناامیدی! شاد باش و زندہ باش
تو نے سب سے کر دیا بیگانہ و غافل مجھے

دردِ محرومی سہی، احساسِ ناکامی سہی
اس نے سمجھا تو بہر صورت کسی قابل مجھے

یہ بھی کیا منظر ہے بڑھتے ہیں نہ ہٹتے ہیں قدم
تک رہا ہوں دور سے منزل کو میں منزل مجھے

(دمین پوری)

اک مئے بے نام جو اس دل کے پیمانے میں ہے
وہ کسی شیشے میں ہے، ساقی نہ میخانے میں ہے

پوچھنا کیا ہے کتنی وسعت میرے پیمانے میں ہے
سب الٹ دے ساقیا! جتنی بھی میخانے میں ہے

یوں تو ساقی! ہر طرح کی تیرے میخانے میں ہے
وہ بھی تھوڑی سی جو ان آنکھوں کے پیمانے میں ہے

ایک ایسا راز بھی دل کے نہاں خانے میں ہے
لطف جس کا کچھ سمجھنے میں، نہ سمجھانے میں ہے

یاد ایامے کہ جب تھا ہر نفس اک زندگی
زندگی اب ہر نفس کے ساتھ مر جانے میں ہے

ایک کیفِ ناتمام درد کی لذت ہی کیا
درد کی لذت سراپا درد بن جانے میں ہے

غرق کر دے تجھ کو زاہد تیری دنیا کو خراب
کم سے کم اتنی تو ہر میکش کے پیمانے میں ہے

پھر نقاب اس نے الٹ کر روح تازہ پھونک دی
اب نہ کعبے میں ہے سناٹا، نہ بتخانے میں ہے

منتشر کر دے اسے بھی حسن بے پایاں کیا تھ
زندگی شیرازۂ دل کے بکھر جانے میں ہے

پی بھی جا زاہد! خدا کا نام لیکر پی بھی جا!!
بادۂ کوثر کی بھی اک موج پیمانے میں ہے

شیشہ مست و بادہ مست و حسن مست و عشق مست
آج پینے کا مزا پی کر بہک جانے میں ہے

بے تحاشا پی رہے ہیں کب سے رندانِ الست
آج بھی اتنی ہی مے ہر دل کے پیمانے میں ہے

حسن کی اک اک ادا پر جان و دل صدقے مگر
لطف کچھ دامن بچا کر ہی گزر جانے میں ہے

(رعنا لبیا فیض آباد)

عشق نے توڑی سر پہ قیامت، زورِ قیامت، کیا کہئے؟
سُننے والا کوئی نہیں، رودادِ محبت کیا کہئے؟
دل ہے کسی کا رازِ حقیقت، رازِ حقیقت کیا کہئے؟
حیرتِ جلوہ مُہر بہ لب ہے، جلوۂ حیرت کیا کہئے؟
جب سے اُس نے پھیر لیں نظریں، رنگِ تباہی آہ نہ پوچھ؟
سینہ خالی، آنکھیں ویراں، دل کی حالت کیسا کہئے؟
ایک تجلی، ایک تبسم، ایک نگاہِ بندہ نواز
اس سے زیادہ اے غمِ جاناں دل کی قیمت کیا کہئے؟
(شیشۂ دل، وہ ہستی نازک، ٹھیس لگی اور ٹوٹ گیا)
اُس پہ کسی کے تیرِ ستم کی مشقِ سیاست کیا کہئے

(مین پوری)

ذرّہ ذرّہ، دیدۂ دل ہے، گوشہ گوشہ بستی ہے
عشق ہی جب تک سلسلہ جنباں، دل کی ہستی ہستی ہے

جینے تک ہیں، ہوش کے جلوے، آگے ہوش کی مستی ہے
موت سے ڈرنا، کیا معنی؟ موت بھی جزوِ ہستی ہے

معنیِ صورت، صورتِ معنی، فکر و نظر کے دھوکے ہیں
فکر و نظر تک رہ جانا، فکر و نظر کی پستی ہے

چشمکِ حسن و عشق مبارک، دیدہ و دل ہیں خرم و شاد
حشر تک اب یہ بحث سلامت کس کی کہاں تک ہستی ہے (مین پوری)

نالۂ بے قرار، کون کرے؟ حسن کو شرمسار، کون کرے؟

ہوش کی مستیاں، ارے توبہ ہوش کو ہوشیار، کون کرے؟

عشق ہے اعتماد کے قابل حسن کا اعتبار، کون کرے؟

ہمیں بتلائیں کیوں نہ صورتِ یار؟ دل کو پابندِ یار، کون کرے؟

جان و دل پر نہیں رہا قابو جان و دل اب نثار کون کرے؟

سوئے صحرا نکل چلے وحشی
انتظارِ بہار، کون کرے؟ (مین پوری)

لازم ہے کچھ تو، خاطرِ دلدار کے لئے — دنیا سمیٹ لوں، نگہِ یار کے لئے

بیہوش کے لئے ہیں نہ ہشیار کے لئے — جلوے ہیں خاص چشمِ گہربار کے لئے

ہم سے نہ پوچھ! شورشِ درماندگی کا راز — جیتے ہیں اک نگاہِ طرفدار کے لئے

اُن کی حریمِ خاص میں جلووں کا ذکر کیا! — وہ خود ہیں اپنے طالبِ دیدار کے لئے

دل تک خیالِ غیر بھی لانا، روا نہیں — مخصوص ہے یہ جامِ لبِ یار کے لئے

آساں نہیں، معاملۂ جلوہ و نظر

چشمِ کلیم چاہئے دیدار کے لئے (مظفر نگر)

جو جہنم میں بھی فردوس بداماں ہوں گے — دیکھ لینا! وہ ہمیں سوختہ ساماں ہوں گے

ایک در پردہ کشاکش سی پریشاں ہوں گے — خود کو جتنا وہ چھپائیں گے نمایاں ہوں گے

نہیں معلوم وہ کس وضع کے انساں ہوں گے — جن پہ تیرے ستمِ خاص کے احساں ہوں گے

وہ جدھر جانے سے بے پردہ خراماں ہوں گے — ذرّے سب جام بکف مست و غزلخواں ہوں گے

جمع سب حسن کے اجزائے پریشاں ہوں گے — ہم تو ہم بت بھی کسی روز مسلماں ہوں گے

میری حیرت کی قسم آپ اٹھائیں تو نقاب — میرا ذمہ ہے کہ جلوے نہ پریشاں ہوں گے

میں چھپاتا، تیرے اسرارِ محبت، ظالم! — کیا خبر تھی مری رگ رگ سے نمایاں ہوں گے

حسن تک دیکھ لیں سب حسن کی جلوؤں کی بہار — مجھ تک آئے تو مرا حال پریشاں ہوں گے

نغمۂ بربطِ غم، کیف اثر، شورشِ جاں — انھیں پردوں سے کسی دن وہ نمایاں ہوں گے

لطفِ آزادیِ زندانِ بلا، کیا کہیے؟ — اب جو چھوٹے، تو اسیرِ غمِ زنداں ہوں گے

تجھ کو گلشن کی قسم! چھیڑ نہ اے بادِ سحر! — کھل گئیں غنچوں کی آنکھیں تو پریشاں ہوں گے

حسن بے قید سہی، عشق بھی محدود نہیں — مجھ کو پائینگے جہاں تک وہ نمایاں ہوں گے

شعلہ سامانیِ غم پر نہ کرو ناز جگر!

تم سے کتنے ہی جگر شعلہ بداماں ہوں گے

(مین پوری — مشاعرہ الہ آباد)

کوئی نہ گھر ہے اپنا، کوئی نہ آستاں ہے — ہر شاخ ہی نشیمن، ہر پھول آشیاں ہے

تو سامنے ہی، پھر بھی، بتلا کہ تو کہاں ہے؟ — کس طرح تجھ کو دیکھوں، نظارہ درمیاں ہے

میں اپنی اس نظر کی رعنائیوں کے صدقے — جو شکل ہی حسیں ہے، دوشیزہ ہی جواں ہے

میں عشق ہوں مکمل، میں شوق ہوں مسلسل — گویا تمام عالم، میری ہی داستاں ہے

سب نذرِ حسن کر کے بیٹھا ہے عشق رسوا — کوئی نہ راز ہی اب کوئی نہ رازداں ہے

میں کس کے سامنے اب اپنی جبیں جھکاؤں للہ   میری جبیں نہیں ہے، تیرا ہی آستاں ہے

رنگین ہیں فضائیں جاری ہیں اشک خونیں

افسانہ حسن کا ہے اور عشق کی زباں ہے

(کانپور)

پارہائے جگر

زبانِ شوق سے شکرِ وصال ہو نہ سکا — وہ حال تھا کہ کچھ احساسِ حال ہو نہ سکا
نگاہِ شوق نے بدلے ہزار ہا منظر — مرے لئے کوئی شایانِ حال ہو نہ سکا

(مین پوری)

ستم کشوں نے نہ سمجھا کمالِ حیرت میں — چھپے ہوئے تھے وہ خود پردۂ محبت میں
اگر نہیں پسِ پردہ کوئی حقیقت میں — یہ کون بول رہا ہے طلسمِ صورت میں
جب آئے محفلِ وحدت سے بزمِ کثرت میں — نظر کا بن گئے پردہ نظر کی صورت میں

(مین پوری)

آنکھوں کے سامنے اب منزل رہی نہ راہیں — جلووں نے تیرے مل کر سب لوٹ لیں نگاہیں
سینے سے حسن نے خود لپٹا لیا تڑپ کر — فریادِ دل کے اُٹھیں آج اس طرح نگاہیں
اک بزمِ ناز میں چل زاہد تجھے دکھا دوں — مینا بدوش آنکھیں ساغر بکف نگاہیں

(مین پوری)

دوست الفت نہ کریں غیر عداوت کر لیا   میں کہیں کا نہ رہوں وہ جو عنایت نہ کریں

وقت آئے تو ہمیں جان بھی کر دینگے فدا   کیا یہ ممکن ہی ترے نام کی عزت نہ کریں

(گونڈہ)

یہ بھی گر اک جلوۂ جانانہ ہو   میری محرومی عجب افسانہ ہو

(مینپوری)

یہ حاصل سرمایۂ عرفاں طلبی ہے   یعنی ہوس دیدِ خدا اک بے ادبی ہے

بجھتی ہی نہیں اب کسی ساغر سے مری پیاس   شاید مرا مقصد ہی مری تشنہ لبی ہے

(غالباً گونڈہ)

حُسن میں جب تک کہ یہ شانِ خود آرائی نہ تھی

عشق میں مستی تھی لیکن جوئے رسوائی نہ تھی

یہ کس نے منتشر کر دیں جنوں سامانیاں میری

زمیں سے آسماں تک ایک میں ہوں یا فغاں میری

راس آئی مجھ کو حیرانی مری　　　اب وہ کرتے ہیں نگہبانی مری

ہو گیا سیراب باغ آرزو　　　اللہ اللہ شبنم افشانی مری

محیط عشق میں جو کچھ بھی تھا اک عالم دل تھا

اِسی ذرے میں دریا تھا اسی قطرے میں ساحل تھا

خوشا وہ دور جب آغاز دردِ عشق کامل تھا

مجھے محسوس ہوتا تھا کہ میں سرتا بہ پا دل تھا

تجلیاتِ جگر
یعنی
کلامِ دورِ دوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(الف)

دل کیا ہے؟ نقشِ حسنِ حقیقت طراز کا
آئینہ کیا ہے؟ عکس ہے آئینہ ساز کا

عالم نہ پوچھ، عشق کی شانِ نماز کا
کونین ایک ذرّہ ہے خاکِ نیاز کا

آخر، کھُلا یہ رازِ طلسمِ مجاز کا
اک شعبدہ تھا غفلتِ بیگانہ ساز کا

دھوکا، قدم قدم پہ تری بزمِ ناز کا
کیا سخت مرحلہ ہے طلسمِ مجاز کا

اللہ رے اثر، نگہِ مستِ ناز کا
ہر پردہ ارتعاش میں ہے دل کے ساز کا

چھایا یہ رنگ ہستیِ وحدت طراز کا
مفتی نے دیدیا مجھے فتویٰ جواز کا

عالم نہ پوچھ کشمکشِ ضبطِ راز کا
ہر سانس ہے پیامِ غمِ جاں گداز کا

کس لطف سے کٹیں شبِ غم کی مصیبتیں — ممنون ہوں محبتِ افسانہ ساز کا

تو محوِ بیخودی ہی رہا، ورنہ بیخبر! — پنہاں تھا نازِ حسن میں عالم نیاز کا

پیراہنِ جنوں سے تنِ عشق ڈھک لیا — یہ اک طریق خاص ہے اخفائے راز کا

ناگاہ، سامنے نظر آیا جمالِ دوست — میں شکوہ سنج تھا غمِ ہستی گداز کا

مجھ سے گناہ گار پہ یہ بارشِ کرم — مُنہ دیکھتا ہوں رحمتِ عاجز نواز کا

صوفی نے جس کو شاہدِ مطلق سمجھ لیا — اک پرتوِ لطیف تھا حُسنِ مجاز کا

تنہائیِ فراق میں کیوں گریہ کیجیے — اے دل! یہ وقت خاص ہے رازِ و نیاز کا

تصویرِ یار سامنے، سر میں ہوائے شوق — ایسے میں کس کو ہوش نشیب و فراز کا

مجھ کو وصال و ہجر سے کیا واسطہ جگر!
عاشق ہوں اک تبسمِ دیوانہ ساز کا (کانپوری)

فاش اہلِ بزم پر گُل رازِ نہاں کر دیا — آئینہ جبتک ہمیں نے سب کو حیراں کر دیا

حُسن کے جلووں کو رگ رگ میں خراماں کر دیا — دل کی اک جنبش نے کیا کارِ نمایاں کر دیا

جان و دل صدقے، تصدقِ دین و ایماں کر دیا — ہمنے جو کچھ تھا، نثارِ روئے جاناں کر دیا

ہائے یہ کیا قہر تو نے چشم گریاں کر دیا — اور بھی کچھ آتشِ دل کو فروزاں کر دیا

بن ہی تھیں میرے اُنکے درمیاں کیا کیا الجھنا — موت نے سب مشکلوں کو آخر آساں کر دیا

حسن نے تا شام ہنسکر جو بنایا تھا چمن — عشق نے تا صبح رو کر شبنمستاں کر دیا

زخمۂ حسنِ تبسم کی فسوں کاری نہ پوچھ — ہر نگاہِ شوق کو تارِ رگِ جاں کر دیا

لیچلا تھا سوئے صحرا کھینچ کر جوشِ جنوں — پاسِ ناموسِ وفا نے پا بزنداں کر دیا

اب اُسی دستِ جنوں پر آستیں ہی خندہ زن — دھجیوں کو بارہا جس نے گریباں کر دیا

عشق کی لذت جو دی تھی آہ تو نے عندلیب — اُس کو بھی صرفِ نوا ہائے پریشاں کر دیا

بیخودی حد سے زیادہ بڑھ چلی جب عشق میں — بیخودی کو پردہ دارِ رازِ پنہاں کر دیا

عشق نے دردِ زلیخا بھر دیا کونین میں — حسن نے ساری فضا کو یوسفستاں کر دیا

شمع جب فانوس میں تھی آنکھ تھی محوِ جمال — جب ہوئی عریاں نگاہوں کو پریشاں کر دیا

بتکدے کو وہ میسر ہے نہ کعبے کو نصیب

اُس نے جس جلوے کو وقفِ سینہ چاکاں کر دیا (غالباً گونڈہ)

زمین و آسماں ہونا مکان و لامکاں ہونا — غرض دل کو کسی صورت محیطِ دو جہاں ہونا

فنائے عشق کیا ہے؟ کارواں در کارواں ہونا
یہاں تک منتشر ہونا، کہ بے نام و نشاں ہونا

ترے جلووں میں گم ہو کر جہاں اندر جہاں ہونا
مبارک عمرِ رفتہ کو، حیاتِ جاوداں ہونا

نظر صیاد کی کیا؟ برق بھی ہو تو لرز اٹھے
ابھی آیا نہیں تنکوں کو جانِ آشیاں ہونا

تماشا دیدنی ہے، دیکھ لیں اہلِ نظر آ کر
مرے ہمراہ منزل کا بھی گردِ کارواں ہونا

لہو کا قطرہ قطرہ بن گیا تو شمعِ وحدت کی
بجا ہے، اب مرا، پروانۂ آتش بجاں ہونا

نہ ہے صورت، نہ ہے معنی، نہ ہے جلوہ، نہ ہے پردہ
بیک لحظہ بیک ساعت عیاں ہونا نہاں ہونا

کسی کے سامنے وہ میری عرضِ شوق کا عالم
ق
مرے ذراتِ ہستی کا مسلسل داستاں ہونا

کبھی دریائے بیتابی کا، سینے میں سمٹ آنا
کبھی اشک کے قطرے کا بحرِ بیکراں ہونا

سنا ہے، ہر طرف لٹتے ہیں جلوے حسنِ صورت کے
کبھی تم بھی جگر! آوارۂ کوئے بتاں ہونا

(کانپور)

جادو، قلمِ کاتبِ تقدیر میں کیا تھا
میں اوّل ساعت ہی سے، مائل بہ فنا تھا

میں اُس کی نظر، اور وہ مجھے دیکھ رہا تھا
اے حیرتِ خاموش! یہ منظر ابھی کیا تھا

جب تک حدِ ہستی کا تعیّن نہ ہوا تھا
نام اُس ستم ایجاد کا کیا جانیے کیا تھا

پہنچا ہوں اسی راہ سے تا منزلِ عرفاں
کہتے ہیں جسے ہوش، وہی ہوش رُبا تھا (کاتیور)

یہ فصلِ گل، سماں یہ شبِ ماہتاب کا
لا ساقیا! شراب! مزا ہی شراب کا

چھوڑا نہ راز کوئی جہانِ خراب کا
سب کہہ گیا میں خواب میں افسانہ خواب کا

بگڑا ہوا ہے رنگ جہانِ خراب کا
بھر لوں نظر میں حسن کسی کے شباب کا

اپنی نظر کی برق وشی کو بھی دیکھئے
مجھ سے ہی پوچھئے نہ مزاج اضطراب کا

نکلی تڑپ کے پردۂ خاکی سے روحِ پاک
(مشاعرہ بدایوں) ٹوٹا طلسم جلوۂ حسنِ حجاب کا (مین پوری)

آہ، یہ عالمِ کثرت تری رعنائی کا
ایک مرکز نہ رہا چشمِ تماشائی کا

کیا ٹھکانا ہے، اُس آوارہ و سودائی کا
حشر اک لمحہ ہے جس کی شبِ تنہائی کا

نور کہتے ہیں جسے، چشمِ تماشائی کا
غیر فانی ہے وہ پرتو تری رعنائی کا

عشق کیا چیز ہے؟ ایک حشر در آغوشِ خیال
حُسن کیا؟ خواب ہے اک چشمِ تماشائی کا

منحصر جلوت و خلوت پہ نہیں وصلِ حبیب
خاص اک وقت ہوا کرتا ہے یکتائی کا

رہ گئیں پردۂ ظاہر میں اُلجھ کر نظریں

حُسن دیکھا نہ کسی نے مری رسوائی کا (انا، شاعرہ الہ آباد)

نظر میں ہیچ ہے گلشن تمام دنیا کا — نہ پوچھ حوصلہ مرغانِ رشتہ برپا کا

اثر ہے جس میں کہ ہر موج کا زرہا کا — وہ ایک قطرہ ہی حاصل تمام دریا کا

نجات روح کو ملتی نہیں ہی نفس سے آہ — بنا ہوا ہے یہ مجنوں حجابِ لیلا کا

ہر ایک فقرے سے نکلے تڑپ کے برقِ جمال — بنے تو کوئی طلب گار حسنِ معنی کا

خدا ہی رحم کرے اسکی تشنہ کامی پہ — سراب پر جسے کامل یقین ہو دریا کا

رواں اگرچہ ہیں اسمیں بھی سب ہی موجیں

مگر ہے قطرے پہ فرضِ احترام دریا کا (غالبًا مین پوری)

وہ ہجر کے پردے میں جو وقت کہ واصل تھا — اس درجہ لطافت تھی احساس بھی مشکل تھا

کل دیکھ کے یہ منظر، قابو میں نہ پھر دل تھا — بیتاب تھیں خود موجیں لب تشنہ جو ساحل تھا

کیا سیر تھی میں جب تک آوارۂ ساحل تھا — دریا کی طرح غم تھا کشتی کی طرح دل تھا

حیراں ہوں کہ یہ آخر کیوں بیچ میں حائل تھا — میرا ترا رشتہ تو بے واسطۂ دل تھا

کل اتنی حقیقت تھی منصورِ انا الحق کی — ناچیز سا ایک قطرہ دریا کے مقابل تھا

کونین کا غم، دل نے سب لے لیا اپنے سر — آغاز کا دیوانہ انجام سے غافل تھا

جب غور کیا دم بھر سب نقش چمک اٹھے — جب آنکھ ذرا کھولی آئینہ مقابل تھا

دل کیلئے الفت کی قیدیں ہی سب بنا تھیں — دیوانہ، یہ ایسی ہی زنجیر کے قابل تھا

خود اپنی تجلی میں جب عشق تھا مستغرق — ہر ثابت و سیارہ مدہوش تھا غافل تھا

کیا دن تھے جگر! وہ دن جب صحبتِ اصغر[1] میں

مسرور طبیعت تھی مسرور مرا دل تھا (کانپور)

سینے سے دل اچھلتے ہی رفعت نشاں ہوا — یہ ذرہ جب بلند ہوا، آسماں ہوا

دل مبتلائے نالہ و آہ و فغاں ہوا — اے شانِ عشق! حسن ترا رائگاں ہوا

صیاد! دونوں گھر ہیں بس اک گل کے نام کے — تیرا قفس ہوا، کہ مرا آشیاں ہوا

غفلت کے ساتھ ساتھ ہی یہ قیدِ جسم بھی — پھر میں کہاں؟ اگر مجھے عرفاں حجاب ہوا

صحرائے جستجو سے نہ آگے بڑھے قدم — گم انکی وسعتوں میں ہر اک کارواں ہوا

(۱) حضرت مولانا اصغر گونڈوی نور اللہ مرقدہٗ ۱۲ جگر

صیاد سے چھپا نہ سکی، کوئی شاخ نخل ۔۔۔ پہنچی وہیں نگاہ، جہاں آشیاں ہوا

چھوٹا نہ رشتۂ طلب دست ناز سے ۔۔۔ میں خاک ہو کے گرد پس کارواں ہوا

تبدیلیٔ مقام سے بدلی فضائے عشق ۔۔۔ جو درد تھا کبھی، وہی آرام جاں ہوا

عالم تمام، میرا ثنا خواں ہوا جگر!

میں آپ اپنے شعر کا جب قدرداں ہوا ۔۔۔ (کانپور)

یہ مزا تھا، خلد میں بھی نہ مجھے قرار ہوتا ۔۔۔ جو وہاں بھی آنکھ کھلتی یہی انتظار ہوتا

میں جنون عشق میں یوں ہمہ تن نگار ہوتا ۔۔۔ کہ مرے لہو سے پیدا اثر بہار ہوتا

مرے رشک بے نہایت کو نہ پوچھ میرے دل سے ۔۔۔ تجھے تجھ سے بھی چھپاتا اگر اختیار ہوتا

مری بیقراریاں ہی تو ہیں اسکی وجہ تسکیں ۔۔۔ جو مجھے قرار ہوتا، تو وہ بیقرار ہوتا

جسے، چشم شوق میری کسی طرح دیکھ پاتی ۔۔۔ کبھی حشر تک وہ جلوہ نہ پھر آشکار ہوتا

یہ دل اور یہ بیان غم عشق بے محابا ۔۔۔ اگر آپ طرح دیتے، مجھے ناگوار ہوتا

کبھی یہ ملال اسکا نہ دکھے کسی طرح دل ۔۔۔ کبھی یہ خیال وہ بھی تو نہیں بیقرار ہوتا

مرا حال ہی جگر کیا وہ مریض عشق ہوں میں ۔۔۔ کہ وہ زہر بھی جو دیتا مجھے سازگار ہوتا

(گونڈہ)

عشق جب مصروف اصلاحات روح و تن میں تھا
دفترِ عالم، مرے اک گوشۂ دامن میں تھا
آشنا قید مکاں سے کب رہی برقِ جمال؟
ذرّے ذرّے میں ہے وہ جو وادیٔ ایمن میں تھا
ہم نے تکمیلِ جنوں بھی اے جلوہ زار غم ہیں کی
دور کیوں جاتے ہو کہ صحرا بھی اسی گلشن میں تھا
مجھ کو سب معلوم ہے افسانۂ برق و کلیم
میرے دل کا ذرّہ ذرّہ وادیٔ ایمن میں تھا
رخصت اے بیگانگی! بس کھل گیا تیرا فریب
اپنا میں دشمن رہا، جب تک غمِ دشمن میں تھا
ورنہ ممکن ہی نہ تھا نظارۂ برقِ جمال
ذوقِ موسیٰ بھی حدودِ وادیٔ ایمن میں تھا
تھا جنونِ عشق خود ہی کارفرمائے جگر! تو عبث دیوانہ، فکرِ وسعتِ دامن میں تھا

(بدایوں)

دہر کی نیرنگیوں کا خوب عرفاں ہو گیا
لا شرابِ کہنہ ساقی! دل پریشاں ہو گیا

محوِ نگارنگیِ صحرائے امکاں ہو گیا
اپنے جلووں میں مقید آپ انساں ہو گیا

برق چمکی تھی کہ برپا جوشِ طوفاں ہو گیا
المدد اے شوق! نظارہ پریشاں ہو گیا

ہر تڑپ کے ساتھ اک جلوہ نمایاں ہو گیا
آج ثابت یار کا قربِ رگِ جاں ہو گیا

ذوقِ سجدہ، ہر بنِ مو سے نمایاں ہو گیا
میں بھی کیا شے ہوں کہ اپنا آپ عنواں ہو گیا

روح قالب سے نکل کر اصل میں گم ہو گئی
نے سے ہوتے ہی جدا، نغمہ پریشاں ہو گیا

انتہائے جستجو میں دیکھئے ہوتا ہے کیا؟
ابتدا یہ ہے کہ ہر ذرہ بیاباں ہو گیا

روح جب تڑپی، نگاہِ شوقِ عاشق بن گئی
دل جب اچھلا، جلوہ گاہِ حسنِ جاناں ہو گیا

ایک مرکز پر سمٹ آیا جہانِ آرزو
کثرتِ موہوم سے جب دل پریشاں ہو گیا

کس کو دیکھا پردۂ خاکی میں اپنے جلوہ گر؟
ڈالتے ہی اک نظر، مغرورِ انساں ہو گیا

کم نہ تھا، یہ عالمِ ہستی کسی صورت مگر
وسعتیں دل کی بڑھیں اتنی کہ زنداں ہو گیا

دل کے پرتو بن گئے سب نقشہائے رنگ رنگ
ایک ذرہ موجدِ کل بزمِ امکاں ہو گیا

غم نے جنبش قلب کو دی جاگ اٹھی روحِ شوق
ساز چھیڑا درد نے مطربِ غزل خواں ہو گیا

چشم پرنم، زلف آشفتہ، نگاہیں بیقرار
اس پشیمانی کے صدقے میں پشیماں ہو گیا

زعم تھا، ذوقِ نگاہ و جذبِ دل پر ناگہاں
محو اک جلوے میں سب وجدان و عرفاں ہو گیا

چھوٹ سکتا تھا کہیں اس جسم سے دامانِ روح
پھر کبھی ملنے کا شاید عہد و پیماں ہو گیا

دل گلستاں تھا، تو ہر شے سے ٹپکتی تھی بہار
یہ بیاباں جب ہوا عالم بیاباں ہو گیا

ورنہ کیا تھا صرف ترتیبِ عناصر کے سوا
خاص کچھ بیتابیوں کا نام انساں ہو گیا

یوں بسر کی زندگی میں نے اسیری میں جگرؔ
ہر طریقہ داخلِ آدابِ زنداں ہو گیا

(مشاعرہ بدایوں)

(ب)

تیری نگاہِ ناز، بایں شانِ اضطراب
ہم جانِ دردِ عشق، ہم ایمانِ اضطراب

اب تک تو تیرے فیض سے اے عشقِ معتبر!
داغِ سکوں سے پاک ہے دامانِ اضطراب

تو خود اگر نہیں، تو بتا اے نگاہِ شوخ!
پھر کون ہے یہ سلسلہ جنبانِ اضطراب

ہر چند نجدِ عشق سے اُٹھے ہزار قیس
نکلا مگر نہ ایک بھی شایانِ اضطراب

پھر ہے وہیں، چلا تھا جہاں سے دلِ غریب
آغاز ہی پہ لے گیا پایانِ اضطراب

بے وجہ یہ سکونِ محبت نہیں جگر!
اُٹھنے کو ہے مگر کوئی طوفانِ اضطراب

(ر)

ہو چکا تکملۂ صورت و معنائے بہار
تو بھی اب سامنے آ، اے چمن آرائے بہار

میری نظروں میں ہے، وہ منظرِ زیبائے بہار
سب بہاریں ہیں جہاں گردِ کفِ پائے بہار

تیرا گلشن ہی نہ بن جائے قفس اے بلبل!
دیکھ محدود نہ کر وسعتِ دنیائے بہار

عکسِ افسردگیِ شوق سراپائے خزاں
پرتوِ حسنِ نظر صورتِ زیبائے بہار

باہر آنا ہی نہ تھا پردۂ بے رنگی سے
خود خزاں ساز بنی، برقِ تجلائے بہار

تیرے دیوانے ہیں آزادِ تعین، ورنہ
یہ خزاں کو بھی جو دیکھیں تو نظر آئے بہار

(رعنا اثنا علی گڑھ)

(ن)

دل مرا توڑ کر کہا، اُس نے زبانِ راز میں
ساز میں نغمہ وہ کہاں؟ ہے جو شکستِ ساز میں

مِٹ کے فنائے ذاتِ حق، دل مرا سوز و ساز میں
مرکزِ اصل بن گیا، دائرۂ مجاز میں

دونوں جہاں تھے غرق و محو، جس کی نگاہِ ناز میں
ایسا بھی ایک بت ملا بتکدۂ مجاز میں

خاک بھی اُس غریب کی آہ کہ پھر نہ اُٹھ سکی
تم نے جسے مٹا دیا، پردۂ امتیاز میں

درد کا دل بڑھائے کون؟ پردہ اُٹھائے کون؟
موت کو نیند آ گئی، غم کی حریمِ ناز میں

پھیلے ہوئے ہیں جس قدر حسن کے جلوہ لطیف
جی میں ہے سب سمیٹ لوں دامنِ امتیاز میں

وحدتِ خاص عشق میں فکر ہی غیریت کا کیا؟
اپنے ہی جلوے دیکھئے اپنی ہی بزمِ ناز میں

یوں ہے مری نگاہ میں نقش و نگارِ کائنات
عالمِ خواب جس طرح، دیدۂ نیم باز میں

حسنِ کمالِ عشق کا، کوئی کمال رہ نہ جائے
ناز کا ایک سبق بھی لے درس گہِ نیاز میں

مشرقِ غم سے کر طلوع، ایک وہ آفتابِ حسن
ڈوب سکے نہ جو کبھی، مغربِ امتیاز میں

دونوں جہاں ہیں دو قدم، اوّل و آخرِ ہوس
آنکھ اُٹھا! تو ہے ابھی، خاص حریمِ ناز میں

غیر جو تلخ کام ہے اسکے نصیب کی کمی　　مجھ کو تو اک مزہ ملا، ہر غم جانگداز میں

توڑ کے سب قیودِ عشق چل دل مدعا طلب　　بالبِ خشک و آہ سرد اسکی حریم ناز میں

جلد سکون و عیش سے ہاتھ اٹھا کہ بیخبر!　　تیری بقا کا راز ہے شورشِ جانگداز میں

اصل سے ہو کے بیخبر ڈھونڈھ نہ اے دل حزیں　　عیش دوام عافیت غم کدۂ مجاز میں

یہ جو تمام نغمہ ہے، دعوت عام نغمہ ہے　　موجِ خرام نغمہ ہے نغمہ نہیں ہے ساز میں

میرے نیازِ عشق کا ہو ہی رہیگا فیصلہ　　آپ کمی نہ کیجیے اپنے جنون ناز میں

کام نہ آئیں عقل کی عقدہ کشائیاں جگر!

اور اضافہ ہو گیا سلسلہ ہائے راز میں　　(اناؤ بین پوری)

ندرت پسند کتنے عشاقِ خوش نظر ہیں　　سینے تمام ویراں آنکھیں تمام تر ہیں

رنگینی الم میں دیکھا ہے جن کو اکثر　　اے دل! وہی تو جلوے سرمایۂ نظر ہیں

آساں نہیں گزرنا صحرائے بیخودی سے　　ہشیار راہ چلیں! رستے یہ پر خطر ہیں

اپنا نشاں بتائیں کیا رہرانِ غربت　　برباد جستجو ہیں پامالِ رہگزر ہیں

درماندگی کے نالے بیچارگی کی آہیں　　وہ شام کی ہیں رونق، یہ زینت سحر ہیں

کیوں آسماں سے مل کر اپنا وقار کھوئیں　　کیا کم ہے یہ کہ تیری ہم خاک رہ گزر ہیں

بزمِ مشاعرہ ہے، یا گلشنِ تخیّل

بلبل چہک رہا ہے، یا حضرتِ جگر ہیں

(مشاعرہ بنارس)

(۹)

سمجھائے کون ؟ بلبلِ غفلت شعار کو	محدود کر لیا ہی چمن تک بہار کو

عصیاں کی بھی نہ ہو سکی تکمیل مجھ سے آہ	کیا منھ دکھاؤں رحمتِ پروردگار کو

اے دل ! جو راہِ عشق میں کھا ہی تو نے یاد	کرنا نہ تنگ دائرۂ اختیار کو

پھر دیکھنا بہار، بیابانِ عشق کی	گلشن بنا چکوں گا جب اس خارزار کو

بھڑکا رہا ہوں آتشِ عصیاں ہر ایک سمت
پھیلا رہا ہوں رحمتِ پروردگار کو (مشاعرہ الہ آباد)

بیخودی کا نہ ہوا شک کبھی بیگانے کو	نظرتِ عشق سنبھالے رہی دیوانے کو

جب سے معلوم کیا دل کے نہاں خانے کو	آنکھ اٹھانے کی بھی فرصت نہیں دیوانے کو

عشق معصوم صفت حسن ثقاہت دشمن	مختصر کون کرے شوق کے افسانے کو

پی کے اک جام، وہ جلوے نظر آئے مجھ کو	دیکھتا ہوں کبھی مے کو، کبھی میخانے کو

بجلیاں طورِ تصور پہ گرانے والے !	پھونکدے پھونکدے ہستی کے سیہ خانے کو

مے کشو! مژدہ کہ باقی نہ رہی قید مکاں　　آج اک موج بہا لے گئی میخانے کو
غیرِ از دوست نہ تھا ہستیِ عاشق کا وجود　　کم نگاہی نے دیا طول اس افسانے کو

قیس و فرہاد ہوں یا سرمدؔ و منصور جگرؔ!
ہم نے بے مایہ نہ دیکھا کسی دیوانے کو　　(مشاعرہ کانپور)

نگراں کوئی بجز دیدۂ مسحور نہ ہو　　جلوہ اس طرح دکھا برق نہ ہو طور نہ ہو
خود ضیا بار ہو اک جلوۂ مستور نہ ہو　　آئینہ خانۂ عالم میں کہیں نور نہ ہو
رازِ غم فاش نہ ہو عشق جو مجبور نہ ہو　　دیکھنا کوئی پسِ پردۂ منصور نہ ہو
آج ہر زخم نظر آتا ہے پیمانہ بدست　　اس میں کچھ شعبدۂ نرگسِ مخمور نہ ہو
کھول کر آنکھ ذرا دیکھ تو اے او غافل!　　تیری ہستی ہی حجابِ رخِ پرنور نہ ہو
خاک ہے سوزِ غمِ عشق کی تاثیر کلیم!　　دل کا ہر ذرہ اگر برق سرِ طور نہ ہو
جلنے والے ہیں اتنا بھی نہ ہو پاس کوئی　　جلنے والے ہیں اتنا بھی کوئی دور نہ ہو
عینِ ایمان ہے ، اناالحق کا ترانہ لیکن　　ہے یہی کفر اگر دیدۂ منصور نہ ہو
اس تقید پہ تو عالم ہے یہ آزادی کا　　کیا قیامت کرے انسان جو مجبور نہ ہو

ایک اک سانس ہے اسکے لئے پیغام حیات آدمی اپنی حقیقت سے اگر دور نہ ہو

کوچۂ عشق سے باہر وہ نکل جائے جگر

جیتے جی خاک میں ملنا جسے منظور نہ ہو (مشاعرہ کانپور)

ابھی کچھ روز بھی گزرے نہ تھے تخلیق انساں کو ابھارا خود کسی کی مصلحت نے ذوق عصیاں کو

ملک ادر سجدہ کرتا ایک مشت خاک انساں کو کمالات نبوت نے کیا کافر مسلماں کو

کسی صورت نہ ہونے دوں عیاں اسرار جاناں کو جو چاک سینہ فرصت دے تو میں سی لوں گریباں کو

خدا رکھے سلامت اس دل برباد ویراں کو بیاباں میں لئے بیٹھا ہے اک جان گلستاں کو

خزاں آتے ہی ٹوٹیں جلوۂ ظاہر کی قیدیں سب شکست رنگ نے پرواز بخشی طائر جاں کو

عزادار تمنا ہوں نہ پوچھو میری بربادی گراں بار مصیبت ہوں نہ دیکھو بے سروساماں کو

یہیں سے روز کر لیتے ہیں سیر دو جہاں وحشی خدا رکھے سلامت سایۂ دیوار زنداں کو

نہ پوچھی بات بھی اس شوخ کی کافر نگاہی نے لئے بیٹھا رہا زاہد متاع دین و ایماں کو

ابھی اے جوش وحشت! کون یہ کہتا ہوا گزرا ترے دامن کے ٹکڑے یاد کرتے ہیں گریباں کو

عطا کر وہ مذاق عشق اے بیگانۂ عالم! کہ تیری آنکھ سے دیکھوں ترے حسن نمایاں کو

کمالِ لذتِ ذوقِ اسیری تو کہاں ممکن — بقدرِ ظرف حصہ مل گیا ہر اہلِ زنداں کو

نہ تھا کوئی حجاب اک لغزشِ مستانہ کے آگے — مآل اندیشیوں ہی نے کیا گمراہ انساں کو

مزاجِ حسن و تکلیفِ تجلی ہائے معاذ اللہ — بس اب رسوا نہ کر اے بیخودی شوقِ پشیماں کو

نہیں سا آئینے میں کسی کی ہر کہ ہو احساسِ نظارہ — تحیر ہی نگاہوں کو تو اجڈ ہے رگِ جاں کو

نکاتِ عشق حل کرتی ہی جنبش نگاہوں کی — زبانِ آگہی سمجھو سکوتِ اہلِ عرفاں کو

دکھا کر اک جھلک سامانِ راحت جس نے لوٹا تھا — نگاہیں ڈھونڈتی ہیں پھر اسی غارتگرِ جاں کو

تغافل بھی کسی کا وجہِ تسکیں اے جگر کیا ہو
سمجھتا ہی یہ دل کمبخت پرسش ہائے پنہاں کو

(مشاعرہ جوبلی علی گڑھ)

(ی)

قدرت کی آن والے! رحمت کی شان والے
تجھ پر جہاں تصدق او پاک جان والے!

دونوں جہاں کی نعمت ہے ہیں تیرے
بوسیدہ کپڑوں والے، ٹوٹے مکان والے

ایسے تھے آپ اُمیّ، کھولی زبان جس دم
دم بھر میں بے زباں تھے سارے زبان والے

روضے پہ اے صبا تو جا کر یہ عرض کر دے
ہجور کب تک آخر ہندوستان والے

اک جنبشِ نگہ کے سب منتظر کھڑے ہیں
پُر درد قلب والے، پُر سوز جان والے

ہنسی پھر اُڑنے لگی عشق کے فسانے کی
نقاب اٹھاؤ، بدل دو فضا زمانے کی

چلی کچھ ایسی مخالف ہوا زمانے کی
پناہ برق نے لی میرے آشیانے کی

یہ شرح ہے دلِ عشاق کے فسانے کی
کہ گردشیں اسی محور پہ ہیں زمانے کی

اب آگے دیکھیں کرے کیا ہوا زمانے کی
قفس میں طرح تو ڈالی ہے آشیانے کی

جنھیں سمجھتے ہو نیرنگیاں زمانے کی
جُدا جُدا ہیں یہ شرحیں مرے فسانے کی

اُس کے سامنے بجلی کچھ اس طرح چمکی، نظر میں پھر گئی تصویر آشیانے کی

یہ بزمِ دل ہے، خس و خاشاک پر نہیں موقوف اجڑ کے بھی وہی رونق ہے آشیانے کی

خزاں فسردگیِ شوقِ ناتمام مری بہارِ ہستیِ ناقص مرے فسانے کی

تعینات کے ہیں وصل و ہجر دو پہلو حیات و موت ہیں دو کروٹیں زمانے کی

زبانِ غیر کجا؟ انکشافِ راز کجا؟

کھلی نہ مجھ پہ حقیقت مرے فسانے کی (اناؤ مشاعرہ کانپور)

ہر پردۂ ہستی میں جب تو متشکل ہے حیران ہوں میں جلوہ پھر کونسا باطل ہے؟

صحرا ہے، نہ بستی ہے، دریا ہے، نہ ساحل ہے جو کچھ نظر آتا ہے، اک شعبدۂ دل ہے

کیا چیز ہے کل عالم؟ کیا چیز مرا دل ہے؟ حیرت کا اک آئینہ حیرت کے مقابل ہے

حیراں ہوں کہ یہ آخر کیوں بیچ میں حائل ہے؟ میرا ترا رشتہ تو بے واسطۂ دل ہے

خود شورشِ ہستی ہے تمہیدِ فنا یعنی ہنگامۂ محفل ہی، برہم زنِ محفل ہے

جس میں کہ ترے جلوے خود تیرتے پھرتے ہیں اُس حسن کا ہر قطرہ، کونین کا حاصل ہے

وحشت نے نگاہوں کی تاریک کیا منظر ایک ایک قدم ورنہ، خود عشق میں منزل ہے

(کانپور)

جدھر کو جھوم کے مست شراب دیکھیں گے　　تمام زہد ریائی، خراب دیکھیں گے
بغور عالمِ ہستی پہ جب کریں گے نگاہ　　ہر ایک موج کو، موجِ سراب دیکھیں گے
بھرے ہیں جنکی ہر اک رگ میں سرمدی نغمے　　وہ خاک محفلِ چنگ و رباب دیکھیں گے
ادب معاملہ داں، شوقِ مصلحت دشمن　　خبر نہیں کہ کسے کامیاب دیکھیں گے

جگر کی بادہ کشی ان دنوں، معاذ اللہ
جب آپ دیکھیں گے غرقِ شراب دیکھیں گے　　(مشاعرہ آگرہ)

چشمِ نظر پرست میں جسکا جہان نام ہے　　حسن تمام یار کا جلوۂ ناتمام ہے
کس کے فروغِ حسن کا آج یہ فیض عام ہے　　شام نثار صبح ہے، صبح، نثار شام ہے
خلوتیانِ راز کا، خاص اک پیام ہے　　کیف وصال دوست بھی منزلِ ناتمام ہے
حسن کی بارگاہ میں رکھیے سنبھال کر قدم　　یہ وہ مقام ہے، جہاں خواہشِ دل حرام ہے
گرمیٔ سوزِ عشق سے دل کو جلا تو بوالہوس　　صبح کو بھی نہ بجھ سکے یہ وہ چراغ شام ہے
شوق کی انتہا کہو، یا کہ فریبِ عاشقی　　شورِ انا الحبیب کا خاصہ مقام ہے
ایک بلا کی بیخودی ایک غضب کی بیبسی　　دورِ حیات کہتے ہیں جس کو وہ دورِ جام ہے

بندگی جنوں ادا بیخودی ادب سرشت
حسن کی اصطلاح میں عشق اسی کا نام ہے

ایک ادائے پُرسکوت لاکھ نوائے پُرخروش
وہ روشِ خواص تھی یہ روشِ عوام ہے

شیفتۂ صفات کو کوئی سکون ہو تو ہو
عاشقِ ذات کو کہاں ایک جگہ قیام ہے

اب تو خدا کے واسطے زیست کا دو کچھ ثبوت
خوابِ گراں وہی ہے اور وقت قریبِ شام ہے

(غالبؔ اعظم گڑھ)

سوز میں بھی وہی اک نغمہ ہے جو ساز میں ہے
فرق نزدیک کی اور دور کی آواز میں ہے

یہ سبب ہے کہ تڑپ سینۂ سرساز میں ہے
میری آواز بھی شامل تری آواز میں ہے

جو نہ صورت میں نہ معنی میں نہ آواز میں ہے
دل کی ہستی بھی اُسی سلسلۂ راز میں ہے

ہمہ تن محو دل اک نغمۂ بے ساز میں ہے
اب نہ مطرب میں کوئی فرق نہ آواز میں ہے

عاشقوں کے دلِ مجروح سے کوئی پوچھے
وہ جو اک لطف نگاہِ غلط انداز میں ہے

گوشِ مشتاق کی کیا بات ہے اللہ اللہ
سُن رہا ہوں میں وہ نغمہ جو ابھی ساز میں ہے

حُسنِ انجام پہ کس طرح تصدق کردوں
وہ جو اک لطف ہر اک لغزشِ آغاز میں ہے

حرم و دیر نظر آتے ہیں سب سربسجود
جلوہ گر کون ہے مرے شوقِ جبیں ساز میں ہے

(مشاعرہ مین پوری)

کیونکر نہ دشمن تجھ سے ہوں کون و مکان عاشقی — تو شمع بزم آرزو، تو، نور جان عاشقی

اللہ رے سوز دل خون کشتگان عاشقی — پنہاں ہے اب تک خاک میں برق تپان عاشقی

لیکر ازل ہی سے چلے شوریدگان عاشقی — نشتر بجان آرزو، آتش بجان عاشقی

کیا قصۂ جور فلک؟ کیا داستان عاشقی؟ — سب عاشقی ہے وہ نظر، درد نہان عاشقی

ناکام ہی اب تک رہے، بدنام ہی اب تک رہے — ہم بیکسان بیکسی، ہم عاشقان عاشقی

گو لب پہ آہ سرد ہے چہرہ بھی غم سے زرد ہے — پھر بھی یہی اک درد ہے آرام جان عاشقی

اٹھنے کو ہے انکی نظر ہونے کو ہے وہ آنکھ تر — ہاں تیز کر دے بیخبر! ساز نہان عاشقی

برہم ادھر بزم جہاں، تاراج باغ و آشیاں — طاری وہی اب تک یہاں خواب گران عاشقی

انکی نگاہ لطف ہے اور کشف راز دلبری — میری نگاہ شوق ہے اور داستان عاشقی

آؤ جہاں برہم کریں پیدا نیا عالم کریں — تم جان جان حسن ہو ہم جان جان عاشقی

یہ مصرع حسرت[1]، جگر! نشتر سے بھی ہے تیز تر
سیراب غم کر دے کہیں پیر مغان عاشقی (اعظم گڑھ)

---

[1] جناب مولانا حسرت موہانی ۱۲ جگر

وہ بزم تماشا بھی، کیا بزم تماشا ہے — جو جلوہ ہے، پردا ہے، جو پردا ہے جلوا ہے

یہ حسن طلب ہی کا، اک جلوۂ رعنا ہے — کس نے اُسے دیکھا ہے کس نے اُسے پایا ہے

دُنیا، یہ اُسی کی ہے، عالم یہ اُسی کا ہے — جو آپ ہی مجنوں ہے، جو آپ ہی لیلا ہے

آغازِ محبت کا، انجام بس اتنا ہے — جب دل میں تمنا تھی اب دل ہی تمنا ہے

بیکار ہے اے مجنوں! یہ پیکرِ آب و گل — اُس چیز کا طالب بن جو اصل میں لیلا ہے

کیا حسن کا افسانہ، محدود ہو لفظوں میں — آنکھیں ہی کہیں اسکو آنکھوں نے جو دیکھا ہے

کہنے کیلئے کہہ لیں سب کچھ اسی اہلِ دل — خود ورنہ محبت بھی اک طرح کا پردا ہے

اس دور میں مجنوں ہی کوئی نہ رہا ورنہ — ابتک وہی محمل ہے، ابتک وہی لیلا ہے

بھر دو انھیں جلووں سے، یا آگ لگا دو تم

آنکھیں بھی تمھاری ہیں، سینہ بھی تمھارا ہے (کانپور)

تاثیر محبت کی اللہ ری مجبوری — ہر بُعد میں اک قربت، ہر قرب میں اک دوری

یوں محوِ فنا ہو جائے دل راہِ الفت میں — ہر سانس سے پیدا ہو اک نغمۂ منصوری

کل ہستی عالم پر طاری ہیں صفات اُسکے — سب کہنے کی باتیں ہیں مختاری و مجبوری

خود اپنے لئے بلبل تجویز قفس کر لے ‏ ‏ اس پر بھی جو کھل جائے صیاد کی مجبوری

تو نے ہی جگر! اس کو مٹی میں ملایا ہے

ورنہ، یہ ترا دل تھا اک آئینۂ نوری ‏ ‏ (غالباً گونڈہ)

آدمی نشۂ غفلت میں بھلا دیتا ہے ‏ ‏ ورنہ جو سانس ہے تعلیم فنا دیتا ہے

"تجھ سے میں دور کسی وقت نہیں ہوں غافل" ‏ ‏ دل میں بیٹھا ہوا کوئی، یہ صدا دیتا ہے

بادۂ ناب عجب چیز ہے ساقی! لیکن ‏ ‏ اور ہی کچھ ترے ہاتھوں سے مزا دیتا ہے

پھر شرابی تری آنکھوں کے نہ چونکے تا حشر ‏ ‏ کوئی اس طرح مئے ہوش زبا دیتا ہے

جھلملاتے ہوئے تاروں کا یہ اللہ رے فیض ‏ ‏ سامنے سے کوئی پردہ سا ہٹا دیتا ہے

تجھ سے وحشی ترے، غافل نہیں رہنے پاتے ‏ ‏ روز آ کر کوئی زنجیر ہلا دیتا ہے

ہائے کیا چیز ہے گل داغ محبت ہی جگر!

خشک ہونے پہ بھی جو بوئے وفا دیتا ہے ‏ ‏ (کانپور)

رند وہ ہوں کہ غزل بھی مری رندانہ ہے ‏ ‏ معنی و لفظ نہیں، بادہ و پیمانہ ہے

اپنی ہستی کے جو انوار سے بیگانہ ہے ‏ ‏ وہ فقط چند حبابات کا دیوانہ ہے

ہجرِ جاناں میں غضب شورشِ مستانہ ہے
روح قالب میں نہیں، قید میں دیوانہ ہی

سلسلہ روزِ ازل سی ہی برابر جاری
نہیں معلوم کہاں تک مرا افسانہ ہی

حیرتِ عشق بھی کیا چیز ہے اللہ اللہ
نہ یگانہ ہے یہاں کوئی، نہ بیگانہ ہی

چھیڑ اے مطربِ غم! تازہ غزل کوئی مگر
یہ نہ معلوم ہو مجھ کو، مرا افسانہ ہی

کل جہاں گرم تھا ہنگامۂ تاثیرِ نظر
آج دیکھا، تو بس اک دشت ہی ویرانہ ہی

بُت پرستوں پہ عبث طعن ہے اے شیخِ حرم!
اپنے بُت دیکھ، کہ تو آپ ہی بتخانہ ہی

روشِ دہر کا ہر نقش پکارے گا مجھے
یہ نہ سمجھو کہ مجھی تک مرا افسانہ ہی

واہ، کیا مست غزل تو نے پڑھی آج جگر!
ایک اک لفظ چھلکتا ہوا پیمانہ ہی (مشاعرہ کانپور)

دل حزیں کی تمنا، دل حزیں میں رہی
یہ جس زمیں کی تھی دنیا، اُسی زمیں میں رہی

حجاب بن نہ گئی ہوں حقیقتیں باہم
کہ بے سبب تو کشاکش نہ کفر و دیں میں رہی

سرِ نیاز نہ جب تک کسی کے در پہ جھکا
برابر ایک خلش سی مری جبیں میں رہی

ہوس نے بھر دیئے اس درجہ اشتباہ کے بت
ذرا سی بھی نہ جگہ کعبۂ یقیں میں رہی

بقیدِ ظرفِ مئے بندگی کا جوش رہا ۔۔۔ کسی جبیں سے نہ ٹپکی کسی جبیں میں رہی

عدم میں بھی مری ہستی کی تھی یہ شانِ وجود ۔۔۔ کہ راز بن کے دلِ صورت آفریں میں رہی

نگاہِ حضرتِ اصغرؔ[١] کی ہر ودیعتِ خاص

قرار بن کے جگرؔ کے دلِ حزیں میں رہی ۔۔۔ (مشاعرہ بدایوں)

کیا بلا عشقِ تماشہ ساز ہے ۔۔۔ اس کا ہر انجام، اک آغاز ہے

موت پر حیرانی و حیرت ہی کیا ۔۔۔ زندگی خود اک طلسمِ راز ہے

روح ہے، اک نغمۂ سازِ الست ۔۔۔ جسمِ خاکی، پردۂ آواز ہے

اُن کو اپنی شانِ رحمت پر غرور ۔۔۔ مجھ کو اپنی بےبسی پر ناز ہے

لفظ و معنی جس کو چھو سکتے نہیں ۔۔۔ وہ مرا افسانۂ آغاز ہے

لب تک اے صیاد آ سکتی نہیں ۔۔۔ دل میں جتنی حسرتِ پرواز ہے

یوں نہ دیکھے کوئی، تو کچھ بھی نہیں ۔۔۔ ورنہ ہر ذرہ طلسمِ راز ہے

ہوشیار، اے طائرِ جاں! ہوشیار ۔۔۔ اس گلستاں کی ہوا ناساز ہے

١؎ حضرتِ مولانا اصغر گونڈوی نور اللہ مرقدہٗ ١٢ جگر

سرِ ہستیِ دو عالم، کچھ نہ پوچھ ابتدا سے انتہا تک راز ہے
اضطرابِ دل بھی کیا شے ہے کہ آب بے پر و بالی، پرِ پرواز ہے
زندگی کیا ہے؟ نمودِ عاشقی عشق کیا ہے؟ حسن کا آغاز ہے
زندگی جس سے عبارت ہے جگرؔ!
وہ کسی کی اک نگاہِ ناز ہے (راز بریلی)

مسرور ہوں کیفیتِ دردِ جگری سے کچھ کام اثر سے ہے نہ اب بے اثری سے
کہتے ہیں جسے اہلِ نظر ہوش کی دنیا کچھ کچھ ہے خبردار مری بے خبری سے
وہ بن گئے سب سینۂ گردوں کے ستارے بھڑکے تھے جو شعلے مرے داغِ جگری سے
پھولوں کا نہ وہ رنگ، نہ بلبل کے وہ انداز عالم ہے مبدّل مری حرماں نظری سے
ہر چیز پہ پڑتی ہیں تحیّر کی نگاہیں چھوٹا ہوں جو اب سلسلۂ بے خبری سے
جب آہ مری بابِ اثر دیکھ چکی سب تب جا کے ہوا ربط کہیں بے اثری سے
سمجھا گیا، اک جلوۂ بے تاب کسی کا جو راز کہ محجوب تھا، فہمِ بشری سے
دل خون ہوا جاتا ہے، لب پر ہے تبسم ہم جان فدا کرتے ہیں کس بے جگری سے

للہ جگر! اب تو ذرا ہوش میں آجا

تنگ آگئے احباب، تری بےخبری سے (غالباً گونڈہ)

سنا ہے حشر میں اک حسنِ عالمگیر دیکھیں گے
خدا جانے تجھے یا اپنی ہی تصویر دیکھیں گے

دل برباد ہی میں حسن کی تنویر دیکھیں گے
اسی برگِ خزاں دیدہ پر اک تصویر دیکھیں گے

جدا ہرگز نہ حسن و عشق کی تصویر دیکھیں گے
وہ جب دیکھیں گے میری خاک دامنگیر دیکھیں گے

اگر فرصت ملی عرفانِ تاثیرِ محبت سے
تجھے بھی ایک دن اے آہ بےتاثیر دیکھیں گے

رہائی ہو نہیں سکتی کبھی قیدِ تعلق سے
جو اک زنجیر ٹوٹی دوسری زنجیر دیکھیں گے

بغور اس ہستیٔ خاکی پہ بھی ہم اک نظر کر لیں
قیامت تک پھر ایسی کوئی تصویر دیکھیں گے

اب اس صورت سے کیا آئیں ترے آئینہ خانے میں
تری تصویر ہی بن کر تری تصویر دیکھیں گے (کانپور)

کس قدر جامع ہے میرا عالمِ تصویر بھی
حسن کی تشریح بھی ہے عشق کی تفسیر بھی

روح کی رنگینیوں سے جسم بھی ہے فیضیاب
کم نہیں تصویر سے آئینۂ تصویر بھی

تو نے نالے عشق میں جتنے کئے اے بےخبر!
ہو گئی اتنی ہی ضائع عشق کی تاثیر بھی

اُس کی عالی ہمتی کا کیا ٹھکانا اے جگر!
تنگ ہو جس کے لئے فریاد بھی تاثیر بھی

یہ دورِ مستعارِ خزان و بہار کے
دو سلسلے ہیں اک نگہِ فتنہ کار کے

وارفتگانِ عشق ہوں ہم رنگ کس طرح
عالم جُدا جُدا ہیں نگہ ہائے یار کے

ہونے دیا تعلقِ اصلی نہ منقطع
مجبوریاں بھی ساتھ چلیں اختیار کے

دیوانہ[1] جنوں کی وہ ہے ایک سیرگاہ
تھمتے نہیں ہیں پاؤں جہاں ہوشیار کے

آکر قفس میں اب یہ کھلا ہے معاملہ
ہم اہل تھے خزاں کے نہ رنگِ بہار کے

رگ رگ میں آج دوڑ گئی موجِ سرخوشی
قرباں تیری لغزشِ مستانہ وار کے

پہنچا دیا مقامِ قناعت تک اے جگر!
صدقے میں اپنے اس غمِ ہمت شکار کے

درِ فردوس نظر آنے لگا باز مجھے
دیکھیے دیکھیے، اک اور بھی آواز مجھے

دیکھنا، شوخیِ نیرنگِ محبت کا سلوک
حسنِ انجام میں ہے حسرتِ آغاز مجھے

---

[1] میرے نزدیک صحیح ہے ۱۲ جگر

ایک گوشہ ہی قفس کا مجھے بس ہے صیاد! بال و پر دیں نہ اگر رخصتِ پرواز مجھے

دید کیسی؟ مگر اتنا ہے کہ گاہے گاہے

پردۂ دل سے سُنا دیتے ہیں آواز مجھے (کانپوریہ)

ساقی ہو، شراب ہو، سبو ہو | اول وہ پڑھے جو با وضو ہو
مقصود وہ ایک مقام ہو ہو | میں ہوں نہ جہاں نہ یار، تو ہو
اپنے کو میں آپ پوجتا ہوں | آئینہ حسن روبرو ہو
کوئی نہ یہاں عدم نہ ہستی | (اول، آخر جو کچھ ہے تو ہو)

وہ میری طرف بڑھا دیے گلچیں!

چن پھولوں میں رنگ ہو نہ بو ہو

خاص اک شان ہے یہ آپ کے دیوانوں کی | دھجیاں خود بخود اُڑتی ہیں گریبانوں کی
سخت دشوار حفاظت تھی گریبانوں کی | آبرو موت نے رکھ لی ترے دیوانوں کی
رحم کر اب تو جنوں! جان ہے دیوانوں کی | دھجیاں پاؤں تک آ پہنچیں گریبانوں کی
گرد بھی مل نہیں سکتی ترے دیوانوں کی | خاک چھانا کرے اب قیس بیابانوں کی

ہم نے دیکھی تھی ادا کل، ترے دیوانوں کی　　دھجیاں کچھ لئے بیٹھے تھے گریبانوں کی

ابتدا عشق کی ہے فطرتِ انساں کی نمو　　انتہا عشق کی تکمیل ہے انسانوں کی

جب سے غش کھا کے گرے حضرتِ موسیٰؑ سرِ طور　　گھٹ گئی شان ہی کچھ عشق کے افسانوں کی

دل میں باقی نہیں وہ جوشِ جنوں ہی دہر　　دامنوں کی نہ کمی ہے، نہ گریبانوں کی

تو نے جو آگ لگا دی، وہ فروزاں ہی رہی

بجھ گئی آگ لگائی ہوئی، ارمانوں کی　　(غالباً اعظم گڑھ)

جگر پارے

مٹایا جس قدر ہستی کو تصویریں ہوئیں پیدا
ہوئے ہم جس قدر آزاد زنجیریں ہوئیں پیدا

پاسِ ادب سے حیبِ نہ سکا رازِ حسن و عشق
جس جا تمہارا نام سُنا سر جھکا دیا

جس میں آباد تھی دنیائے محبت میری
ہائے اُس اشک کا آنکھوں سے جدا ہو جانا

امیدِ عفو کو بھی میں نے اب دل سے مٹا ڈالا
یہ تھا اک بدنما دھبا مرے دامانِ عصیاں کا

اس جلوۂ تمام کی ہم کو خبر ہی کیا
اک ناتواں سا رشتۂ تارِ نظر ہی کیا

میرا احساسِ غم اے کاش اتنا تیز ہو جاتا — جو چھو جاتی ہوا، دل درد سے لبریز ہو جاتا

نہ رکھا دل کو احساسِ گنہ نے مشتعل ورنہ — یہی ظلمت کدہ، اک دن تجلی خیز ہو جاتا

یہ ساری لذتیں ہیں میرے شوقِ نامکمل تک — قیامت تھی یہ پیمانہ اگر لبریز ہو جاتا

نشۂ صہبائے غفلت جب ذرا کچھ کم ہوا — مجھ کو ہر ذرہ مری ہستی کا سازِ غم ہوا

تیرے اسرارِ حقیقت کا وہی محرم ہوا — رہ کے عالم میں بھی جو بیگانۂ عالم ہوا

ربطِ باطن اس کو کہتے ہیں کہ روزِ اولیں — روح مضطر ہی رہی جب تک نہ پیدا غم ہوا

توڑ کر سینہ و دل یار کا پیکاں نکلا — جان نکلی مرے اللہ! کہ ارماں نکلا

تھی حریمِ ناز کے پردوں میں بھی جنبش تمام

ایک رنگِ خاص سے جب مضطرب تھا دل مرا

مڑ کے پھر میں نے نہ دیکھا، میں تھا ایسا رہ نورد

دیکھتی ہی رہ گئی حسرت سے مُنہ منزل مرا

بے دلی پر کیوں ہراساں ہوں کہ ہے مجھ کو خبر

خود نگاہِ ناز ہی اک دن بنے گی دل مرا

عشق کی دسترس ہو گیا جلوۂ بے پناہ تک

اُٹھ نہ سکی نگاہ بھی، کر نہ سکے اک آہ تک

بیانِ اہلِ دل ہے کب اسیرِ قیل و قال میں   نظر ملی کہ ہو گیا تبادلہ خیال میں

تھی سکونِ یاس میں بھی موجزن اک برقِ حسن

میں یہ سمجھا تھا کہ اب کوئی شریکِ دل نہیں

بیکسانِ رہِ الفت کو سمجھتے کیا ہو   عرش ہل جائے اگر دل سے یہ فریاد کریں

کس کو رہا ہے، پاس عشق، کس کو رہے گا پاسِ حسن
حسن میں گم ہوا س عشق عشق میں گم ہوا س حسن

دیدۂ شوق سے ہوئیں آج وہ گل فشانیاں
ڈوب گئی بہار میں سادگیِ لباسِ حسن

غفلتوں میں قید کب فطرت کے کاروبار ہیں
روح کہتی ہے کہ سوئیں آپ ہم بیدار ہیں

جمع ہیں اضداد تو قایم ہے شانِ امتیاز
کلفتیں ہی مٹ گئیں تو راحتیں بیکار ہیں

قطعہ

مستِ جامِ شراب ہوتا ہوں　　ہمہ تن آفتاب ہوتا ہوں
کل دکھایا تھا آپ نے جلوہ　　آج میں بے نقاب ہوتا ہوں

قطعہ

ہو گئے مرگ و زیست سے آزاد — حسنِ انجام اس کو کہتے ہیں
بعد مرنے کے بھی قرار نہیں — مرگِ ناکام اس کو کہتے ہیں

برق گرتی ہے کہیں جلتی ہیں شمشیریں کہیں — وہ کہیں محوِ عشوہ فرما اُنکی تصویریں کہیں
جذبۂ دل رنگ بن کر مائلِ پرواز ہے — لیکے اُڑ جائیں مصور کو نہ تصویریں کہیں

جان اُن پر نثار کرتا ہوں — پیار کی طرح پیار کرتا ہوں
لذتِ گریۂ فراق نہ پوچھ — ہر تبسم نثار کرتا ہوں
عشق کی بے نیازیاں بن کر — حسن کو بے قرار کرتا ہوں

جو آنسو آنکھ سے ٹپکے وہ نظروں سے نہاں کیوں ہو؟
الٰہی حاصلِ دردِ محبت رائگاں کیوں ہو؟

یہی منشائے جاناں ہے تو افشا رازِ جاں کیوں ہو؟
کمالِ ضبط بھی اے دل! اک اندازِ بیاں کیوں ہو؟

عقل باریک ہوئی جاتی ہے　　روح تاریک ہوئی جاتی ہے

یہ کس سے کلام ہو رہا ہے؟　　ہر سانس پیام ہو رہا ہے
ہشیار کو کب خبر ہے اس کی　　غفلت سے جو کام ہو رہا ہے
ہر نقشِ جبینِ عاشقی کا　　سجدہ انام ہو رہا ہے

چھپ کے رہ نہیں سکتی، عاشقی وہ مستی ہے　　دل سے با دل اٹھتے ہیں آنکھ سے جو برستی ہے
ہوش کا وہ بندہ، یہ سجدہ ریز مستی ہے　　آدمی کی فطرت میں یعنی بت پرستی ہے
بیخبر! یہی تو ہے دو جہاں کا سرمایہ　　یہ جو تیرے سینے میں مضطرب سی ہستی ہے

ناگوارا ہی یہ شان جہد آزادی مجھے میں تو مر جاؤں جو کہہ دے کوئی فریادی مجھے

کیا کیا خیال و وہم نگاہوں پہ چھا گئے جی دھک سے ہو گیا، سنا جب، وہ آ گئے

شوق محوِ آرائش عشق غرق وحدت ہے ایک نظر میں مستی ہے ایک نظر میں حیرت ہے
کیا مزاجِ دل کہیے؟ دل کی اب یہ صورت ہے حال ہے نہ بے حالی ہے کچھ عجب حالت ہے

کسی طرف سے شب غم صدا نہیں آتی پکارتا ہوں قضا کو قضا نہیں آتی
ترے فراق کے غم نے بچا لیا سب سے مرے قریب کوئی اب بلا نہیں آتی

ہر قدم پر گر گر کر آدمی سنبھلتا ہے یعنی خضر بھی کوئی ساتھ ساتھ چلتا ہے

گزر سکے تو گزر جا! بطرز بیخبری یہ کل جہاں ہے فریب تجلی نظری

میں بتاؤں تجھ کو یہ راز کیا؟ تو اسیرِ دامِ قیود ہے
میں جہاں ہوں نغمہ سرا وہاں، نہ وجود ہے نہ شہود ہے

ہوشیار اے دیدۂ گستاخِ عاشق ہوشیار
اُس کے استغنائے وقتی پہ جانا چاہیے
بزمِ ساقی میں نہیں کچھ کام عقل و ہوش کا
مست جانا چاہیے مدہوش آنا چاہیے

محبت کی پر پیچ راہوں نے مارا
تری آڑی ترچھی نگاہوں نے مارا

وہ ہی غرقِ معرفت یہ محوِ ما و من میں ہے
عینِ قربت پر بھی کتنا بعد روح و تن میں ہے
ہم سے پوچھو وہ کہاں ہے اور کس مسکن میں ہے
درد کی بیتابیوں میں قلب کی دھڑکن میں ہے

نغماتِ جگر

یعنی

انتخاب داغِ جگر

یا

کلامِ دورِ اوّل

۱۹۲۰ء سے قبل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(الف)

کثرت میں وحدت کا تماشا نظر آیا — جس رنگ میں دیکھا تجھے، یکتا نظر آیا

جب اُس رُخِ پرنور کا جلوہ نظر آیا — کعبہ نظر آیا، نہ کلیسا نظر آیا

یہ حسن، یہ شوخی، یہ کرشمہ، یہ ادائیں — دنیا نظر آئی مجھے، تو کیا نظر آیا

اک سرخوشیِ عشق ہے، اک بیخودیِ شوق — آنکھوں کو خدا جانے مری کیا نظر آیا

جب دیکھ نہ سکتے تھے، تو دریا بھی تھا قطرہ — جب آنکھ کھلی، قطرہ بھی دریا نظر آیا

قربان تری شانِ عنایت کے، دل و جاں — اس کم نگہی پر مجھے، کیا کیا نظر آیا

ہر رنگ ترے رنگ میں ڈوبا ہوا نکلا — ہر نقش، ترا نقشِ کفِ پا نظر آیا

آنکھوں نے دکھا دی جو ترے غم کی حقیقت — عالم مجھے سارا تہ و بالا نظر آیا

ہر جلوے کو دیکھا، ترے جلووں سے منوّر

ہر بزم میں، تو انجمن آرا نظر آیا — (گونڈہ)

پیوست دل میں جب ترا تیرِ نظر ہوا — کس کس ادا سے شکوۂ دردِ جگر ہوا

کچھ داغ دل سے تھی مجھے امیدِ عشق میں — سو رفتہ رفتہ وہ بھی چراغِ سحر ہوا

تھم تھم کے اُنکے کان میں پہنچی صدائے دل — اُڑ اُڑ کے رنگِ چہرہ مرا نامہ بر ہوا

سینے میں پھر بھڑکنے لگی آتشِ فراق — دامن سے پھر معاملۂ چشمِ تر ہوا

رگ رگ نے صدقے کر دیا سرمایۂ شکیب — اللہ کس کا خانۂ دل میں گزر ہوا

فریاد کیسی؟ کسکی شکایت؟ کہاں کا حشر؟ — دنیا اُدھر ٹوٹ پڑی، وہ جدھر ہوا

وارفتگی شوق کا، اللہ رے کمال — جو بے خبر ہوا، وہ بڑا با خبر ہوا

حسرت اُس ایک طائرِ بےکس پہ اے جگر!

جو فصلِ گل کے آتے ہی بے بال و پر ہوا — (فتحپور)

تم مجھ سے چھوٹ کر رہے سب کی نگاہ میں — میں تم سے چھوٹ کر کسی قابل نہیں رہا

دل کو نہ چھیڑ اے غمِ فرقت کہ اب یہ دل　　تیرے بھی التفات کے قابل نہیں رہا

اُٹھے ہیں تیری راہ میں جب سے مرے قدم

احساس کرب و دوریِ منزل نہیں رہا　　(مراد آباد)

تجھ کو تسلیم حسیں ساری جماعت نے کیا　　دیکھ کیا کام مرے دردِ محبت نے کیا

اللہ اللہ یہ تاثیرِ فغانِ شبِ ہجر

خیر مقدم مرے نالوں کا، قیامت نے کیا

ستم کا عدو مستحق ہو گیا　　مرا دل، سراپا قلق ہو گیا

سنانے چلے تھے انھیں حالِ دل　　نظر ملتے ہی رنگ فق ہو گیا

جو کچھ بچ رہا تھا مرا خونِ دل　　وہی آسماں پر شفق ہو گیا

چھپائے ہوئے تھے ترا رازِ عشق　　مگر اب تو سینہ بھی شق ہو گیا

مری موت سن کر کیا اس نے ضبط

مگر رنگ چہرے کا فق ہو گیا　　(غالباً مرادآباد)

گھڑی بھر میں نا آشنا ہو گیا　　نہ جانے مرے دل کو کیا ہو گیا

دھڑکنے لگا دل، نظر جھک گئی
کبھی اُن سے جب سامنا ہو گیا
مرے سر پہ احسان ہے عشق کا
مرا رنگ ہی دوسرا ہو گیا
نمایاں ہیں چہرے سے آثارِ عشق
جگرؔ! آج سے باخدا ہو گیا (غالباً مرادآباد)

تری یاد کی اُف یہ سرمستیاں
کوئی جیسے پی کر شراب آ گیا
مرا اُن کا ہنسنا بگڑنا ہی کیا
نگاہیں ملیں، اور حجاب آ گیا
اداؤں میں شوخی پہ چھلکنے لگی
قیامت کو لے کر شباب آ گیا
اِدھر جوشِ مستی، اُدھر چشمِ شوق
مصیبت میں بندِ نقاب آ گیا
جگرؔ! یہ قیامت کی بے ہوشیاں
اُٹھو، سر پہ اب آفتاب ہو گیا (فتحپور)

بغور دیکھ لو انداز میرے مٹنے کے
یہ سانحہ نہ کبھی پھر نظر سے گزرے گا
قریبِ سرحدِ حرماں جگرؔ! ٹھہر جاؤ
سُنا ہے قافلۂ غم اِدھر سے گزرے گا

(مرادآباد)

تصویر امیدوں کی آئینہ ملالوں کا — انساں جسے کہتے ہیں محشر ہے خیالوں کا

کیا خاک جواب انکو دوں انکے سوالوں کا — لب خشک ہیں زخموں کے منہ بند ہے چھالوں کا

ہاں ٹھیس نہ لگ جائے اے درد غم فرقت!

دل آئینہ خانہ ہے، آئینہ جمالوں کا

دل پہ طاری جیسی وضعف کا عالم ہوا — گھٹ گئی اتنی ہی طاقت درد جتنا کم ہوا

آہ رو لینے سے بھی کب بوجھ دل کا کم ہوا

جب کسی کی یاد آئی، پھر وہی عالم ہوا

حشر کے دن وہ گنہگار نہ بخشا جائے — جس نے دیکھا تری آنکھوں کا پشیماں ہونا

پردہ رکھنا تھا جو منظور تو عاشق کیلئے — دامن یار کو لازم تھا، گریباں ہونا

سن کے افسانہ غم باغ میں کھلا گئے پھول — شاق گزرا مجھے بلبل کا غزلخواں ہونا

جس کو نعمت یہ ملے کیوں وہ ہے آزردہ

سو خوشی، ایک ترے غم میں پریشاں ہونا

(غالباً مراد آباد)

پریشاں ہو کے زلفوں کا وہ اُس رُخ پر بکھر جانا

وہ سوتے سوتے چونک اُٹھنا، وہ لیٹے لیٹے ڈر جانا

ہر اک لرزش پہ چیخ اُٹھنا، ہر اک جنبش پہ ڈر جانا

قفس تک ہائے میرا اس طرح بے بال و پر جانا

نقشِ وفا کا رنگ مٹایا نہ جائے گا — مل بھی گیا جو زہر تو کھایا نہ جائے گا

سر سے جنونِ عشق کا سایا نہ جائے گا — تم سے بھی یہ طلسم مٹایا نہ جائے گا

دل نے اگر چھپا بھی لیا داغِ آرزو — آنکھوں سے تو یہ راز چھپایا نہ جائے گا

مجھ ناتوانِ عشق کو سمجھا ہے تم نے کیا — دامن پکڑ لیا تو چھڑایا نہ جائے گا

اُن کو بُلا کے اور پشیماں ہوئے جگر

یہ کیا خبر تھی ہوش میں آیا نہ جائے گا (غالباً مراد آباد)

جان ہے بے قرار سی جسم ہے پائمال سا — اب وہ دل نہ وہ جگر صرف ہے اک خیال سا

چاہیے عشق میں مجھے آپ ہی کا جمال سا — داغ ہر ایک بدر سا، زخم ہر اک ہلال سا

جس نے بنا دیا مجھے وحشی و خستہ حال سا — ہائے وہ شکل چاند سی ہائے وہ قد نہال سا

دل پہ میرے گرائی تھیں تم نے ہی بجلیاں مگر — آؤ نظر کے سامنے مجھ کو ہی احتمال سا

ہائے ری وہ عتاب میں اُنکی ادائیں مشکل — آنکھیں بھی سُرخ سُرخ سی چہرہ بھی لال لال سا

اُٹھتے ہی پائے یار کے باغ کا باغ اجڑ گیا — پھول بھی ہیں تباہ سے سبزہ بھی پائمال سا

حُسن کی سحر کاریاں عشق کے دل سے پوچھئے — وصل کبھی ہے ہجر سا ہجر کبھی وصال سا

گم شدگانِ عشق کی شان بھی کیا عجیب ہے — آنکھ میں اک سرور سا چہرے پہ اک جلال سا

یاد ہے آج تک مجھے پہلے پہل کی رسم و راہ
کچھ انھیں اجتناب سا کچھ مجھے احتمال سا (گونڈوی)

ہم اسیرانِ جنوں سے کوئی پوچھے آکر — جیتے جی قیدِ تعلق سے رہا ہو جانا

نالۂ دل جو سلامت ہے تو کیا مشکل ہے — روز اُس کوچے میں اک حشر بپا ہو جانا

خاکِ مجنوں سے یہ آتی ہیں صدائیں اب تک — زندگی ہے غمِ دلبر میں فنا ہو جانا

نگہِ شوق نے سب کھول دیے بندِ نقاب — سہل سمجھے تھے وہ پابندِ حیا ہو جانا

ہائے وہ ضبطِ محبت کی جفائیں سرِ بزم — دل میں گھُٹ گھُٹ کے وہ آہوں کا فنا ہو جانا

رشک آتا ہے شہیدانِ وفا پر مجھ کو — اُنکی قسمت میں تھا کیا جلد فنا ہو جانا

(کانپوری)

حسرت سے دیکھتا ہوں ہر اک شاخ گل کی سمت

یہ ضعف اور ہائے یہ عالم بہار کا

جس پر برس گئی کبھی برقِ جمالِ یار

ہر ذرّہ آفتاب ہے اُس کے مزار کا

آج کیا حال ہے یارب! سرِ محفل میرا — کہ نکالے لئے جاتا ہے کوئی دل میرا

سوزِ غم! دیکھ، نہ برباد ہو حاصل میرا — دل کی تصویر ہے، ہر آئینۂ دل میرا

صبح تک ہجر میں کیا جانئے کیا ہوتا ہے — شام ہی سے مرے قابو میں نہیں دل میرا

مل گئی عشق میں ایذا طلبی سے راحت — غم ہے اب جان مری، درد ہے اب دل میرا

پایا جاتا ہے تری شوخیِ رفتار کا رنگ — کاش پہلو میں دھڑکتا ہی رہے دل میرا

ہائے اس وقت کی قسمت جو ہو دل کا شریک — ہائے اس دل کا مقدر جو بنا دل میرا

کچھ کھٹکتا تو ہے پہلو میں مرے رہ رہ کر

اب خدا جانے تری یاد ہے، یا دل میرا (مراد آبادی گونڈہ)

لاکھوں میں انتخاب کے قابل بنا دیا — جس دل کو تم نے دیکھ لیا، دل بنا دیا

ہر چند کر دیا مجھے برباد عشق نے — لیکن انھیں تو شیفتۂ دل بنا دیا
پہلے کہاں یہ ناز تھے، یہ عشوہ و ادا — دل کو دعائیں دو تمھیں قاتل بنا دیا

آنکھوں کا تھا قصور نہ دل کا قصور تھا — آیا جو میرے سامنے میرا غرور تھا
تاریک مثلِ آہ، جو آنکھوں کا نور تھا — کیا صبح ہی سے شامِ بلا کا ظہور تھا؟
وہ تھی نہ مجھ سے دور نہ میں اُن سے دور تھا — آتا نہ تھا نظر، تو نظر کا قصور تھا
ہر وقت اک خمار تھا، ہر دم سرور تھا — بوتل بغل میں تھی کہ دلِ ناصبور تھا
کوئی تو دردمندِ دلِ ناصبور تھا — مانا، کہ تم نہ تھے، کوئی تم سا ضرور تھا
لگتے ہی ٹھیس ٹوٹ گیا سازِ آرزو — ملتے ہی آنکھ، شیشۂ دل چور چور تھا
ایسا کہاں بہار میں رنگینیوں کا جوش — شامل کسی کا خونِ تمنا ضرور تھا
ساقی کی چشمِ مست کا کیا کیجیے بیان — اتنا سرور تھا کہ مجھے بھی سرور تھا
پلٹی جو راستے ہی سے اے آہِ نامراد — یہ تو بتا کہ بابِ اثر کتنی دور تھا
جس دل کو تم نے لطف سے اپنا بنا لیا — اُس دل میں اک چھپا ہوا نشتر ضرور تھا

اُس چشمِ مے فروش سے کوئی نہ بچ سکا — سب کو، بقدرِ حوصلۂ، دل سرور تھا

دیکھا تھا کل جگر کو سرِ راہِ میکدہ
اس درجہ پی گیا تھا کہ نشے میں چُور تھا

(مراد آباد)

اللہ ری وارفتگی شوق کا عالم — میرا ابھی پتا اب سرِ منزل نہیں ملتا

کیا قیس کی پرشوق نگاہوں نے کیا سحر
محمل میں بھی اب صاحبِ محمل نہیں ملتا

رگ رگ میں دل تھا، دل میں نہاں سوز و ساز تھا — وہ دن بھی کیا تھے جب میں سراپا گداز تھا

وہ تھے بہار تھی، دلِ حسرت طراز تھا — پیہم اُدھر سے ناز، ادھر سے نیاز تھا

تاثیرِ جذبِ عشق کو، لیلے سے پوچھیے — جو ذرّہ خاکِ عشق کا تھا، دلگداز تھا

پہلے جو ختم ہو گئی یہ داستانِ غم — تو میں کہوں گا عرصۂ محشر دراز تھا

کیا کہہ دیا کسی نے کہ ملتے ہی چشمِ شوق — دونوں طرف سے دستِ تمنا دراز تھا

نازآفریں تھے انھیں اسپہ تھا غرور — میں تھا نیاز مند مجھے اس پہ ناز تھا

(گونڈہ یا منگلور شریف)

اس عشق میں پورا کبھی ساماں نہیں دیکھا ‏ دامن پہ نظر کی تو گریباں نہیں دیکھا

تازہ اثر اے جذبۂ پنہاں نہیں دیکھا ‏ ندرت ہوئی شمشیر کو عریاں نہیں دیکھا

اللہ ری، مجبوریِ آدابِ محبت ‏ گلشن میں رہے اور گلستاں نہیں دیکھا

بے کار گئی، سعیِ محبت بھی ہماری ‏ حاصل، بجز اک دیدۂ حیراں نہیں دیکھا

اللہ ری مری تیز روی جوشِ جنوں میں

مڑ کر جو نظر کی، تو بیاباں نہیں دیکھا

دل نہ تھا، جان نہ تھی، سوز نہ تھا ساز نہ تھا ‏ میں ہی میں تھا مرے ہمراہ کوئی راز نہ تھا

دم بخود رہ گئی بلبل ہی چمن میں ورنہ ‏ کونسا پھول تھا جو گوش بر آواز نہ تھا

ہم تھے اور سامنے اک جلوۂ حیرت افزا ‏ پردہ تھا اور کوئی پردہ بر انداز نہ تھا

حسرت اُس طائرِ مایوس کی حالت پر کہ جو

قید سے چھوٹ کے بھی مائلِ پرواز نہ تھا ‏ (گونڈہ)

شریکِ نالہ میرا بھی جو اندازِ فغاں ہوتا ‏ چمن میں کب خاموش بلبل کی زباں ہوتا

دمِ بسمل اگر تم چھیڑ دیتے دل کے زخموں کو ‏ لہو کا قطرہ قطرہ دردِ دل کی داستاں ہوتا

بہت رد کا، تمھارے وعدۂ دیدار نے ورنہ
وہاں ہوتی نہ میری بیخودی بھی میں جہاں ہوتا

خلوت میں غمِ فرقت اس طرح بیاں ہوتا — وہ میری زباں بنتے میں اُنکی زباں ہوتا
تھی سیر اگر میں بھی ساتھ اُنکے رواں ہوتا — آنسو بھی رواں ہوتے دریا بھی رواں ہوتا
یوں رازِ غمِ الفت سینے میں نہاں ہوتا — ہم خود بھی عیاں کرتے تو بھی نہ عیاں ہوتا

اے کاش نہ ہم اُٹھتے در سے ترے جیتے جی
جینا بھی یہاں ہوتا، مرنا بھی یہاں ہوتا (لکھنؤ)

آنکھوں میں اس طرح سے ترا شوقِ دید تھا — گویا مری نظر میں دلِ نا امید تھا

اللہ ری نشترِ غمِ فرقت کی تیزیاں
رگ رگ میں شورِ نشتروں قطع و برید تھا (مراد آباد)

کمالِ عشق بھی کیا کیا فریب کار رہا — کہ اپنے پر مجھے اکثر گمانِ یار رہا
جنوں میں سینے کو بیٹھے ہیں جیب کے ٹکڑے — خبر نہیں کہ گریباں بھی تار تار رہا
کہاں کے غمزہ و شوخی کہاں کے ناز و ادا — وہ تیر اور ہی تھا جو جگر کے پار رہا

اب اس سے بڑھ کے طلسمِ خیال کیا ہوگا کہ ذرّہ ذرّہ تو تصویرِ حسنِ یار ہوا

خزاں نہ تھی چمنستانِ دہر میں کوئی

خود اپنا ضعفِ نظر پردۂ بہار ہوا

رازِ اُس حسن کا ہندو نہ مسلماں سمجھا کچھ جو سمجھا، تو مرا دیدہ حیراں سمجھا

زخم کو، مرہمِ دل، درد کو درماں سمجھا چارہ گر، خوب علاجِ غمِ پنہاں سمجھا

عشق کا راز، وہی سوختہ ساماں سمجھا جس نے دامن کبھی جانا، نہ گریباں سمجھا

حشر میں بھی نہ اُٹھا آنکھ سے غفلت کا حجاب

اس کو بھی سلسلۂ خواب پریشاں سمجھا (غالباً گذشتہ)

اس عشق کے ہاتھوں سے ہرگز نہ مفر دیکھا اُتنی ہی بڑھی حسرت جتنا ہی اُدھر دیکھا

تھا کھیل سا پہلے عشق، لیکن جو کھلیں آنکھیں ڈوبا ہوا رگ رگ میں وہ تیرِ نظر دیکھا

سب ہو گئے اُٹھ اُٹھ کر اک بار نثارِ شمع پروانوں نے کیا جانے کیا وقتِ سحر دیکھا

وہ اشک بھری آنکھیں، وہ درد بھرے نالے اللہ نہ دکھلائے جو وقتِ سحر دیکھا

قرباں تری آنکھوں کے صدقے تری نظروں کے تھا حاصلِ صد ناوک جو زخمِ جگر دیکھا

جاتے رہے دم بھر میں سارے ہی گلے شکوے — اُس جانِ تغافل نے جب ایک نظر دیکھا

عہدِ غمِ فرقت میں دل اور جگر کیسے؟ — اِک زخم اِدھر پایا، اِک داغ اُدھر دیکھا

تھا باعثِ رسوائی، ہر چند جنوں میرا — اُن کو بھی نہ چین آیا جبتک نہ اِدھر دیکھا

اُس چشمِ غزالیں کو میخانۂ دل پایا — اُس روئے نگاریں کو فردوسِ نظر دیکھا

یوں دل کے تڑپنے کا کچھ تو ہے سبب آخر — یا درد نے کروٹ لی، یا تم نے اِدھر دیکھا

کیا جانیے کیا گزری ہنگامِ جنوں لیکن — کچھ ہوش جو آیا، تو اُجڑا ہوا گھر دیکھا

ماتھے پہ پسینا کیوں؟ آنکھوں میں نمی کیسی؟

کچھ خیر تو ہے تم نے کیا حالِ جگر دیکھا؟ (گونڈہ)

کانٹا تھا چشمِ یاس میں ایک ایک رگِ گل — میرے لیے چمن بھی بیابان نکل گیا

دستِ جنوں کا ضعف سے اُٹھنا محال تھا — کیا جانے کس طرح سے گریبان نکل گیا؟

دل میں تو آگ ہی وہی اب تک لگی ہوئی — مانا کہ چشمِ شوق کا ارمان نکل گیا

جوشِ جنوں سے کچھ نہ چلی ضبطِ عشق کی

سو سو جگہ سے آج گریبان نکل گیا (اعظم گڑھ)

مجھ کو، وہ لذّت ملی، احساس مشکل ہو گیا — رہتے رہتے دل میں تیرا درد بھی دل ہو گیا
اے نگاہِ یاس! یہ کیا رنگِ محفل ہو گیا — میں نے جس دل کی طرف دیکھا، مرا دل ہو گیا
لے ہی پہنچی بیخودیِ شوق، بزمِ یار تک — گو مجھے اک اک قدم، ایک ایک منزل ہو گیا

ابتدا وہ تھی، کہ تھا جینا محبت میں محال
انتہا یہ ہے کہ اب مرنا بھی مشکل ہو گیا

جب تو کچھ ظرف ہی اے دل ترے پیمانے کا — راز میخانے سے باہر نہ ہو میخانے کا
عرصۂ حشر کہاں، یہ دلِ برباد کہاں — وہ بھی چھوٹا سا ہی ٹکڑا اسی ویرانے کا
اُس کی تصویر کسی طرح نہیں کھنچ سکتی — شمع کے ساتھ تعلق ہی جو پروانے کا
جرعۂ مے کی ادائیں نگہِ ناز میں ہیں — چشمِ مخمور میں کل راز ہی میخانے کا

جذبۂ شوق نے دم لینے کا موقع نہ دیا
شمع مُنھ دیکھتی ہی رہ گئی پروانے کا (گونڈہ)

قدم کیا خاک اُٹھتے قیس کے، بیچارہ حیراں تھا — کہ ہر ذرہ دیارِ نجد کا تصویرِ جاناں تھا
خزاں کا دور، وہ پژمردہ غنچے، گُل وہ افسردہ — چمن لٹتا تھا یارب یا کوئی خوابِ پریشاں تھا

انھیں کی اک نگاہِ ناز کے سارے کرشمے تھے   نہ حسرت میری حسرت تھی نہ ارماں میرا ارماں تھا

وہ علم اور وہ تواضع، اور وہ طرزِ خود فراموشی

خدا بخشے جگر کو، لاکھ انسانوں کا انساں تھا   (اعظم گڑھ)

فروغِ حسنِ رُخ نکو نے، کیا یہ کیا انقلاب پیدا

حجاب پر ہی حجاب طاری نقاب پر ہے نقاب پیدا

حیا میں آئے تو رنگ مستی ادا میں ہو تو حجاب پیدا

وہ آنکھ خود ہی بنے گی ساقی نظر کرے گی شراب پیدا

سُنیں تو وہ میرا قصۂ غم نہیں تو وہ درد دل کے محرم

کریگا ایک ایک اشکِ حسرت ہزار چشم پر آب پیدا

کہاں کا میخانہ کس کا ساقی کچھ اور بڑھنے دو بیخودی کو

یہی بنائے گی جام و ساغر یہی کرے گی شراب پیدا

نظر کی ناکامیوں نے مجھ پر یہ راز ظاہر کیا، بالآخر

کہ بے حجابی میں بھی ہے تیری، ہزار رنگ حجاب پیدا

تڑپ دل کی، کہ بے حسی بھی، ہزار جاں سے نثار جس پر
سکون ایسا، کہ جس کی ہر ہر ادا سے لاکھ اضطراب پیدا (گونڈہ)

یہی ہے سب سے بڑھ کر محرمِ اسرار ہو جانا
میسر ہو اگر اپنا ہمیں دیدار ہو جانا

محبت میں کہاں ممکن ذلیل و خوار ہو جانا
کہ پہلی شرط ہے انسان کا خوددار ہو جانا

کھلے گا چارہ گر پر رازِ غم کیا درد کے ہوتے
کہ آتا ہے اسے خود نبض کی رفتار ہو جانا

ہوا کا اس طرف اُنکی نقابِ رخ الٹ دینا
اِدھر ایک اک لہو کی بوند کا سرشار ہو جانا

اثر لینا تھا ہم کو، ہر ادائے حسن سے اُنکی
مگر لازم نہ تھا رسوا سرِ بازار ہو جانا

گریں ہر ہر قدم پر بجلیاں راہِ محبت میں
بڑی مشکل سے آیا، طالبِ دیدار ہو جانا

اُدھر دامن کسی کا جھاڑ کر محفل سے اٹھ جانا
اِدھر نظروں میں ہر ہر چیز کا بیکار ہو جانا

وصال و ہجر کے جھگڑوں کی فرصت ہی نہ دی دل نے
مآلِ عاشقی تھا، روح کا بیدار ہو جانا

زباں گو چپ ہے لیکن دل میں تلاطم ہے وہی برپا
نہ آیا آج تک محوِ خیالِ یار ہو جانا

جگر وہ خاک ہی تو سرمۂ چشمِ دو عالم ہے
میسر ہو جسے صرفِ جمالِ یار ہو جانا (گونڈہ یا اعظم گڑھ)

کہاں ممکن تھا اُس چشمِ عنایت کا ادھر پھرنا — مگر کام آگیا میری فغاں کا بے اثر ہونا

گرتے گرتے ایک طوفانِ قیامت بن گیا — وہ جو اک آنسو مژہ پر تھا مری ٹھہرا ہوا

اب تو آنکھیں کھول اُو افتادۂ کوئے حبیب — جھانکتا ہے کوئی دروازے سے شرماتا ہوا

دیدۂ حق بیں میں کیسا فرق؟ کیسا امتیاز؟ — ایک ہی جلوہ کہیں مجنوں کہیں لیلا ہوا

ذرّے ذرّے میں تھی ہماری ایک موجِ انقلاب — منظرِ فطرت کو میں دیکھا کیا سہما ہوا

اللہ اللہ یہ کمالِ جذبۂ پنہانِ عشق — جو گرا آنکھوں سے آنسو حُسن کا دریا ہوا

بڑھتے بڑھتے آفتابِ روزِ محشر بن گیا — دل کی خاکستر میں اک شعلہ تھا جو بھڑکا ہوا

لے چلا ہوں میں بھی، نذرِ حسنِ جاناں کو جگر!

ساتھ دل کے ایک سازِ آرزو ٹوٹا ہوا (سلطان پور)

(ب)

صیّاد مجھ سے دُور ہی خوش باغباں ہے اب   جس شاخ پر نگاہ کروں آشیاں ہے اب

نازک لبوں پہ شکوۂ دردِ نہاں ہے اب   اُن کا دہن ہے، اور ہماری زباں ہے اب

چشمِ طلب میں اور کوئی آشیاں ہے اب

میرے لئے قفس مجھے سارا جہاں ہے اب

دل کی کیا تاب کہ پہنچے صفِ مژگاں کے قریب   جلوے خود لوٹ رہے ہیں رُخِ تاباں کے قریب

خون ہو کے بھی جاتے ہیں سب قلب و جگر   کوئی نشتر نہ ہو پوشیدہ رگِ جاں کے قریب

داغِ فرقت کے دہکتے ہوئے انگارے ہیں   ہاتھ لانا نہ مرے سینۂ سوزاں کے قریب

تابِ دیدارِ رُخِ یار، کہاں سے لاؤں   گر پڑی جا کے نظر، گوشۂ داماں کے قریب

گر نہیں، تھا رہِ محبت کی کرم فرمائی   پھر یہ کیا چیز کھٹکتی ہے رگِ جاں کے قریب

شوق نے توڑ ہی ڈالے تھے محبت کے قیود   ہوش آیا ہے پہنچ کر درِ جاناں کے قریب

ہو چکے حسرت و امید و الم سب رخصت   اب نہیں کوئی مریضِ شبِ ہجراں کے قریب

جب ہمیں مٹ گئے ارمان ہیں پا بوسی کے　　خاک پہنچی بھی تو کیا، گوشۂ داماں کے قریب

عشق میں سیرِ گل و لالہ ہے تمہیدِ جنوں　　چاہیئے ایک بیاباں بھی گلستاں کے قریب

میں جگرؔ لاکھ ہوں، آوارہ و سرگشتہ مگر
دل ہر اک حال میں ہے حضرتِ احسانؔ[۱] کے قریب　　(گونڈہ)

---

۱ جناب مرزا احسان احمد صاحب بی اے، ایل ایل بی (علیگ) ایڈوکیٹ اعظم گڑھ

(پ)

صبر کے ساتھ مرا دل بھی لئے جائیں آپ ‏ ‏ اسقدر رحم مرے حال پہ فرمائیں آپ

دیکھئے میری تمناؤں کا احساس رہے ‏ ‏ باغ فردوس میں تنہا نہ چلے جائیں آپ

میری رگ رگ میں سما کر بھی یہ پردہ مجھ سے ‏ ‏ ظلم ہے ظلم جو آئینے سے شرمائیں آپ

کر دیا دردِ محبت نے مرا کام تمام ‏ ‏ اب کسی طرح کی تکلیف نہ فرمائیں آپ

ملتے کرتے ہوئے رہ رہ کے یہ آتا ہے خیال
کہ مری طرح نہ دل تھام کے رہ جائیں آپ

(مراد آباد)

(ج)

لب پہ نالہ ہے مرے اور نہ فریاد ہے آج　　کچھ عجب طرح سے بےچین تری یاد ہے آج

کیا قیامت، نگہِ یاس کی بیداد ہے آج　　کہ نشیمن بھی مجھے خانۂ صیاد ہے آج

بر سرِ رحم، وہ شوخِ ستم ایجاد ہے آج　　نالہ بھی نالہ ہے، فریاد بھی فریاد ہے آج

حسرتِ قید بھی اب دل سے نکل جائیگی　　مژدہ اے شوق! کہ خالی کفِ صیاد ہے آج

ایک اک حرف، غمِ دل کا سنانا ہے انہیں

کل اگر بھول نہ جاؤں جو مجھے یاد ہے آج　　(اعظم گڑھ)

اور ہی کچھ کہہ رہا ہے رنگِ بیتابانہ آج　　اُڑ نہ جائے شمع کو لیکر کہیں پروانہ آج

کام آخر کر گئی، وہ نرگسِ مستانہ آج　　بھر گیا، بے منتِ ساقی، مرا پیمانہ آج

چھک گیا ایک ایک میکش اُس نگاہِ مست سے

تم اِدھر دیکھا کیے، اور لٹ گیا میخانہ آج

(اعظم گڑھ)

(و)

نظر بھی ساتھ رہی ہے قدم قدم پہ مری   پھرا ہے صحن چمن میں جہاں جہاں صیاد

سُناؤں آہ کسے سرگزشتِ سیر چمن

نہ ہم خیال فلک ہے، نہ ہم زبان صیّاد

(ر)

ذرے ذرے سے نمایاں شان قدرت دیکھ کر   کھل گئیں آنکھیں، طلسم حُسنِ فطرت دیکھ کر

یہ ہجوم غم، یہ اندوہ و مصیبت دیکھ کر   اپنی حالت دیکھتا ہوں اُنکی صورت دیکھ کر

کپکپی سی ہے بدن میں، زرد چہرہ، دل اداس   چپ کھڑے ہیں دور میری خاک تربت دیکھ کر

عمر بھر کا ساتھ، رنج و غم میں دے سکتا ہے کون   شمع بھی رخصت ہوئی میری مصیبت دیکھ کر

گوشے گوشے میں ہے پنہاں جلوہ برق چمن   یاد آ گئی گھٹا میرے گھر لے شام فرقت دیکھ کر

چارہ سازوں سے مریضِ غم کو فرصت مل گئی
ہو چکے مایوس آثارِ طبیعت دیکھ کر (گونڈہ)

لالہ و گل کو دیکھتے، کیا یہ بہار دیکھ کر
رہ گئے بیخودی میں ہم، صورتِ یار دیکھ کر

ہائے وہ جوشِ ربط و ضبط، ہائے یہ بے تعلقی
اشک بھر آئے آنکھ میں، کوچۂ یار دیکھ کر

یاد کسی کی آہ، کیا کہہ گئی آ کے کان میں
زورِ جنوں سوا ہوا، جوشِ بہار دیکھ کر

شوق نے چٹکیاں سی لیں، حسرتِ دل مچل گئی
میری طرف بڑھا ہوا دامنِ یار دیکھ کر

ان سے بھی ہو سکا نہ ضبط، ان کو بھی رحم آ گیا
پائے برہنہ دیکھ کر، جسم فگار دیکھ کر

تھی یہ ہوس کہ دیکھئے خال و خط و بہارِ حسن
آنکھیں ہی چوندھیا گئیں، جلوۂ یار دیکھ کر

(س)

وہ چمن میرا چمن ہے، وہ قفس میرا قفس
جس کے گوشے گوشے میں صدہا چمن صدہا قفس

ہائے کس بلبل نے اے صیاد پھر دیکھا قفس
بال و پر بکھرے پڑے ہیں آشیاں سے تا قفس

عشق میں کیا لالہ و گل کیا چمن کیا قفس
میں ہی خود اپنا گلستاں میں ہی خود اپنا قفس

سو بہاروں کی ہے جاں اک میری چشمِ خونچکاں
سارے گلشن کی حقیقت اک مرا آشنا قفس

خاک ہو اپنی رسائی جلوہ گاہِ یار تک
حسن کا عالم گلستاں، عشق کی دنیا قفس

عشق میں آزاد ہو کر کیا کروں سیرِ بہار
اس گلستاں کا نظر آتا ہے ہر تنکا قفس

اضطرابِ دل کے ہاتھوں سب برابر ہیں مجھے
کیا بیاباں کیا گلستاں کیا نشیمن کیا قفس

کچھ تو ایسی بات ہے جی بیٹھا جاتا ہے مرا
ورنہ اس سے پہلے کیا میں نے نہ دیکھا تھا قفس؟

رکھ دیے ہیں سامنے لا کر کمالِ عشق نے
اک طرف صدہا گلستاں اک طرف صدہا قفس

ہم جدھر نکلے، ادھر اک چھا گئی تازہ بہار
ہم جہاں بیٹھے وہیں اک کر لیا پیدا قفس

کیا چمن کا حال مجھ سے پوچھتا ہے ہمنشیں!
میرا کل حاصل اسیری میری کل دنیا قفس

باغباں مجھ سے ہے خوش صیاد مجھ پر مہرباں　　اب چمن میرا چمن ہے اب قفس میرا قفس
دو ہی دن میں ہو گیا اے دل یہ کیسا انقلاب؟　　کل تھا کل عالم گلستاں آج کل دنیا قفس

میں وہ غیرت مند بلبل تھا، دکھایا پھر نہ منہ
بوئے گل آ آ کے ڈھونڈا کی قفس سے تا قفس

(بنارس و اعظم گڑھ)

(ض)

وہ مست مانندِ رِند آنکھیں، وہ سُرخ مثلِ گلاب عارض

جو ہیں مجسّم شراب آنکھیں تو ہیں سراپا شباب عارض

دلوں کو بےچین کر رہی ہے، بنی ہوئی برق، اُنکی شوخی

نظر کو تیرہ بنا رہا ہے، لئے ہوئے آفتاب عارض

برس رہا ہے یہ رنگِ مستی کہ ہوش باقی نہیں کسی کو

نگاہیں اُن کی جھکی ہوئی ہیں، پلا رہا شراب عارض

(گونڈہ)

(م)

فرصت کہاں کہ چھیڑ کریں آسماں سے ہم — لپٹے پڑے ہیں لذتِ دردِ نہاں سے ہم

اس درجہ بیقرار تھے دردِ نہاں سے ہم — کچھ دور آگے بڑھ گئے عمرِ رواں سے ہم

کب تک رہیں گے دور ترے آستاں سے ہم — اب پہنچے شرط باندھ کے عمرِ رواں سے ہم

اے چارہ ساز حالتِ دردِ نہاں نہ پوچھ — اک راز ہے جو کہہ نہیں سکتے زباں سے ہم

تقدیر نے اسے بھی نظر سے چھپا دیا — رستے لپٹ کے گردِ پسِ کارواں سے ہم

سو جائیں ہو کے لذتِ آزار پر نثار — باز آئے چارہ سازیِ دردِ نہاں سے ہم

بیٹھے ہی بیٹھے آ گیا کیا جانے کیا خیال — پھر دل لپیٹ کے رو دیے دلِ ناتواں سے ہم

پوچھیں گے سرگزشتِ مصیبت کی ابتدا — اب کے اگر ملے دلِ حسرت نشاں سے ہم

بے تابیوں نے کام دیا دستِ ناز کا
آخر لپٹ کے سو گئے دردِ نہاں سے ہم

(نگینہ)

اللہ ری حسن و عشق کی سحر آفرینیاں — خوش ہو رہے ہیں گھر کا گھروندا بنا کے ہم

کس کس پہ جان دیجئے کس کس کو چاہئے؟ گم ہو گئے ہیں بزم تمنا میں آکے ہم

اتنے حجابوں پر تو یہ عالم ہے حسن کا کیا حال ہو جو دیکھ لیں پردہ اٹھا کے ہم

یہ بے دلی کا زور ہے ساقی کے ہجر میں جی چاہتا ہے پھینک دیں ساغر اٹھا کے ہم

تاثیرِ جذب عشق کا اللہ رے کمال

آئینہ بن گئے تری اِک اِک ادا کے ہم

(گونڈہ)

(ن)

سرورِ غم نہ کبھی ہوگا اب قیامت تک | خُمِ حجاز کی پی کر شراب آتے ہیں

کوئی یہ جا کے درِ پاک پر خبر کر دے | خراب حال، بحالِ خراب آتے ہیں

کہو یہ حضرتِ موسیٰؑ سے اب سنبھل جائیں | حضورؐ آتے ہیں اور بے نقاب آتے ہیں

وہ رند ہوں، کہ صبوحی کے واسطے ہر روز
فرشتے لے کے خُمِ آفتاب آتے ہیں

اے کاش وہ حسرتِ نسوۂ طور کو ملتی | جس آنکھ سے ہم حسنِ بتاں دیکھ رہے ہیں

ہر چند کہ تھمتے نہیں آنسو صفتِ شمع | بالائے تری محفل کا سماں دیکھ رہے ہیں

پھر آپ نے چھیڑی وہی گیسو کی حکایت | ہر چند کہ زورِ خفقاں دیکھ رہے ہیں

تا چند کریں ضبط مرے آبلۂ پا
سوکھی ہوئی کانٹوں کی زباں دیکھ رہے ہیں

غم سے چھوٹوں تو اُدھر دیکھوں میں — دل کو رو لوں، تو جگر دیکھوں میں

نگہِ یاس! اثر دیکھوں میں — دامنِ یار بھی تر دیکھوں میں

آشیاں کے جو اُٹھا لوں تنکے — اپنے ٹوٹے ہوئے پر دیکھوں میں

داغ ہی داغ نظر آتے ہیں — کس طرح قلب و جگر دیکھوں میں

دم گھٹا جاتا ہے، اے دستِ جنوں! — چاک دامانِ سحر دیکھوں میں

نہ وہ محفل ہے، نہ پروانے — خاک اے شمعِ سحر! دیکھوں میں

دل دیوانہ! یہ قسمت میری — کہ تجھے خاک بسر دیکھوں میں

نزع میں ڈھونڈ رہی ہیں آنکھیں — کاش انھیں ایک نظر دیکھوں میں

چھوٹ جاؤں جو غمِ ہستی سے

بھول کر بھی نہ اِدھر دیکھوں میں (مراد آباد)

عرش سے ہو کے مایوس دعائیں آئیں — میں یہ سمجھا کہ مرے گھر میں بلائیں آئیں

میں نے جب شرم سے محشر میں جھکا لی گردن — بخشوانے کو مجھے میری خطائیں آئیں

کیجئے اور کوئی ظلم، اگر ضد ہی ہے — لیجئے اور مرے لب پہ دعائیں آئیں

مدتوں یاد دلایا گیا افسانۂ غم — دل اگر خاک ہوا دل کی صدائیں آئیں

کسی بیکس کا پڑا صبر کسی پر شاید — آج اُس سمت سے ناسازہوائیں آئیں

اُف نہ پوچھو شبِ غم شام سے لیکر تا صبح — کیا بھیانک مرے کانوں میں صدائیں آئیں

میں نے جب مرحلۂ عشق کیا ختم جگرؔ!

مرحبا کی مرے کانوں میں صدائیں آئیں (مراد آباد)

اُس کوچے میں ہوں صورتِ یک نقشِ وفا میں — دنیا نے مٹایا مجھے لیکن نہ مٹا میں

بن بن کے مٹاؤ نہ مرا نقشۂ ہستی — مٹ مٹ کے بنا ہوں ہمہ تن نقشِ وفا میں

اے اہلِ حقیقت! مجھے آنکھوں پہ بٹھاؤ

طے کرکے چلا آتا ہوں میدانِ وفا میں (گونڈہ)

سراپا آرزو ہوں درد ہوں داغِ تمنا ہوں — مجھے دنیا سے کیا مطلب کہ میں آپ اپنی دنیا ہوں

کبھی کیفِ مجسّم ہوں کبھی شوقِ سراپا ہوں — خدا جانے کہ کس کا درد ہوں کس کی تمنا ہوں

مجھے جنبش میں کیا لائیگی موجِ صرصرِ عالم — حریمِ قدس کہتے ہیں جسے میں اُسکا پردا ہوں

کبھی میں حسن کا عالم کبھی میں عشق کی دنیا — نثار اپنے پہ ہو جاؤں اگر سو بار پیدا ہوں

(خانۂ باغ گونڈہ)

لب پہ نالہ نہیں، شکوہ نہیں، فریاد نہیں — پھر بھی کہتے ہیں کہ تو لائقِ بیداد نہیں

ضبطِ غم کا متحمل دلِ مہجور نہیں — اب یہ جی سے بھی گزر جائے تو کچھ دور نہیں

طلبِ خلد نہیں، آرزوِ حور نہیں — تم جو مل جاؤ، تو پھر کچھ مجھے منظور نہیں

اللہ اللہ رے یہ رنگِ حقیقت کی بہار — کون سا خون کا قطرہ ہے جو منصور نہیں

سخت مشکل سے پڑا آج گریباں پہ ہاتھ — میں سمجھتا تھا کہ یہ فاصلہ کچھ دور نہیں

دل کے ہوتے ہوئے جاتے ہو کہاں اے موسیٰ!؟

اس میں کیا کچھ جلوے ہیں ایسے کہ سرِ طور نہیں (اعظم گڑھ)

کیا آگیا خیال دلِ بے قرار میں — خود آشیاں کو آگ لگا دی بہار میں

محشر میں عرضِ شوق کی امید کیا کروں — دل ہی تو ہے، رہا نہ رہا اختیار میں

دستِ جنونِ عشق کی گلکاریاں تو دیکھ — ڈوبا ہوا ہوں سر سے قدم تک بہار میں

صورت دکھا کے پھر مجھے بیتاب کر دیا — اک لطف آ چلا تھا غمِ انتظار میں

رگ رگ میں دل ہے، دل میں تڑپ دردِ عشق کی — محشر بپا ہوا ہوں تمنائے یار میں

تھم تھم کے دل سے چھیڑ ہو، تیر نگاہ یار!
کیا لطف، جب ہمیں نہ رہے اختیار میں (اعظم گڑھ)

چھوڑا نہ تپ عشق نے کچھ بھی کسی گھر میں   دل سی جو لگی آگ بجھی جا کے جگر میں
اب شمع بھی بجھتی ہے، مرا دم بھی لبوں پر   کیا دیر ہے یارب! شبِ فرقت کی سحر میں

پھر برق سے مجھ کو نہ رہے کوئی شکایت
ایسی ہی لگے آگ، جو صیاد کے گھر میں (مراد آباد)

یہی کہہ کے تسلی دل ناشاد کرتے ہیں   کہ ایسا بھی کبھی ہوتا ہے؟ وہ خود یاد کرتے ہیں

بنا کر اپنے ہاتھوں آشیاں برباد کرتے ہیں
جو تیرا کام تھا، وہ بھی ہم اے صیاد کرتے ہیں

اچھا ہے، پاس اگر کوئی غمخوار بھی نہیں   اب میرا حال لائق اظہار بھی نہیں
حسرت سی اب نگہ طرف یار بھی نہیں   یعنی کہ ہم میں طاقتِ دیدار بھی نہیں
دامان و جیب ہو گئے نذر جنوں تمام   باقی کفن کیواسطے اک تار بھی نہیں
صیاد! میری دم کی ہیں سانسیں یہ جب   جب ہیں نہیں تو رونق گلزار بھی نہیں

کچھ یہ، کہ عرضِ شوق کی طاقت نہیں مجھے　　اور کچھ یہ ہی، کہ مصلحتِ یار بھی نہیں
وہ دل، کہ جس پہ حرفِ تمنا بھی بار تھا　　اب صرفِ شکوہ سنجیِ اغیار بھی نہیں

دل میں ہجومِ شوق کا عالم نہ پوچھیے؟
گنجائشِ خیالِ رُخِ یار بھی نہیں　　(اعظم گڑھ)

خوفِ صیاد سے عالم ہے یہ بیتابی کا　　کہ ابھی ہوں تو ابھی صحنِ گلستاں میں نہیں
بچ رہا ہو جو کوئی جوشِ جنوں کے ہاتھوں
تار ایسا کوئی اب جیب و گریباں میں نہیں　　(اعظم گڑھ)

عنایت کی جس پر نظر دیکھتے ہیں　　ہم اس کا دل، اس کا جگر دیکھتے ہیں
وہی راہ چلتے ہیں عشاق اُن کے　　کہ جس راہ کو پُرخطر دیکھتے ہیں
فلک کے ستم، آشیاں میں ہم اپنے
سمیٹے ہوئے بال و پر دیکھتے ہیں　　(اعظم گڑھ)

ڈوب کر دل میں وہ نظریں تیر و پیکاں ہو گئیں　　رہ گئیں جو دل کے باہر نشترِ جاں ہو گئیں
حسن کی شانیں تھیں جتنی سب نمایاں ہو گئیں　　جو ترے رُخ سے بچیں رنگِ گلستاں ہو گئیں

اور بھی میرے لئے آفت کا ساماں ہو گئیں
ہائے وہ مخمور آنکھیں جب پشیماں ہو گئیں

دھجیاں باقی ہیں جتنی اب رہے کس کام کی
جو گریباں ہونے والی تھیں گریباں ہو گئیں

ہو چلی تھیں عرضِ غم پر وہ نگاہیں تیز تیز
پھر نہ جانے کیا خیال آیا پشیماں ہو گئیں

عرصہ گاہِ عشق میں آزادیاں کس کو نصیب
خود مری آہیں مجھے دیوارِ زنداں ہو گئیں

اب کہاں دل کی تمناؤں کی بزم آرائیاں
آنکھ جھپکی تھی کہ سب خوابِ پریشاں ہو گئیں

ان جنوں سامانیوں پر کیا رہائی کی امید
حسرتیں بھی دفن زیرِ خاکِ زنداں ہو گئیں

عشق کی بےتابیاں کب چھوڑ سکتی ہیں مجھے
فرق اتنا ہے کہ اب آنکھوں سے پنہاں ہو گئیں (گونڈہ)

دل کی تسکیں کے لئے دو پھول دامن میں نہیں
اسطرح ہوں آج گلشن میں کہ گلشن میں نہیں

چین اسیرانِ قفس کو یادِ گلشن میں نہیں
ڈرتی ہیں بجلیاں سیلابِ خرمن تن میں نہیں

وہ گلوں پر تازگی، وہ رونقِ گلشن میں نہیں
خاک سی اڑتی ہی ہیں جب سے نشیمن میں نہیں

چھوٹنا قیدِ قفس سے کیا قیامت ہو گیا
اب برائے نام بھی راحت نشیمن میں نہیں

اس طرف صیاد کی نظریں اُدھر نالے مرے
یا وہ گلشن میں نہیں یا اب میں گلشن میں نہیں

دید کے قابل ہی یہ رنگِ شکستگی مرا ۔۔۔ ڈھونڈھتی ہی برق مجھکو میں نشیمن میں نہیں

کیوں خزاں میں سر جھکائے مضمحل بیٹھا رہوں ۔۔۔ میری نظروں میں تو ہیں جو پھول گلشن میں نہیں

رک گئی کنجِ قفس میں خود بخود میری زباں

شاید اک تنکا بھی باقی اب نشیمن میں نہیں ۔۔۔ (گونڈہ)

جوش وہ رنگینیوں کا اُنکے پیکاں میں نہیں ۔۔۔ کیا کوئی قطرہ لہو کا اب رگِ جاں میں نہیں

کوئی دیوانہ ہی اس عہدِ پریشاں میں نہیں ۔۔۔ ورنہ جو صحرا میں قیدی ہیں وہ زنداں میں نہیں

فیضِ سوزِ عشق سے اے دل سراپا داغ ہوں ۔۔۔ جو بہار اب مجھ میں ہی سارے گلستاں میں نہیں

نالۂ پر درد بوئے سوزِ دل داغِ جگر ۔۔۔ یہ بہاریں ہیں قفس کی جو گلستاں میں نہیں

پھر نہ دی ہو روح جس میں وحشتِ دل نے مری

ایک ذرہ بھی کوئی ایسا بیاباں میں نہیں ۔۔۔ (ضلع رائے بریلی)

جواب اُن کا کہاں سارے جہاں میں ۔۔۔ دبی ہیں بجلیاں جو آشیاں میں

لبوں تک جان بھی کھنچ آئی یارب ۔۔۔ توقف کیا ہے مرگِ ناگہاں میں؟

جگہ پر اپنی چھوڑ آیا ہوں صیاد ۔۔۔ لہو کے چند قطرے آشیاں میں

اشارہ ہے کسی کی اک نظر کا　　وگرنہ، کیا ہے جانِ ناتواں میں؟

تبا دے بیخودیِ عشق! اتنا　　قفس میں ہوں کہ ہوں میں آشیاں میں؟

حقیقت کھول کر اک دن رہیں گے　　وہ آنسو، جو ہیں چشمِ رازداں میں

بڑھی جاتی ہے وحشت ہر قدم پر　　چھپا جاتا ہوں گردِ کارواں میں

یہ رنگِ اتحاد! اللہ اکبر　　شبیہِ دل ہے، ہر اشکِ رواں میں

جرس کے بھی جو اُٹھ کر ہوش کھو دیں　　وہ نغمے ہیں مٹ سازِ فغاں میں

رہی لرزاں ہمیشہ ان سے بجلی　　جو تنکے بچ رہے تھے آشیاں میں

کئے جا، نالے۔ اے بلبل! کئے جا

قفس بھی مل رہے گا آشیاں میں　(غالباً اعظم گڑھ)

یہ نہ پوچھو دہر میں کب سے میں اسی طرح خانہ خراب ہوں

جو نہ مٹ سکا، وہ طلسم ہوں، جو نہ اُٹھ سکا، وہ حجاب ہوں

مجھے غیر سمجھیں نہ اہلِ دل، ہمہ تن اگرچہ حجاب ہوں

جو تہاں ہی میری نظر سے بھی ہیں اُسی کے رُخ کی نقاب میں

نہ تعلقات کی حد کوئی، نہ توقعات کی حد کوئی
جو کبھی سمجھ میں نہ آ سکے، وہ میں ایک فردِ حساب ہوں

نہ صدائے بلبلِ خوش بیاں، نہ سرودِ بزم پری رخاں
جو بھرا ہے نغمۂ درد سے، وہ میں ایک تارِ رباب ہوں

(گونڈہ)

(و)

کسی نے پھر نہ سُنا، درد کے فسانے کو
مرے نہ ہونے سے راحت ملی زمانے کو

اب اسمیں جان مری جائے یا رہے صیّاد!
بہار میں تو نہ چھوڑوں گا آشیانے کو

چلا نہ پھر کوئی مجھ پر فریب ہستی کا
لحد تک آئی اجل بھی مرے منانے کو

فلک! ذرا مری بے بسی کی داد تو دے
قفس میں بیٹھ کے روتا ہوں آشیانے کو

وفا کا نام کوئی بھول کر نہیں لیتا
ترے سلوک نے چونکا دیا زمانے کو

قفس کی یاد میں پھر جی یہ چاہتا ہے جگر!
لگا کے آگ نکل جاؤں آشیانے کو

جب کبھی چھیڑا جنوں نے دیدۂ خونبار کو
بھر دیا پھولوں سے ہم نے دامنِ کہسار کو

کہیں لگ جائے نہ اُنکی حسرتِ دیدار کو
اے ہجومِ غم! سنبھلنے دے ذرا بیمار کو

فکر ہے زاہد کو حور و کوثر و تسنیم کی
اور ہم جنت سمجھتے ہیں ترے دیدار کو

دیکھنے والے نگاہِ مستِ ساقی کے کبھی
آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں ساغرِ سرشار کو

ہر قدم پر، ہر روش پر، ہر ادا پر، ہر جگہ　　دیکھنا پڑتا ہے انداز نگاہِ یار کو

لاکھ سمجھایا جگر کو ایک بھی مانی نہ بات
دُھن لگی تھی کو چۂ قاتل کی سیرِ یار کو　　(گونڈہ)

واقفِ غمِ اُلفت سی نہ دل ہو نہ جگر ہو　　(یوں مجھ سے ملو تم، کہ مجھے بھی نہ خبر ہو)
یہ سر ہو اور اُس شوخ ستمگار کا در ہو　　اس طرح بسر ہو، تو بہت خوب بسر ہو
اس قہر و غضب پر تو فدا دیدۂ دل ہیں　　کیا حال ہو میرا جو عنایت کی نظر ہو
سر رکھ ہی دیا سنگِ در یار پہ میں نے　　اب حشر بھی اُٹھے تو مجھے کچھ نہ خبر ہو
حالتِ دلِ مایوس کی دیکھی نہیں جاتی　　اللہ کرے جلد شبِ غم کی سحر ہو

رہ رہ کے تڑپ جاتی ہی سینے میں کوئی چیز
ایسا نہ ہو بیتاب تمہاری ہی نظر ہو　　(گونڈہ)

وفورِ کیف سے دل اتنا بیقرار نہ ہو　　میں ڈر رہا ہوں کہ مضطر نگاہِ یار نہ ہو
شریکِ عشق اگر عقل پردہ دار نہ ہو　　نظر کے سامنے کچھ بھی سوائے یار نہ ہو
نگاہِ یار کا، ممکن نہیں کہ دار نہ ہو　　خود اپنا عیب ہی سینہ اگر دگار نہ ہو

دکھاؤں داغِ محبت جو ہو قصور معاف — سناؤں قصۂ فرقت جو ناگوار نہ ہو

کہاں کے سرو و صنوبر، کہاں کے لالہ و گل — نگاہ ہی میں جو کیفیتِ بہار نہ ہو

نہیں تو دیکھ کے آئینہ وہم آتا ہے — کہ یہ کسی کی کہیں چشمِ انتظار نہ ہو

عجب زمانہ ہے، کرتا نہیں اسے تسلیم — کسی سبب سے بظاہر جو بیقرار نہ ہو

بس اک نگاہِ محبت سے دیکھ لینا ہے — مگر جو خاطرِ نازک پہ کوئی بار نہ ہو

نصیب دل کو ہو یوں محوِ آرزو ہونا — کہ خود بھی چاہیں اگر وہ تو ہوشیار نہ ہو

بھرے ہوئے ہیں نگاہوں میں حسن کے جلوے — یہ کیا مجال جہاں میں ہیں اور بہار نہ ہو

خیالِ وصل سے کر تو رہا ہوں کچھ باتیں — قریب ہی کہیں لیکن نگاہِ یار نہ ہو

میں سن کے حضرتِ اصغرؔ کے اے جگرؔ! اشعار

وہ مست ہوں کہ کوئی پی کے بادہ خوار نہ ہو

(گونڈہ)

؎ جناب مولانا اصغر حسین صاحب اصغرؔ گونڈوی نور اللہ مرقدہٗ ۱۲ جگر

(ی)

نہ چھیڑ اُن کے تصور میں اے بہار مجھے ۔ کہ بوئے گل بھی ہے اس وقت ناگوار مجھے

تڑپ کے روح نکل جائے گی ابھی صیاد! ۔ سنا قفس میں نہ کیفیت بہار مجھے

نگاہِ یاس! ذرا تو ہی کام کر اپنا ۔ کہاں وہ چھوڑ کے جاتے ہیں بیقرار مجھے

کسی کا وعدۂ دیدار، میرا جذبۂ شوق ۔ بنا نہ دے کہیں تصویر انتظار مجھے

ہجوم یاس میں کوشش نہ کوئی کام آئی ۔ تسلیوں نے کیا اور بیقرار مجھے

کہیں مراد دلِ گم گشتہ ہو نہ خاک بسر ۔ کہ دور تک نظر آتا ہے اک غبار مجھے

جنوں کی خیر ہو یارب! کہ ضعف کے ہاتھوں

رہا نہ جیب و گریباں پہ اختیار مجھے ۔ (مراد آباد)

رُخ پہ جھونکوں سی جو وہ زلف دوتا پھرتی ہے ۔ کیسی بل کھائی ہوئی بادِ صبا پھرتی ہے

پاس جایا دلِ بیتاب! سنبھل کر شبِ وصل ۔ نیچی نظروں میں چھری بن کے حیا پھرتی ہے

کچھ ہمیں جانتے ہیں لطف ترے کوچے کے ۔ ورنہ پھرنے کو تو مخلوق خدا پھرتی ہے

مدد اے جذبۂ دل! حوصلہ اے دردِ فراق! ‌ ‌ مجھ سے مل کر نگہِ ہوش رُبا پھرتی ہے

بھول سکتا ہوں کہیں اُن کی محبت کے مزے

میری آنکھوں میں وہ اک ایک ادا پھرتی ہے

دل کو مٹا کے داغِ تمنا دیا مجھے ‌ ‌ اے عشق! تیری خیر ہو یہ کیا دیا مجھے؟

محشر میں بات بھی نہ زباں سے نکل سکی ‌ ‌ کیا جھک کے اُس نگاہ نے سمجھا دیا مجھے؟

میں اور آرزوئے وصالِ پری رخاں ‌ ‌ اس عشقِ سادہ لوح نے بہکا دیا مجھے

ہر بار یاس ہجر میں دل کی ہوئی شریک ‌ ‌ ہر مرتبہ امید نے دھوکا دیا مجھے

اللہ رے تیغِ عشق کی برہم مزاجیاں ‌ ‌ میرے ہی خونِ شوق میں نہلا دیا مجھے

خوش ہوں کہ حسنِ یار نے خود اپنے ہاتھ سے ‌ ‌ اک دل فریب داغِ تمنا دیا مجھے

دنیا سے کھو چکا تھا مرا جوشِ انتظار ‌ ‌ آوازِ پائے یار نے چونکا دیا مجھے

دعویٰ کیا تھا ضبطِ محبت کا اے جگر!

ظالم نے بات بات پہ تڑپا دیا مجھے ‌ ‌ (مرادآباد)

ہم اور اُن کے سامنے عرضِ نیازِ عشق ‌ ‌ لیکن ہجومِ شوق سے مجبور ہو گئے

آئی ہے موت، منزلِ مقصود دیکھ کر
اتنے ہوئے قریب، کہ ہم دور ہو گئے

کچھ بات بن پڑی نہ دلِ دادخواہ سے — کیا جانے کیا وہ کہہ گئے نیچی نگاہ سے
کوئی نہ بچ سکا، تری قاتل نگاہ سے — ذرّے بھی صدقے ہو گئے اٹھ اٹھ کے راہ سے

یہ جانتا ہوں، جانتے ہو میرا حالِ دل
یہ دیکھتا ہوں، دیکھتے ہو کس نگاہ سے (آگرہ)

اس درجہ محوِ لذتِ رنج و محن ہوئے — ناوک بھی اس نگاہ کے جزوِ بدن ہوئے
ہر وقت تازہ چاہئیں غم کی نشانیاں — جو داغ ابھی پڑے تھے وہ داغ کہن ہوئے

غربت کا رشک بھی نہ گوارا ہوا جگرؔ!
کہتے ہیں میرے بعد غریب الوطن ہوئے

کیا خبر تھی خلشِ ناز نہ جینے دے گی — یہ تری پیار کی آواز نہ جینے دے گی
قہر کی لاکھ نگاہوں کی ضرورت کیا ہے! — لطف کی اک نگہِ ناز نہ جینے دے گی
چین آتا ہی نہیں مجھ کو قفس میں یا رب! — کیا مری حسرتِ پرواز نہ جینے دے گی

مسلکِ عشق مرا مجھ کو نہ مرنے دے گا
تیری شوخی، ستمِ ناز نہ جینے دے گی (نگینہ)

کیا چیز تھی کیا چیز تھی ظالم کی نظر بھی
اُف کر کے وہیں بیٹھ گیا، دردِ جگر بھی

ہوتی ہی نہیں کم شبِ فرقت کی سیاہی
رخصت ہوئی کیا شام کے ہمراہ سحر بھی؟

یہ مجرمِ الفت ہے، وہ مجرمِ دیدار
دل لیکے چلے ہو، تو لئے جاؤ نظر بھی

کیا دیکھیں گے ہم جلوۂ محبوب کہ ہم سے
دیکھی نہ گئی دیکھنے والے کی نظر بھی

مایوس شبِ ہجر نہ ہو اے دلِ بیتاب
اللہ دکھائے گا تو دیکھیں گے سحر بھی

جلووں کو ترسے دیکھ کے جی چاہ رہا ہے
آنکھوں میں اُتر آئے مرا کیفِ نظر بھی

واعظ نہ ڈرا مجھ کو قیامت کی سحر سے
دیکھی ہے ان آنکھوں نے قیامت کی سحر بھی

اُس دل کے تصدق جو محبت سے بھرا ہو
اُس درد کے صدقے جو اِدھر بھی ہو اُدھر بھی

ہے فیصلۂ عشق ہی منظور تو اُٹھئے
اغیار بھی موجود ہیں حاضر ہے جگر بھی

(مراد آباد)

گر چشمِ آرزو کی حالت یہی رہے گی　　پردے میں بھی کسی کی بے پردگی رہے گی

تم خاک میں ملا دو دل کو جگر کو لیکن　　ارماں یہی رہیں گے حسرت یہی رہے گی

جا اے فلک! نہ خوش ہو برباد کر کے مجھ کو

تیرے مزاج میں بھی آشفتگی رہے گی　　(غالباً گونڈہ)

اُداسی طبیعت پہ چھا جائے گی　　انہیں جب مری یاد آ جائے گی

شبِ غم کرشمے دکھا جائے گی　　کمی آنسوؤں کی رُلا جائے گی

مرے بعد ڈھونڈیں گے میری وفا　　مرے ساتھ میری وفا جائے گی

مجھے اس کے در پر ہے مرنا ضرور

مری یہ ادا اُس کو بھا جائے گی　　(آگرہ)

چیخی ہے کس انداز سے، کس کرب و بلا سے　　دل ٹوٹ گیا نالۂ بلبل کی صدا سے

انسان کو لازم ہے رہے دور بلا سے　　یہ چیز جُدا کرتی ہے بندے کو خدا سے

جی سیر ہو کس طرح مے ہوش ربا سے　　مستی کو ہے بیعت مری زندانہ ادا سے

آٹھے نہ قدم جادۂ تسلیم و رضا سے　　آواز یہ آتی ہے مزارِ شہدا سے

پھر حسن کے جلووں نے بنایا مجھے بیخود ہشیار ہوا تھا جرسِ دل کی صدا سے

گزرا ہے دل و جاں سے اسی راہ میں کوئی سجدوں کے نشاں پوچھ تو نقشِ کفِ پا سے

بے تابیِ دل تھی وہ مری آہ جنوں خیز

کانٹے بھی کھٹکتے رہے مجھ آبلہ پا سے (گونڈہ)

صدموں کی جان، درد کا قالب دیا مجھے جو کچھ دیا کسی نے، مناسب دیا مجھے

دی جان بھی تو سوزِ الم سے جلی ہوئی دل بھی دیا تو جان کا طالب دیا مجھے

دینی تھی میرے سر کو جو شوریدگیِ عشق

پھر کیوں خیال حفظ مراتب دیا مجھے

اُٹھا نہ دیدۂ بلبل سے پردۂ غفلت ہلاک ہو گئی کمبخت رنگ و بو کے لئے

ہجومِ شوق میں دل کے بھی ہو گئے ٹکڑے مکان تنگ تھا دنیائے آرزو کے لئے

خیالِ یار! کہاں تک خموشیاں تیری

زبان دہن میں ہے بیتاب گفتگو کے لئے (فتحپور)

آہ میری یہ فغاں اب نہ سنی جائے گی اب نہ سنو داستاں اب نہ سنی جائے گی

پھر گئی اُن کی نظر پھر گئے دنیا سے وہ
دوستیِ جسم و جاں، اب نہ سُنی جائے گی

یاس بھرا درد دل اب نہ کہا جائے گا
درد بھری داستاں اب نہ سنی جائے گی

قصۂ غم کہہ کے ہیں سیجئے خاموش ہوں
میرے دہن میں زباں اب نہ سنی جائے گی

بزم سے با چشم تر اُٹھ گئے کہتے ہوئے
"ہم سے تری داستاں اب نہ سنی جائے گی"

رحم انھیں آ گیا میرے دل زار پر
یہ روش آسماں اب نہ سنی جائے گی

کہہ کے بُرا غیر کو، اُن کو خفا کر دیا
بات جگر کی وہاں اب نہ سنی جائے گی
(مراد آباد)

یہ نہیں تیری آرزو نہ کرے
دل، مگر، خالی ہائے ہو نہ کرے

گم ہوا ہوں خیال جاناں میں
بیخودی میری جستجو نہ کرے

ختم سرمایۂ شکیب ہوا
چھیڑ اب تیری آرزو نہ کرے

ناز کرتے ہیں پھول گلشن میں
کہیں رُسوا یہ رنگ بو نہ کرے

خاک ہے جذب عشق کی تاثیر
خامشی بھی جو گفتگو نہ کرے

ڈر ہے مجھ کو کہ میری حیرانی
آئینہ اُن کے روبرو نہ کرے

یاد بھی اُن کی اے جگر صد حیف

پرسشِ داغ آرزو نہ کرے   (گونڈہ یا فیض آباد)

رسائی آنسوؤں کی جھڑی بہ چشم یار نے   کیا اُٹھ کے کہدیا مری خاکِ مزار نے

اے شوقِ مرگ! پھر وہی میں ہوں وہی قفس

آسان کر نہ دی مری مشکل بہار نے

سر میں پھر لہر جنوں کی صفتِ تیر چلی   اے فلک! روک مرے پاؤں سے زنجیر چلی

صدقے ان ہاتھوں کے مجھ کو بھی خبر تک نہ ہوئی   اس نزاکت سے گلے پر مرے شمشیر چلی

اب مری لاش پہ کیوں سوگ لئے بیٹھے ہو

تم نے شمشیر چلائی تھی تو شمشیر چلی   (نما لُیا مرادآباد)

برابر کی نہ اُٹھی خوں نابہ افشانی مقابل کی

محبت نے بنا دی ایک حالت دیدۂ دل کی

مجھے اے شورِ محشر! تو نے کیوں چونکا دیا؟ اُٹھ کر

بلائیں لے رہا تھا بیخودی میں اپنے قاتل کی

ضرورت تیرے سائے کی نہیں ہے اے فلک مجھ کو
عنایت چاہتا ہوں گوشۂ دامان قاتل کی

نہ توڑ اے دستِ گلچیں! باغ میں پھولوں کی کلیوں کو
کہ ان میں کچھ شباہت پائی جاتی ہے مرے دل کی

اجل! اک مرتبہ پھر ہوش میں آ جانے دے مجھ کو
ہوس رہ جائے گی دل میں نوازشہائے قاتل کی

جگر! میں نے چھپایا لاکھ اپنا دردِ غم لیکن
بیاں کر دیں مری صورت نے سب کیفیتیں دل کی (مراد آباد یا گونڈہ)

کسی کے سامنے مشکل سے عرضِ حال ہوئی   سنبھل سنبھل کے طبیعت مری نڈھال ہوئی

نگاہ غیر کے صدقے جھکی نہ غیر کے سمت   کبھی یہ تیز ہوئی یہ کبھی یہ لال ہوئی

مجھے جو عرضِ تمنا پہ کچھ حجاب آیا
مرے سوال کی شرمندگی سوال ہوئی

عاشقی یاس کی محکوم ہوئی جاتی ہے   بیکسی اب مرا مفہوم ہوئی جاتی ہے

دل ہوا خاک تپ غم سے مگر دل کی جگہ — اک خلش سی مجھے معلوم ہوئی جاتی ہے

وائے ایذا طلبی شدت غم کے ہاتھوں — طاقت گریہ بھی معدوم ہوئی جاتی ہے

ہم تو سمجھے تھے غم عشق فنا کر دے گی — اب یہ امید بھی موہوم ہوئی جاتی ہے

وہی دل ہے جو چھٹا جاتا ہے دامن سے ترے — وہی قسمت ہے جو محروم ہوئی جاتی ہے

دل دھڑکنا بھی غنیمت ہے تری فرقت میں — کہ خبر تو مجھے معلوم ہوئی جاتی ہے

اے جگر بات یہ کیا ہے کہ مری نظروں سے

آج جو چیز ہے معدوم ہوئی جاتی ہے (گونڈہ یا مراد آباد)

نازک ترے مریض محبت کا حال ہے — دن کٹ گیا تو رات کا کٹنا محال ہے

آنکھوں سے جان جائیے فرقت کا ماجرا

اشکوں سے پوچھ لیجئے جو دل کا حال ہے

نظر ملتے ہی دل کو وقف تسلیم و رضا کر دے — جہاں سے ابتدا کی ہے وہیں پر انتہا کر دے

دنیا پر دل کو صدقے جان کو نذر جفا کر دے — محبت میں یہ لازم ہے کہ جو کچھ ہو فنا کر دے

چمن دور آشیاں برباد یہ ٹوٹے ہوئے بازو — مرا کیا حال ہو صیاد اگر مجھ کو رہا کر دے

چنے ہیں میں نے بھی کچھ پھول تیرے باغ معنی سے — الٰہی تو اگر حسنِ قبول ان کو عطا کر دے

تری مجنوں ادائی سے جگر یہ خوف آتا ہے

کہیں ایسا نہ ہو اُن کو بھی عالم آشنا کر دے

شبِ وصل کیا مختصر ہو گئی — ذرا آنکھ جھپکی سحر ہو گئی

نگاہوں نے سب راز دل کہہ دیا — انھیں آج اپنی خبر ہو گئی

بُری چیز ہے طرزِ بیگانگی — یہ ترکیب اگر کارگر ہو گئی

الٰہی بُرا ہو غمِ عشق کا — سُنا ہے کہ اُن کو خبر ہو گئی

کیے مجھ پہ احساں غمِ یار نے — ہمیشہ کو نیچی نظر ہو گئی

نمایاں ہوئی صبح پیری جگر!

بس اب داستاں مختصر ہو گئی (مراد آباد۔ گونڈہ یا آلہ)

کیا لطف پوچھتے ہو پرِ شوقِ زندگی کے — جی جی اُٹھا ہوں مر کے مر مر گیا ہوں جی کے

بے حکمِ عشق مر کے بے اذنِ عشق جی کے — کرتے ہیں مفت ضائع اوقات زندگی کے

دیکھا تو اس جگہ پر لاکھوں ہیں زخم تازہ — حاصل ہوئی تھی فرصت جس زخم دل کو سی کے

فیضِ بہار سے ہے عالم یہ تازگی کا　　گویا برس رہے ہیں انوار زندگی کے

اِک اک سے پوچھتے ہیں وہ میری حالتِ دل
قربان اس ادا کے، اس بے تعلقی کے　(گونڈہ)

فلک کے جور زمانے کے غم اٹھائے ہوئے　　ہمیں بہت نہ ستاؤ کہ ہیں ستائے ہوئے

نہ جانے دل میں وہ کیا سوچتے رہے باہم؟　　مرے جنازے پہ تا دیر سر جھکائے ہوئے

نگاہِ شوق نے محشر میں صاف تاڑ لیا　　کہاں وہ چھپتے کہ آنکھوں میں تھے سمائے ہوئے

ابھی ہیں رازِ محبت کسی کا پنہاں تھا　　جو خشک ہو گئے آنسو مژہ تک آئے ہوئے

حدودِ کوچۂ محبوب ہیں وہیں سے شروع
جہاں سے پڑنے لگیں پاؤں ڈگمگائے ہوئے　(سیتاپور و گونڈہ)

چلے گا کام تمہارا نہ اب گواہوں سے　　کہ ٹپکی پڑتی ہے شرمندگی نگاہوں سے

اثر کو بھی نہ رہا ربط، دل کی آہوں سے　　خدا پناہ میں رکھے تری نگاہوں سے

کہیں تمہیں بھی نہ پڑ جائے کام آہوں سے　　بچے رہو مری حسرت بھری نگاہوں سے

مریضِ ہجر کے چہرے پہ آ گئی رونق　　ابھی وہ کہہ گئے کیا جانے کیا نگاہوں سے

زمیں بھی نہ اٹھائے گی میری خاک کا بار   گرا دیا مجھے تم نے اگر نگاہوں سے

جگر! بتائیے کچھ حالِ زار، خیر تو ہے؟

یہ کیوں برستی ہیں مایوسیاں نگاہوں سے؟   (مراد آباد)

دل کی خبر، نہ ہوش کسی کو جگر کا ہے   اللہ اب یہ حال تمہاری نظر کا ہے

اُس سمت دیکھتی بھی نہیں رُخ جدھر کا ہے   سب سے جدا اصول تمہاری نظر کا ہے

دل رکھ دیا ہے سامنے لاکر خلوص سے   آگے اب ایک کام تمہاری نظر کا ہے

سب رفتہ رفتہ داغِ الم دے گئے مگر   محفوظ ہے وہ زخم جو پہلی نظر کا ہے

میرے دلِ حزیں میں کہاں تابِ اضطراب   جو کچھ کمال ہے وہ تمہاری نظر کا ہے

کس طرح دیکھوں جلوۂ جاناں کو بے حجاب   پردہ پڑا ہوا مرے آگے نظر کا ہے

پیہم ہجومِ یاس سے آتا نہیں یقیں

تم میرے سامنے ہو کہ دھوکا نظر کا ہے   (منگلور شریف)

ہاں چلے دورِ مے ساقی! مئے گلفام چلے   دن چلے، رات چلے، صبح چلے، شام چلے

خاک بیمارِ غمِ عشق کا اب کام چلے   پاؤں رکھنے لگی جب اُٹھ کے دو دو گام چلے

جھک گئے سر تری دہلیز پہ سب آپ سے آپ
کچھ کسی کی نہ چلی جب ترے احکام چلے

کعبۂ دل کی حقیقت سے تو واقف ہی نہیں
باندھ کر شیخ کہاں جامۂ احرام چلے

نقد کچھ پاس نہیں فکر ہے میخواری کی
قرض مل جائے کہیں سے تو بڑا کام چلے

پاؤں لٹکائے ہوئے قبر میں بیٹھے ہیں جگر!
دیر چلنے میں نہیں، صبح چلے شام چلے (غالباً مرادآباد)

کیا قیامت تھا کسی کا شکوۂ بیداد بھی
لب تک آئی ٹکڑے ہو ہو کر مری فریاد بھی

پہلے تھی کچھ اس سے تسکینِ دلِ ناشاد بھی
اب کلیجا کھائے جاتی ہے تمھاری یاد بھی

جسم ہے زنداں میں لیکن روح بزمِ یار میں
بیڑیاں بھی پاؤں میں ہیں اور ہوں آزاد بھی

آتے ہی کنجِ قفس میں جب سے مجھکو لگ گئی
لے اُڑے کیا ہوش میرے طاقتِ فریاد بھی

یوں نہ اے بلبل تڑپ کر جان دینی تھی تجھے
چاہیئے تھا کچھ تو پاسِ خاطرِ صیاد بھی

دیکھئے کس کی فغاں میں پہلے آتا ہے اثر
میں بھی نالے کر رہا ہوں بلبلِ ناشاد بھی

یہ ہجوم یاس وحرماں یہ فزوں رنج و غم
مجھ کو ڈر ہے درد بن جائے نہ تیری یاد بھی

مجھ سے ہی کچھ واسطہ مطلب نہیں انکو جگر
تیز ہوتا ہے مجھی پر خنجرِ بیداد بھی

(گونڈہ)

جان سے تنگ ہمارا دلِ دیوانہ ہے — زندگی کا ہے کو ہے موت کا افسانہ ہے

گوشے گوشے میں نہاں جلوۂ جانانہ ہے — دل نہیں ہے مرے سینے میں پریخانہ ہے

وہی گل ہے، وہی بلبل، وہی پروانہ ہے — شان ہے ایک مگر رنگ جداگانہ ہے

یہی صہبا، یہی ساغر، یہی پیمانہ ہے — چشمِ ساقی ہے کہ میخانے کا میخانہ ہے

کان ہنگامۂ محشر پہ لگے ہیں سب کے — کیا ترے رہ گزرِ عام کا افسانہ ہے؟

اللہ اللہ یہ وارفتگیِ عشق مری — اُس جگہ ہوں کہ جہاں حسن بھی دیوانہ ہے

تم دکھا دو جسے آنکھیں وہی مخمور بنے — ہم جہاں شیشہ پٹک دیں وہیں میخانہ ہے

حشر کہتے ہیں کسے؟ وعدۂ دیدار ہے کیا؟ — وہ بھی میری نگہِ شوق کا افسانہ ہے

منزلِ عشق میں اللہ رے یہ عالمِ شوق — ہر قدم پر مرا انداز جداگانہ ہے

اُن سے پوچھے کوئی یہ ہوش کی باتیں میری

لوگ کہتے ہیں کہ دیوانہ ہے، دیوانہ ہے — (دکانپور)

داستانِ غمِ دل اُن کو سنائی نہ گئی — بات بگڑی تھی کچھ ایسی کہ بنائی نہ گئی

سب کو ہم بھول گئے جوشِ جنوں میں لیکن — اِک تری یاد تھی ایسی جو بھلائی نہ گئی

عشق پر کچھ نہ چلا، دیدۂ تر کا قابو — اس نے جو آگ لگا دی وہ بجھائی نہ گئی
پڑ گیا حسنِ رُخِ یار کا پرتو جس پر — خاک میں ملکے بھی اس دل کی صفائی نہ گئی

کیا اٹھائے گی صبا خاک مری اُس در سے
یہ قیامت تو خود اُن سے بھی اٹھائی نہ گئی (اعظم گڑھ)

رات کیا دلکش ادائے جلوۂ جانانہ تھی — شمع جب رُخ کے مقابل آئی خود پروانہ تھی
آج رگ رگ میں مری شورش مستانہ تھی — کیا نگاہِ مستِ ساقی شامل پیمانہ تھی؟

صبح تک یہ یادگارِ عشق بھی افسانہ تھی
شمع اب ہے دفن جس جا تربت پروانہ تھی (اعظم گڑھ)

مشغلہ ہجر میں کچھ تو دلِ ناشاد رہے — نالہ تھمتا ہو ارکتی ہوئی فریاد رہے
منتشر بعد فنا یوں مری رُوداد رہے — دل مرا خاک ہوا ور خاک بھی برباد رہے
اک محبت کی نظر بھی دم بیداد رہے — کیجئے ظلم وہ مجھ پر جو مجھے یاد رہے
کس کو معلوم ہے اس جلوہ گہ ناز کا حال — ہوش ہی جب ٹھکانے ہوں تو کیا یاد رہے
آپ تو چھپ گئے پردے سے دکھا کر صورت — اب کوئی شاد رہے یا کوئی ناشاد رہے

روح سے ربط نہ چھوٹا ترے کوچے کا کبھی — تیرے دیوانے اسیری میں بھی آزاد رہے

جان تو آ چکی ہونٹوں پہ مری اے صیاد

اب بھی محدود قفس تک مری فریاد رہے؟ (گونڈہ یا اعظم گڑھ)

یہ جو دھندلی سی ضیا خانۂ زنجیر میں ہے — داغ شاید کوئی روشن دل دلگیر میں ہے

ہر ادا حسن کی ڈوبی ہوئی تاثیر میں ہے — تجھ میں جو ہے وہی عالم تری تصویر میں ہے

مطمئن ہو کے کریں سیر چمن کیا وحشی — اک قدم باغ میں اک خانۂ زنجیر میں ہے

پہلے ہوں گے کبھی بیتابی دل کے شکوے

اب تو راحت سی مجھے خانۂ زنجیر میں ہے (اعظم گڈھ)

کیا پوچھتے ہو حالت بیمار محبت کی — کچھ اور ابھی گھڑیاں باقی ہیں مصیبت کی

ہر نقش ہے سینے پر نقشہ غم فرقت کا — ہر اشک ہے آنکھوں میں تصویر محبت کی

آ ہی گیا رحم ان کو حال دل محزوں پر — کر ہی گئی کام اپنا تاثیر محبت کی

اے جوش جنوں ٹوٹے چھالا نہ مرے دل کا — دھندلی سی نشانی ہے یہ زخم فرقت کی

لاکھوں میں جگر اس نے پہچان لیا تمکو — چھپتی ہے چھپانے سے کب آنکھ محبت کی

(غالباً گونڈہ)

جورِ گلچیں بیجفائے باغباں دیکھا کیے | جو دکھایا تو نے دورِ آسماں دیکھا کیے
آج کن آنکھوں سے یہ جورِ خزاں دیکھا کیے | سب چمن لٹتا رہا اور باغباں دیکھا کیے
اب قفس میں ہوش آیا تو یہ حیرت ہے ہمیں | کس طرح آنکھوں سے لٹتے آشیاں دیکھا کیے
جی بھر آیا ناتوانی پر جو راہِ شوق میں | دیر تک ہم نقشِ پائے رہرواں دیکھا کیے
جب چمن سے لے چلا صیاد کر کے ہم کو قید | دور تک مڑ مڑ کے سوئے آشیاں دیکھا کیے
تھا اسیری میں بھی کچھ ایسا تعلق روح کو | ہم قفس میں وہ خوابِ آشیاں دیکھا کیے

خاک سیرِ لالہ و گل، باغ میں جب تک رہے
دستِ گلچیں یا نگاہِ باغباں دیکھا کیے (غالبؔ اعظم گڑھ)

آیا نہ راس نالۂ دل کا اثر مجھے | اب تم ملے، تو کچھ نہیں اپنی خبر مجھے
دل لیکے مجھ سے دیتے ہو داغِ جگر مجھے | یہ بات بھولنے کی نہیں عمر بھر مجھے
ہر سو دکھائی دیتے ہیں وہ جلوہ گر مجھے | کیا کیا فریب دیتی ہے میری نظر مجھے
ملتی نہیں ہے لذتِ دردِ جگر مجھے | بھولی ہوئی نہ ہو نگہِ فتنہ گر مجھے
ڈالا ہے بیخودی نے عجب راہ پر مجھے | آنکھیں ہیں اور کچھ نہیں آتا نظر مجھے

کرنا ہی آج حضرتِ ناصح سے سامنا — مل جائے دو گھڑی کو تمھاری نظر مجھے
مستانہ کر رہا ہوں رہِ عاشقی کو طے — لیجائے جذبِ شوق اب جدھر مجھے
ڈرتا ہوں جلوۂ رخِ جاناں کو دیکھ کر — اپنا بنا نہ لے کہیں میری نظر مجھے
یکساں ہی حسن و عشق کی سرمستیوں کا رنگ — اُن کی خبر انھیں ہی، نہ میری خبر مجھے
مرنا ہی، اُن کے پاؤں پہ رکھ کر سرِ نیاز — کرنا ہے آج قصۂ غم مختصر مجھے
سینے سے دل عزیز ہی، دل سی ہو تم عزیز — سب سے مگر عزیز ہے میری نظر مجھے
میں دور ہوں تو روئے سخن مجھ سی کس لئے؟ — تم پاس ہو، تو کیوں نہیں آتے نظر مجھے؟

کیا جانیے قفس میں رہے کیا معاملہ
اب تک تو ہیں عزیز مرے بال و پر مجھے (اعظم گڑھ)

آنکھوں میں نور جسم میں بن کر وہ جاں رہے — یعنی ہمیں میں رہ کے وہ ہم سی نہاں رہے
ہم وہ ہیں درد مند محبت جہاں رہے — خاموش بھی رہے، تو سراپا فغاں رہے
ہر چند وقفِ کشمکشِ دو جہاں رہے — تم بھی ہمارے ساتھ رہے، ہم جہاں رہے
باقی چمن میں کچھ تو ہمارا نشاں رہے — صیاد ہم رہیں نہ رہیں آشیاں رہے

ہر شاخ پر ہے باغ میں صیاد کی نگاہ

مطلب یہی کہیں نہ مرا آشیاں رہے (اعظم گڑھ)

کس قیامت کی کشش اس جذبۂ کامل میں ہے ... تیر انکے ہاتھ میں پیکاں ہمارے دل میں ہے

اک تلاطم سا تو برپا سینۂ بسمل میں ہے ... اب نہ جانے تو ہے خود یا درد تیرا دل میں ہے

جلوہ فرما کون اس اجڑی ہوئی منزل میں ہے ... آفتابِ حشر سی جو داغ میرے دل میں ہے

عشق کا ہر رنگ پنہاں میری آب و گل میں ہے ... قیس میرے سینے میں فرہاد میرے دل میں ہے

اللہ اللہ یہ مری مشقِ تصور کا کمال ... میں ہوں اس محفل میں اور محفل کی محفل دل میں ہے

عشق میں گم گشتگیِ شوق راس آئی مجھے ... تھی جو میرے دل میں حسرت اب وہ انکے دل میں ہے

ہر تڑپ کے ساتھ آجاتی ہے مجھ میں تازہ روح ... شکر ہے اتنا اثر تو اضطرابِ دل میں ہے

شمعِ حسن، پروانے ششدر، اہلِ دل سب دم بخود

ہائے کیا تصویر کا عالم تری محفل میں ہے (غالباً اعظم گڑھ)

جوانی آتے ہی، اُن پر قیامت کی بہار آئی

نظر بیگانہ وار اُٹھی، حیا مستانہ وار آئی

چمن میں راس کب مجھ کو ہوائے روزگار آئی
قفس ہی میری قسمت میں لکھا تھا جب بہار آئی

مری نظروں میں جب سے تازگیٔ حسنِ یار آئی
خزاں بھی آئی گلشن میں تو میں سمجھا بہار آئی

وہ عاشق ہوں کہ میری لاش جب زیرِ مزار آئی
محبت نوحہ گر پہنچی، تمنا سوگوار آئی

کچھ ایسی جوش پر اب کی یہ چشمِ اشکبار آئی
قفس میں ٹوٹ کر سارے گلستاں کی بہار آئی

شمیمِ عطر بیز آئی، نسیمِ خوشگوار آئی
تم آئے سامنے یا سو بہاروں کی بہار آئی

اب آخر آشیاں کے ذکر سے صیاد کیا حاصل
یہ کہہ دینا ہی کیا کم تھا؟ کہ گلشن میں بہار آئی

چمن میں جیسی اک بلبل کے دم تک دیکھ لی ہمدم

نہ پھر ایسی خزاں دیکھی، نہ پھر ایسی بہار آئی

وہ دیوانہ ہوں میں، جب سو بسایا میں نے زنداں کو
نہ صحرا میں اُگے کانٹے، نہ گلشن میں بہار آئی

قفس میں بھی نگاہوں سے جُدا ہوتا نہیں دم بھر
وہ عالم ہائے میرا خاتمے پر جب بہار آئی

غضب تھا آج گلشن میں یہ حسرت خیز نظارہ
اِدھر بلبل کا دم ٹوٹا، اُدھر فصلِ بہار آئی

اثر اتنا تو ہونا چاہئے، جذبِ محبت میں
کہ جب تک میں قفس میں تھا قفس ہی میں بہار آئی

قفس کا در یکایک اس طرح جنبش میں آجانا
مگر معلوم ہوتا ہے کہ گلشن میں بہار آئی

کہیں ساغر بکفِ گل ہیں، کہیں خم در بغل غنچے
چمن ہی میکدہ بھی بن گیا جب سے بہار آئی

بنا کر جس نے بے خود آشیاں ہم سے چھڑایا تھا
سُنا ہے، پھر اُسی شدت سے گلشن میں بہار آئی

مری اس بیخودی کا یاد گل میں کیا ٹھکانا ہے
اُٹھی جب آشیاں سے آگ تب سمجھا بہار آئی

وہ گھر برباد ہی ہو جائے تو بہتر ہے جس گھر میں
نہ صبحِ وصل آئی، اور نہ شامِ انتظار آئی

نگاہِ یاس اور دب کر نگاہِ ناز سے رہتی
گئی اور چند نشتر اُن کے دل میں بھی اُتار آئی

بہارِ رفتہ میری پھر نہ آئی اے جگرؔ! واپس
(بنارس سے) چمن میں ہر خزاں کے بعد لیکن اک بہار آئی (اعظم گڑھ جاتے ہوئے)

علاجِ کاوشِ غم خاک چارہ جو کرتے
ہزار زخم تھے کس کس جگہ رفو کرتے

اشارہ خود جو نہ وہ بہرِ جستجو کرتے
مجال کیا تھی ہماری، کہ آرزو کرتے

وہ ہم سے ملتے نہ ملتے یہ اُن کی تھی مرضی
ہمارا کام یہی تھا کہ جستجو کرتے

بیاں ہو نہ سکی ابتدا محبت کی
تمام عمر ہوئی شرح آرزو کرتے (گونڈہ)

جلوہ جو اُنکے رُخ کا مری چشمِ تر میں ہے — شادابیٔ بہار کا عالم نظر میں ہے

امیدِ وصل، دیدۂ حسرت اثر میں ہے — یعنی بہاری رُخ ہماری نظر میں ہے

ہر ذرہ رقص میں ہے جو اس رہگزر میں ہے — کیا عالمِ حیات کسی کی نظر میں ہے؟

تاریک ہوتی جاتی ہے ہر رہ کے کُل فضا — پھر بھی مریضِ ہجر، امیدِ سحر میں ہے

کیا آفتابِ حشر سے جھپکے گی اب یہ آنکھ — ہر ذرہ کوئے یار کا میری نظر میں ہے

تنہائیِ فراق کا کیا کیجیے بیاں — اِک آہ تھی سو وہ بھی تلاشِ اثر میں ہے

اللہ ری یادِ طاقتِ پرواز کا اثر — دل میں بھی وہ تڑپ نہیں جو بال و پر میں ہے

واہوں جو گوشِ ہوش تو عبرت کے واسطے — اک داستان، خموشیِ شمعِ سحر میں ہے

یوں آ رہے ہیں آج ہم اک بزمِ ناز سے — چہرہ پہ نور، جلوۂ جاناں نظر میں ہے

کیوں کر بہارِ شعر سے ٹپکے نہ اے جگر!
رنگِ کلامِ حضرت اصغر[۱] نظر میں ہے (اعظم گڑھ)

۱؎ حضرت اصغر گونڈوی نور اللہ مرقدہٗ ۱۲ جگر

ازل کے دن جنھیں لے کر چلے تھے تیری محفل سے
وہ شعلے آج تک لپٹے ہوئے ہیں دامنِ دل سے
مجھے اب خوف ہی کیا ہجر میں تنہائیٔ دل سے
ہزاروں محفلیں لے کر اُٹھا ہوں تیری محفل سے
یہ عالم ہے ہجومِ شوق میں بے تابیٔ دل سے
کہ منزل پر پہنچ کر بھی اڑا جاتا ہوں منزل سے
فلک پر ڈوبتے جاتے ہیں تارے بھی شبِ فرقت
مگر نسبت کہاں اُن کو مرے ڈوبے ہوئے دل سے
نگاہیں قیس کی اُٹھتی ہیں جوشِ کیف مستی میں
ذرا ہشیار رہنا، سارباں! لیلیٰ کی محمل سے
وہی سب بن گئیں نقش و نگارِ صفحۂ ہستی
اڑی تھیں جس قدر چھینٹیں مرے خونابۂ دل سے
سمجھ کر پھونکنا اس کو، ذرا اے داغِ ناکامی!

بہت سے گھر بھی ہیں آباد اس اجڑے ہوئے دل سے

محبت میں قدم رکھتے ہی گم ہونا پڑا مجھکو

نکل آئیں ہزاروں منزلیں اک ایک منزل سے

قیامت کیا؟ کہاں کا حشر؟ کیسا دیر؟ کیا کعبہ؟

یہ سب ہنگامے برپا ہیں مرے اک مضطرب دل سے

بیاں کیا ہوں یہاں کی مشکلیں، بس مختصر یہ ہے

وہی اچھے ہیں کچھ، جو جس قدر ہیں دور منزل سے

ہجوم یاس ایسا! کچھ نظر آتا نہیں مجھ کو

وفورِ شوق یہ! آگے بڑھا جاتا ہوں منزل سے

محبت میں ضرورت ہی تلاشِ غیر کی کیا تھی؟

اگر ہم ڈھونڈھتے نشتر بھی مل جاتا رگ دل سے

بدن سے جان بھی ہو جائے گی رخصت جگر! لیکن

نہ جائے گا خیالِ حضرتِ اصغر[۱] مرے دل سے (گونڈہ)

---

[۱] جناب مولانا اصغر حسین صاحب اصغر گونڈوی نور اللہ مرقدہٗ۔ جگر

بس اک نظروں کا دھوکا ہی، بس اک آنکھوں کا پردا ہی
نہ مجنوں کوئی مجنوں ہی، نہ لیلےٰ کوئی لیلےٰ ہے
ہوسناکی خیال غیریت ہی کا نتیجہ ہے
جو یہ پردا بھی اٹھ جائے، تو سب اپنا ہی اپنا ہے
سمجھ میں جو نہ آئے، اور سمجھے نہ رہنے دے
اسی کا نام شاید عشق میں، نام تمنا ہے
یہی تو فرق ہے بس کافر و مومن میں، اے غافل!
کہ اس کے لاکھ کعبے ہیں، اور اس کا ایک کعبا ہی (گونڈہ)

مژدہ! اے شوق شہادت! آج پر تقدیر ہے
آج دست ناز میں، نازک سی اک شمشیر ہے
کم نہیں ہوتیں دل ایذا طلب کی خواہشیں
آپ دیکھیں تو سہی، "ترکش میں کوئی تیر ہے"؟
کس ادا پر جان دوں، تو ہی بتا، اے چشم یار!

جس ادا کو دیکھتا ہوں حسن کی تصویر ہے

قید خانے میں جو بیٹھا ہوں، یہ ہی تیری خوشی
تو اگر کہہ دے، تو دو ٹکڑے ابھی زنجیر ہے

میرے پہلو میں نہیں ہے یہ دل خانہ خراب
میری بربادی کی جیتی جاگتی تصویر ہے

وہ اُدھر محوِ تماشا، میں اِدھر مرعوب حسن
وصل کی شب دونوں جانب عالم تصویر ہے (مراد آباد)

دلِ برباد ہی میں عالم اک آباد بھی ہے
اسی ویرانے میں مجنوں بھی ہے فرہاد بھی ہے

کیا خبر قلب ہوسناک کو ہنگام سماع
کہ ان نغموں میں پنہاں کوئی فریاد بھی ہے

دل بہلنے کی شبِ غم یہی صورت ہوگی
آپ کی دی ہوئی تکلیف بھی راحت ہوگی

آپ کے درد میں بھی آپ کی سیرت ہوگی
بات میں بات نزاکت میں نزاکت ہوگی

آتشِ دوزخِ ہجراں ہے قیامت لیکن
تم جو چاہو گے تو یہ بھی مجھے جنت ہوگی

جمع کرتی رہے آمادگیِ ذوقِ فنا   کام آئے گی، اگر دل میں حرارت ہوگی

کہنے سننے کی غمِ عشق میں حاجت ہی نہیں

آنکھ سے ٹپکے گی، دل میں جو محبت ہوگی   (گونڈہ)

وہ شکل جانستاں کیا مظہرِ شانِ الٰہی ہے   نظر میں رنگِ مستی رُخ پہ نورِ صبح گاہی ہے

اسی کو ایک دن بننا ہی خالِ عارضِ رحمت   ہمارے نامۂ اعمال کی جتنی سیاہی ہے

کسی صورت بھی ہم سے بے خبر وہ رہ نہیں سکتے   جو ہم ایسا سمجھتے ہیں ہماری کم نگاہی ہے

خدا جانے محبت کونسی منزل کو کہتے ہیں

نہ جس کی ابتدا ہی ہے نہ جس کی انتہا ہی ہے

پارہ ہائے جگر

دل سراپا غم بنا جب میں سراپا دل ہوا
(میں ہوا ہشیار جتنا مجھ سے وہ غافل ہوا)

جذبۂ دل صرف جتنا بے محل ہوتا گیا
اُس قدر فرق نظر میں تبدل ہوتا گیا
تنگ اتنا دامن فکر و عمل ہوتا گیا
زندگی بھر آج کل ہی آج کل ہوتا گیا

دمِ اخیر بھی اُن کا یہ احترام ہوا
اُٹھے نہ ہاتھ تو آنکھوں ہی سے سلام ہوا

یہ سوز نہاں نہیں ہر دل میں
جلتا ہے چراغ بے کسی کا
حسرت کا لہو بھرا ہے جس میں
وہ جام ہوں دورِ آخری کا

لیکے خط اُن کا، کیا ضبط بہت کچھ لیکن
تھرتھراتے ہوئے ہاتھوں نے بھرم کھو دیا

ہر اک داغ فرقت کا دھونا پڑے گا
تمھیں بھی مرے ساتھ رونا پڑے گا

بھلا کر خود کو، غافل، رحم کا تو مستحق ہوگا   کہ گل لپٹے بھی بچ جائیں گے جب بسا وہ زرق ہوگا

کہاں وہ دن گئے یا رب! کہ تھی شکیبائی   نظر میں پھرتی ہے صبر و قرار کی صورت

گئے جو دل سے تو دل کو خزاں بنا کے گئے   جو آئے دل میں تو آئے بہار کی صورت

کیا کروں گا اب بہارِ گل بداماں دیکھ کر   محوِ حیرت ہوں خود اپنا حسنِ پنہاں دیکھ کر

سحر تک شمعِ محفل! میں نے جل بجھنے کی ٹھانی ہے

ہمیں یہ دیکھنا ہے، خاک ہو جاتے ہیں ہم کب تک

قیدِ قفس میں یاد بہار آتی ہے مجھے   نشتر بنے ہوئے ہیں پر و بال آج کل

حال وحشت میں ہوا یہ تیرے دیوانوں کا   جیب چھوٹی، تو گریبان لئے بیٹھے ہیں

نہ رہا کیا کوئی دیوانوں میں   خاک اڑتی ہے بیابانوں میں

رہ گئی آہ اب افسانوں میں   مے نہ شیشوں میں نہ پیمانوں میں

(اُٹھ گیا کیا جگر خستہ سرا   شور برپا ہے غزلخوانوں میں)

لب پہ نالہ نہیں شکوہ نہیں فریاد نہیں   پھر بھی فرماتے ہیں تو لائق بیداد نہیں

روح کہتی ہوئی نکلی ہے تن لاغر سے   اب مجھے روکنے والی کوئی زنجیر نہیں

رنگِ حیا ہے یہ ترے جوشِ شباب میں   یا چاندنی کا پھول کھلا ہے گلاب میں

سینۂ عشق ہے اور ناوکِ ناز   وار پر وار ہوئے جاتے ہیں

عشق سے روز مواعیدِ وفا   چار و ناچار ہوئے جاتے ہیں

ساقیا! توبہ کئے لیتے ہیں   لے گنہگار ہوئے جاتے ہیں

دے چکا جب دل تو کیا خوف، شہرت ہو تو ہو

اب یہ سر جائے تو جائے اور قیامت ہو تو ہو

دل کہاں پہلو میں دل تو کر چلے پہلے ہی نذر

یہ جو کچھ بے چین سا ہے درد فرقت ہو تو ہو

لطفِ تشہیر مصور ہے تشہیر کے ساتھ کھینچدے درد بھی میرا مری تصویر کیساتھ
حاصلِ دشت نوردی ہیں یہی دشتِ جنوں آبلے ٹوٹنے جائیں کہیں زنجیر کے ساتھ

ہے مآلِ کارِ فنا یہی کہ ابھی کا رنگ عیاں رہے
نہ نظر ہماری نظر رہے نہ زباں ہماری زباں رہے
مرے عشق سحر طراز نے بہت اُنکے جلوے دکھائے
مگر ایسے لاکھوں ہی حُسن تھے جو نظر سے پھر بھی نہاں رہے

آنکھوں میں بند جلوۂ جاناں کئے ہوئے جاتا ہوں ذرّے ذرّے کو حیراں کئے ہوئے

مشروطِ نگاہِ ساقی کی تحریک پہ جس کا پینا ہے
بس اُس کا ساغر، ساغر ہی بس اُس کا مینا، مینا ہے

چشمِ امید میں ہی جان ابھی تھوڑی سی ابھی دُھندلا سا اُجالا نظر آتا ہے مجھے

تصور میں یہ کس کا جلوۂ مستانہ آتا ہے کہ ہر آنسو لئے ہمراہ اک پیمانہ آتا ہے

دم اظہارِ سوزِ پنہانی شعلے میری زبان سے آئے

سوزِ غمِ ہجر بجھ نہ جائے دھندلا سا چراغ بیکسی ہے

سفاک چتونیں بھی ہیں قاتل نظر بھی ہے
کیا چیز ہو گئے ہو تمھیں کچھ خبر بھی ہے

اُس سے تو عنایت کی نظر کی نہیں جاتی اور دل کی یہ حالت ہے کہ دیکھی نہیں جاتی

ہستی کے نکات پوچھتا ہے غافل تجھے اپنی بھی خبر ہے

آنسوؤں کی کمی نہیں لیکن کچھ سبب تھا کہ آنکھ تر نہ ہوئی

پردے اُلٹ دیے تھے محبت کے جوش نے کھویا مگر مجھے مرے تمکین ہوش نے

تاثیرِ سوزِ عشق سے بچنا محال ہے ایسی لگے یہ آگ کہ دیکھا کرے کوئی

پیری بھی تمام ہونے آئی دن ڈھل چکا شام ہونے آئی

مسرورِ وقتِ نزع جو بیمار ہو گئے　　کیا جانے کیا اشاروں میں اقرار ہو گئے

ترکِ خودی سے مائلِ پندار ہو گئے　　آزاد ہوتے ہوتے گرفتار ہو گئے

کیا جانے کبتک مجھے فرقت میں کل آئے　　دل کو ابھی روکا تھا کہ آنسو نکل آئے

دیکھی تری آنکھوں کی کیفیتِ رعنائی　　اب کس سے سنبھلتا ہے جامِ مے مینائی

لمعاتِ طور

نظمیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شکستِ توبہ

ساقی کی ہر نگاہ پہ بل کھا کے پی گیا
لہروں سے کھیلتا ہوا، لہرا کے پی گیا

بے کیفیوں کے کیف سے گھبرا کے پی گیا
توبہ کو توڑ تاڑ کے تھرا کے پی گیا

زاہد! یہ میری شوخیِ رندانہ دیکھنا
رحمت کو باتوں باتوں میں بہلا کے پی گیا

سرمستیِ ازل مجھے جب یاد آگئی
دنیائے اعتبار کو ٹھکرا کے پی گیا

آزردگیِ خاطرِ ساقی کو دیکھ کر
مجھ کو یہ شرم آئی کہ شرما کے پی گیا

اے رحمتِ تمام! مری ہر خطا معاف
میں انتہائے شوق میں گھبرا کے پی گیا

پیتا بغیرِ اذن، یہ کب تھی مری مجال
در پردہ چشمِ یار کی شہ پا کے پی گیا

اُس جانِ میکدہ کی قسم بارہا جگر!
کُل عالمِ بسیط پہ میں چھا کے پی گیا

غمِ انتظار

نظر ہے وقفِ غمِ انتظار کیا کہنا — کھنچی ہے سامنے تصویرِ یار، کیا کہنا

یہ چشمِ مست، یہ ابرو، یہ زلف، یہ خد و خال — یہ لب، یہ رُخ، یہ جبیں، یہ عذار کیا کہنا

شباب اور مکمل شباب ارے توبہ — بہار اور مجسّم بہار، کیا کہنا

تصادمِ نگہِ شوق، اے معاذ اللہ — تبسّمِ نگہِ فتنہ کار، کیا کہنا

فروغِ حسن و نوائے سرود و طرفِ چمن — شرابِ عشق و لبِ جوئے بار، کیا کہنا

گل و بنفشہ و نسرین و نسترن کیا خوب — بہار و سایۂ ابرِ بہار، کیا کہنا

بیانِ درد و زبانِ خموش و عرضِ نیاز — جبینِ شوق و کفِ پائے یار کیا کہنا

گزارشِ دلِ غم آفریں معاذ اللہ — نگارشِ غمِ تہمت شکار کیا کہنا

تمام شوق و شکایت تمام مہر و وفا — فسانۂ دلِ بے اختیار کیا کہنا

فسونِ نیم نگاہی و سحرِ استغنا — سکوتِ حسن و لبِ نغمہ بار، کیا کہنا

وفورِ بیخودیِ ضبطِ غم جزاک اللہ — سرورِ بادۂ ناخوشگوار کیا کہنا

شراب ریز نشیلی نگہ، ارے توبہ — پیالہ گیر سرِ کفِ رعشہ دار، کیا کہنا

سُبک سرانیِ اشکِ دُخنک نسیمِ کرم — نشاطِ دردِ دلِ بے قرار، کیا کہنا

کرم نما ستمِ نازِ حسن، ارے توبہ — ستم نما کرمِ خاصِ یار، کیا کہنا

نگاہِ ناز کے پیہم اشارہ ہائے لطیف — شکستِ شیشۂ دل بار بار، کیا کہنا

حریمِ حسن کے پردے اُٹھے ہوئے ہیں جگرؔ!
یہی اگر ہے غمِ انتظار، کیا کہنا

(الہ آباد)

تصویر و تصوّر

وہ کب کے آئے اور گئے بھی نظر میں اب تک سما رہے ہیں

یہ چل رہے ہیں، وہ پھر رہے ہیں، یہ آ رہے ہیں، وہ جا رہے ہیں

وہی قیامت ہے قدِ بالا، وہی ہے صورت، وہی سراپا

لبوں کو جنبش، نگہ کو لرزش، کھڑے ہیں اور مسکرا رہے ہیں

وہی لطافت، وہی نزاکت، وہی تبسم، وہی ترنّم

میں نقشِ حرماں بنا ہوا تھا، وہ نقشِ حیرت بنا رہے ہیں

خرامِ رنگیں، نظامِ رنگیں، کلامِ رنگیں، پیامِ رنگیں

قدم قدم پر روش روش پر نئے نئے گل کھلا رہے ہیں

شبابِ رنگیں، جمالِ رنگیں، وہ سر سے پا تک تمام رنگیں

تمام رنگیں بنے ہوئے ہیں، تمام رنگیں بنا رہے ہیں

تمام رعنائیوں کے مظہر، تمام رنگینیوں کے منظر

سنبھل سنبھل کر سمٹ سمٹ کر سب ایک مرکز پر آ رہے ہیں

بہار رنگ و شباب ہی کیا، ستارہ و ماہتاب ہی کیا

تمام ہستی جھکی ہوئی ہے، جدھر وہ نظریں جھکا رہے ہیں

طیور سرشار ساغرِ گل، ہلاک تنویر لالہ و گل

سب اپنی اپنی دھنوں میں مل کر عجب عجب گیت گا رہے ہیں

شراب آنکھوں سے ڈھل رہی ہے، نظر سے مستی اُبل رہی ہے

چھلک رہی ہے، اچھل رہی ہے، پیئے ہوئے ہیں پلا رہے ہیں

خود اپنے نشے میں جھومتے ہیں، وہ اپنا منہ آپ چومتے ہیں

خراب مستی بنے ہوئے ہیں، ہلاک مستی بنا رہے ہیں

فضا سے نشہ برس رہا ہے، دماغ پھولوں میں بس رہا ہے

وہ کون ہے جو ترس رہا ہے، سبھی کو میکش بنا رہے ہیں

زمین نشہ، زمان نشہ، جہان نشہ، مکان نشہ

مکان کیا؟ لامکان نشہ ڈبو رہے ہیں، پلا رہے ہیں

وہ روئے رنگین و موجۂ یم، کہ جیسے دامان گل پہ شبنم

یہ گرمیِ حسن کا ہے عالم، عرق عرق ہیں، نہا رہے ہیں

یہ مست بلبل بہک رہی ہے، قریب عارض چہک رہی ہے

گلوں کی چھاتی دھڑک رہی ہے، وہ دست رنگیں بڑھا رہے ہیں

یہ موج و دریا، یہ ریگ و صحرا، یہ غنچہ و گل، یہ ماہ و انجم

ذرا جو وہ مسکرا دیئے ہیں، یہ سب کے سب مسکرا رہے ہیں

فضا یہ نغموں سے بھر گئی ہے کہ موج دریا ٹھہر گئی ہے

سکوت نغمہ نما ہوا ہے، وہ جیسے کچھ گنگنا رہے ہیں

اب آگے جو کچھ بھی ہو مقدر، رہے گا لیکن یہ نقش دلبر

ہم اُن کا دامن پکڑ رہے ہیں، وہ اپنا دامن چھڑا رہے ہیں

یہ اشک جو بہہ رہے ہیں پیہم، اگرچہ سب ہیں یہ حاصلِ غم
مگر یہ معلوم ہو رہا ہے کہ یہ بھی کچھ مسکرا رہے ہیں
ذرا جو دم بھر کو آنکھ جھپکی، یہ دیکھتا ہوں نئی تجلی
طلسمِ صورت مٹا رہے ہیں، جمالِ معنی بنا رہے ہیں
خوشی سے لبریز شش جہت ہے، زبان پر شورِ تہنیت ہے
یہ وقت وہ ہے جگر کے دل کو وہ اپنے دل سے ملا رہے ہیں

(الٰہ آباد و کانپور)

نرگسِ مستانہ

اپنا ہی سا، اے نرگسِ مستانہ بنا دے — میں جب تجھے جانوں، مجھے دیوانہ بنا دے

ہر قید سے، ہر رسم سے بیگانہ بنا دے — دیوانہ بنا دے، مجھے دیوانہ بنا دے

اک برقِ ادا، خرمنِ ہستی پہ گرا کر — نظروں کو مری طور کا افسانہ بنا دے

ہر دل ہے تری بزم میں لبریزِ مئے عشق — اک اور بھی پیمانے سے پیمانہ بنا دے

تو ساقیِ میخانہ بھی، تو نشۂ مے بھی — میں تشنۂ مستی، مجھے مستانہ بنا دے

اللہ نے تجھ کو مے و میخانہ بنایا — تو ساری فضا کو مے و میخانہ بنا دے

تو ساقیِ میخانہ ہے، میں رندِ بلانوش — میرے لئے میخانے کو پیمانہ بنا دے

یا دیدہ و دل میں مرے تو آپ سما جا — یا پھر دل و دیدہ ہی کو ویرانہ بنا دے

قطرے میں وہ دریا ہے جو عالم کو ڈبو دے — ذرّے میں وہ صحرا ہے کہ دیوانہ بنا دے

لیکن مجھے ہر قیدِ تعیّن سے بچا کر — جو چاہے وہ اے نرگسِ مستانہ بنا دے

عالم تو ہے دیوانہ جگرؔ حسن کی خاطر
تو اپنے لئے حسن کو دیوانہ بنا دے

کب تک نگہِ یار نہ ہوگی متبسم
تو اپنا ہر انداز حریفانہ بنا دے

منکر تو نہ بن حسن کے اعجازِ نظر کا
کہنے کے لئے اپنے کو بیگانہ بنا دے

جب تک کرمِ خاص کا دریا نہ امنڈ آئے
تو اور بھی حال اپنا سفیہانہ بنا دے

بتخانے میں آ نکلے تو کعبے کی بنا ڈال
کعبے میں پہنچ جائے تو بتخانہ بنا دے

جو موج اٹھے دل سے ترے جوشِ طلب میں
سر رکھ کے وہیں سجدۂ شکرانہ بنا دے

جب مائلِ الطاف نظر آئے وہ خود ہی
تو ہر نگہِ شوق کو افسانہ بنا دے

کونین بھی مل جائے تو دامن کو نہ پھیلا
کونین کو بھولا ہوا افسانہ بنا دے

پھر عرض کر اس طرح جگرؔ شوق ادب سے
بیباک اگر جرأتِ رندانہ بنا دے

تجھ کو نگہِ یار قسم میرے جنوں کی
ناصح کو بھی میرا ہی سا دیوانہ بنا دے

میں ہوں ترے قدموں میں مجھے کچھ نہیں کہنا
اب جو بھی ترا لطف کریمانہ بنا دے

(الہ آباد)

یادِ ایام

ذوقِ صورت‌ساز و شوقِ جلوہ‌ساماں داشتم — یاد ایامے کہ منزل منزلِ جاں داشتم

دستے در دستِ نگارِ شوخ و سیرِ کوہِ طور[1] — بود حاصل ہر تمنائے کہ پنہاں داشتم

از جمالِ حسنِ ساقی، صد بہاراں در نظر — در فروغِ بادہ، در خود صد گلستاں داشتم

در فضائے آسمانِ حسن چوں سیارگاں — اصغر[2] و ہم شاد[3] و ہم اختر[4] غزلخواں داشتم

گہ بزیرِ طور ہیہم دعوتِ ذوقِ نظر — گہ بہ نقشِ دولتِ حسنِ خراماں داشتم

آہ آں ساعت کہ از فیضِ جمالِ ہم‌نشیں — ہر نفس در ہر نظر جنت بداماں داشتم

حسرتِ آفت سرشت، آرزوئے بیقرار — آنچہ در دل داشتم بے حد و پایاں داشتم

محشرستاں بودم و از فیضِ دردِ مستقل — پیشِ چشمِ شوق ہر سو محشرستاں داشتم

کیست؟ گو گوید بہ سرکار[5] از دلِ مسکیں پیام — چوں تو کافر ماجرا سروِ خراماں داشتم

---

[1] تلمیح [2] جناب شیخ اصغر حسین صاحب اصغر مین پوری
[3] جناب شاد مین پوری [4] جناب اختر رامپوری [5] تلمیح ۱۲ جگر

ہم چمن آوارہ ام ہم سر بصحرا دادہ ام — من جگر بستم بہاں کامروز دست از فتادہ ام

یاد ہیں اب تک جگر! وہ بیقراری کے مزے — دردِ پیہم کی لگاوٹ زخمِ کاری کے مزے

وہ جبینِ شوق اپنی وہ کسی کے پائے ناز — سجدہ ریزی کی لطافت اشکباری کے مزے

حسن کی سرشاریاں خوابِ جوانی کی بہار — عشق کی بیتابیاں شب زندہ داری کے مزے

کہیے کیا ہے کیفیت ناز و نیازِ حسن و عشق — رازداری جانتی ہے رازداری کے مزے

وہ سکونِ بیخودی وہ جلوۂ حیرت فروش — وہ جنونِ شوق وہ بے اختیاری کے مزے

شوق کی روداد پر وہ حسن کی بے مہریاں — عشق کی فریاد پر وہ شرمساری کے مزے

آنکھوں آنکھوں میں تقاضا کچھ نگاہِ ناز کا — دل ہی دل میں اُف وہ ذوقِ جاں نثاری کے مزے

انتہائے سادگی و شوق سامانی کے لطف — ابتدائے عاشقی و خامکاری کے مزے

دل مجسم درد ہے، دل ہی سے اک دن پوچھیے — شام سے لیکر سحر تک دم شماری کے مزے

مرحبا لو تو کی پیہم اللہ اللہ شانِ خاص — ہر خیالِ تازہ کی نا استواری کے مزے

عشق کے مضبوط ترکِ عہدِ مطلب کی شکست — حسن کی نامستقل غفلت شعاری کے مزے

وہ اک آہِ آتشیں کا جانِ مضطر سے سلوک — وہ نگاہِ شرمگیں کی غمگساری کے مزے

اپنی ہر لغزش سے پیدا عشق کا لطفِ یقیں　　اسکے ہر انداز پر بے اعتباری کے مزے
آہ وہ دورِ محبت کی گزشتہ لذتیں　　خوشگواری کے مزے ناخوشگواری کے مزے
ہر نفس ہے اب تو اعلانِ شکستِ آرزو　　اب کہاں بے پردگی میں پردہ داری کے مزے
قطرہ قطرہ موجِ صہبا، ذرہ ذرہ جامِ جم　　اب کہاں سے لائیے اس میگساری کے مزے
شورِ مستانہ کجا و جلوۂ ساقی کجا　　آہ، آں منظر کجا و آں می باقی کجا

اے کہ وابستہ ترے دم سے نظامِ آرزو　　سن پیامِ آرزو، بعد از سلامِ آرزو
تو، کہ جانِ حسن ہے اور حسن تیری جان ہے　　ہاں مبارک ہو تجھے عیشِ دوامِ آرزو
تیری ہر موجِ تبسم، تیری ہر موجِ نظر　　ایک برقِ طور تھی بالائے بامِ آرزو
تیرا روئے آتشیں، مسجودِ صبحِ دلبری　　تیری زلفِ عنبریں معبودِ شامِ آرزو
چشم و دل پر وہ عنایت وہ کرم وہ مرحمت　　اللہ اللہ، تو کرے یوں احترامِ آرزو
میں نہیں بھولا تجھے، تجھ کو بھی شاید یاد ہے　　مجھ پہ وہ چھایا ہوا کیفِ تمامِ آرزو

حرفے از دردِ دلِ بے مدعا نے گفتنی ست
ماجرائے گفتنی و صد ماجرائے گفتنی ست　　(اٹاوہ)

مجذوب کی صدا

اسی تلاش و تجسس میں کھو گیا ہوں میں
اگر نہیں ہوں تو کیونکر؟ جو ہوں تو کیا ہوں میں؟

بیانِ جرمِ محبت ہی جانتا ہوں میں
خطا معاف، کہ مجبورِ التجا ہوں میں

فریب خوردۂ رنگینیٔ ادا ہوں میں
نظر کی چند شعاعوں میں گھر گیا ہوں میں

کمالِ بے بصری پر بھی کیا بلا ہوں میں
وہ مجھ کو دیکھ رہا ہے یہ دیکھتا ہوں میں

تمام اصل و حقیقت کا آئینہ ہوں میں
خدا نہیں ہوں مگر مظہرِ خدا ہوں میں

کرشمہ سازیٔ ہنگامۂ جہاں معلوم
خود اپنے حسنِ صفائی پہ مبتلا ہوں میں

جہانِ عشق میں آوارگی نہ پوچھ مری
ازل سے گرمِ روِ عرصۂ بلا ہوں میں

گواہ ہیں مری رسوائیاں محبت میں
تمام شوق ہوں اور شوق پر بلا ہوں میں

جنونِ عشق میں عریانیوں پہ میری نہ جا
بہت قریب، بڑا دیر آشنا ہوں میں

نہ بود و بود کا کل راز جس میں مضمر ہے
بساطِ عجز پہ وہ نقشِ ابتدا ہوں میں

فتادگی مرا شیوہ، شکستگی مری شان
خود اپنی راہِ حقیقت کا راہنما ہوں میں

سمجھ میں خاک نہ آئیں گے معنئ مطلب
مجھے نہ سن کہ بہت دور کی صدا ہوں میں

گراں ہے میری لطافت پہ یہ غبارِ وجود
اسے بقا مری سمجھو اگر فنا ہوں میں

کدھر ہیں! منظرِ ہستی کے دیکھنے والے!
یہ ساز وہ نہیں جس ساز کی صدا ہوں میں

وہ جام اک مئے بے رنگ کا پلا ساقی!
کہ بھول کر بھی نہ پھر محوِ ماسوا ہوں میں

بجا ہے حسن اگر مجھ پہ اعتماد کرے
دل ربودۂ آہِ شکستہ پا ہوں میں

نگاہِ شوق کو بھی رخصتِ کلام نہ دی
مزاجِ حسن سے کس درجہ آشنا ہوں میں

قدم ذرا جو ہٹے، جادۂ وفا سے کہیں
ہر ایک ذرہ پکارا کہ دیکھتا ہوں میں

کھلا ہوا ہے مرے سامنے صحیفۂ عشق
سمجھ رہا ہوں مگر کیا سمجھ رہا ہوں میں

مٹائے لاکھ زمانہ، مٹا نہیں سکتا
اگر یہ سچ ہے کہ تیری ہی اک ادا ہوں میں

ہر ایک شے نظر آتی ہے خود مری تصویر
جہاں سے منظرِ فطرت کو دیکھتا ہوں میں

فضائے دہر کی ہر موج جس سے رقص میں ہے
وہ ایک نغمۂ بے ساز کی صدا ہوں میں

جہاں نہ پھونک دیں آتش نوائیاں میری
کہ سوزِ سینۂ اربابِ باصفا ہوں میں

تصورات کی آئینہ بندیاں بے سود
تعینات کی دنیا سے ماورا ہوں میں

مجھے تلاش کر اے بیخودیِ شوقِ سجود — پہنچ کے منزلِ مقصد پہ کھو گیا ہوں میں

مجھے نہ چھیڑ بہت اے نسیمِ صبحِ کرم! — تمام شوق و شکایت کا ماجرا ہوں میں

مٹا نہ صفحۂ ہستی سے میرا نقشِ وجود — کہ فخرِ عاشقی و نازشِ وفا ہوں میں

جگر! یہ ہرزہ سرائی مری، یہ بے ربطی
یقین ہوا کسی "مجذوب کی صدا" ہوں میں

نغمۂ اسلام

ہر طرف غل ہے وہ آیا جگر بادہ پرست — اثرِ نشۂ صہبا سے سراپا بدمست
شعرِ حافظ بزبان جام بکف شیشہ بدست — بیخبر از ہمہ عالم چہ بلند است چہ پست

شورِ مستانہ کہاں اور سخنِ وعظ کہاں
آج یہ رند کہاں، انجمنِ وعظ کہاں

جمع مومن بھی ہیں عالم بھی ہیں دیندار بھی ہیں — معتدل رنگ کے بھی لوگ ہیں احرار بھی ہیں
واقفِ از سرِ پردۂ اسرار بھی ہیں — دین کے طالب بھی ہیں دنیا کے طلبگار بھی ہیں

کیا سمجھ کر یہ چلے آئے ہیں اپنے جی میں
ان سے پوچھو تو کوئی آپ ہیں کس گنتی میں

جانتا ہوں کہ ہوں دراصل میں ننگِ اسلام — کچھ نہ اندیشۂ آغاز، نہ خوفِ انجام
میری آشفتہ مزاجی میں نہیں کوئی کلام — وہی میخانہ وساقی وہی بادہ وہی جام
مجکو اپنی روشِ خاص سے انکار نہیں — میرے مشرب میں ریاکاری و پندار نہیں

باہمہ رندی و سرمستی و عشرت طلبی ہوں در احمد مرسل کا غلام نسبی
"مرحبا سید مکی مدنی العربی دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی"

کیوں نہ پھر رحمت باری کا طلبگار رہوں میں
ہاں مجھے فخر ہے اس پر کہ گنہگار رہوں میں

وہ رسولِ عربی، فخرِ رسولانِ سلف ذاتِ اقدس سے جس کے زمانے کو شرف
جس پہ نازل ہوا قرآن سا کامل مصحف جسکے تابع جن و انساں بھی ملائک کی بھی صف

اک وہی شمع نبوت جو ضیابار ہوئی
ساری تاریک فضا مطلع الانوار ہوئی

ہر زمانے میں پیمبر بھی نبی بھی آئے مُصلحِ ملّی و ملکی بھی، رشی بھی آئے
حق کے جوئندہ بھی اور حق کے ولی بھی آئے واقفِ محرمِ سرِّ ازلی بھی آئے

آئے دنیا میں بہت پاک مکرّم بن کر
کوئی آیا نہ مگر رحمتِ عالم بن کر

کس نے جامِ مئے توحید پلایا سب کو؟ کس نے پیغامِ مساوات سنایا سب کو؟

راستہ کس نے حقیقت کا دکھایا سب کو؟ کس نے اس حسن کا دیوانہ بنایا سب کو؟

تم نے دیکھا ہی بہت دفترِ پیغام اس کا
اور ایسا کوئی گزرا ہو تو لو نام اس کا

تم میں صدیقؓ سا گزرا ہو، تو للّٰلہ دکھاؤ تم نے فاروقؓ سا دیکھا ہو تو للّٰلہ دکھاؤ
کوئی عثمانؓ سا آیا ہو، تو للّٰلہ دکھاؤ کوئی حیدرؓ سا جو پایا ہو تو للّٰلہ دکھاؤ

ثانیٔ احمدِ بے میم تو کیا لاؤ گے
اسکی امت کی مثالیں بھی نہیں پاؤ گے

غم نہ کر مسلم حیرت زدہ دہر بلب آشنا رنگ فنا سے نہیں تیرا مذہب
یہ حوادث ہیں ترے تیری ترقی کے سبب تیرے حامی ہیں نبی تیرا نگہبان ہے رب

فتنے اکثر بہت اس طرح کے اٹھوائے گئے
ایسے دجّال زمانے میں بہت آئے گئے

(کانپور)

ہلال عید

ناتمام

نقشِ دورِ ابتدائی

آہ او عشرت فزائے روحِ انسانی ہلال — آہ او قدرت نمائے شانِ یزدانی ہلال!

آہ او فطرت لقائے بزمِ نورانی ہلال — آہ او صورت کشائے ذوقِ وجدانی ہلال!

تو نویدِ انبساطِ خاطرِ شوریدہ ہے

حسرتا اس مایوس پر اس پر بھی جو افسردہ ہے

دیکھتا ہوں میں تجھے تو دیکھتا ہے میرا حال — جانِ مضطر، قلبِ آزردہ، پریشاں سر کے بال

تو دلیلِ اوجِ رفعت میں سراپا باکمال — آہ یہ دن آہ یہ شب آہ یہ شام ملال

از دلِ افگارِ جنوں و جگرِ افگاری مپرس

آہ غمخوارِ غمم احوالِ غم زادی مپرس

حال میرا پوچھتا ہی مجھ سے تو اے بے خبر! ہو چکی تاریک سا چشمِ یاس میں شام و سحر
آہ وہ غم کی کہانی بڑھ گئی ہی کس قدر جس کو میں سمجھے ہوئے تھا داستانِ مختصر

سال بھر پیچھے عیادت کو مری آیا ہی تو
لا دوائے اضطراب درد کیا لایا ہی تو

خیر تو خاموش ہی، تو ہم سمجھتے ہیں یہ راز خیر تو چپ ہی، تو ہم خود ہی بجاتے ہیں یہ ساز
اٹھ گئی تھی جب سے تیری جانب اک انگشتِ ناز ہی اسی دن سے طبیعت تیری اس درجہ گداز

تیرے گھٹنے اور بڑھنے میں بھی پنہاں بھید ہے
تو قتیلِ غم نہیں ہی، زندہ جاوید ہے

مجھ میں تجھ میں اک زمین و آسمان کا فرق ہے میں ہوں مضطر تو لیے دلکشی میں غرق ہی
تیرے آگے زرد چہرہ آفتابِ شرق ہے اور میرے واسطے تیری جھلک ہی برق ہی

ہاں مگر اک امتیازِ عاشقی مجھ میں بھی ہی
جانتا ہوں میں کہ جو مجھ میں ہی، وہ تجھ میں بھی ہی

فرق اتنا ہے، کہ تو ہے کامیابِ آرزو — ذرّۂ حسرت ہوں میں تو آفتابِ آرزو

اُٹھ چکا ہے تیری نظروں سے حجابِ آرزو — اور ابتک گم ہوں میں زیرِ نقابِ آرزو

لاکھ پر بھاری ہے تیری ایک ہستی نحیف
دیکھ لینے سے ترے کھل جاتی ہے چشم ضعیف

اک زمانہ تھا کہ تھی میری طبیعت بھی گداز — اب تو ہوں اک ہستی موہوم کا خاموش ساز

جتنے سجدے تھے جبیں میں کرچکا صرفِ نیاز — ہو چکی دہائی غم، اُٹھ چکے اب دل سے ناز

بدر تھا پہلے، مگر اب میں ہلالی ہو گیا
ہجر میں اتنا گھلا، نقش خیالی ہو گیا

آ، کہ رخصت تجھ سے ہو لوں آخری رخصت دیکھ لوں — آ، کہ دم بھر اور اپنا نقشِ حسرت دیکھ لوں

آ، کہ تیرے آئینے میں خطِ قسمت دیکھ لوں — آ، کہ اپنے دیکھنے والے کی صورت دیکھ لوں

دیکھ کر صورت تری جان اپنی دیدوں گا تجھے
اب کے دیکھا ہے تجھے اب کے نہ دیکھوں گا تجھے

نامکمل

بر خویش نگاہی کن

نورِ مطلق کی ضیا، اعرش کے تاروں میں دیکھ
اپنی خوابیدہ حقیقت دل کے گہواروں میں دیکھ

اعتباری حسن پر یہ شورش و مستی تری
کچھ خبر بھی ہے تجھے کیا چیز ہے ہستی تری

ختم ہونے کے قریب آیا ہے افسانہ ترا
خود پیامِ مرگ ہے محدود ہو جانا ترا

قعرِ پستی سے ابھر اور اپنی خود آواز بن
نغمہ بننا ہے اگر، تو نغمۂ بے ساز بن

تو چھپاتا کیوں ہے اپنے حسنِ عریانی کا راز
بوئے گل کی طرح پھیلا دے پریشانی کا راز

اک جدائی کے سبب ہنگامہ برپا ہو گیا
مل گیا دریا سے جب قطرہ تو دریا ہو گیا

تشنگی کو بحرِ ناپیدا کنارِ دل بنا
پھر اٹھیں موجیں تو کشتی بن، ساحل بنا

ہر نفس میں تیرے پوشیدہ ہے میخانہ ترا
کل فضائے دہر اک چھوٹا سا پیمانہ ترا

زندگی کا رازِ پنہاں انتشارِ غم میں ہے
اک پیامِ مستقل ہر نغمۂ بربم میں ہے

غم سے وابستہ ہے ہر عنوانِ بابِ زندگی
ہے یہی بسم اللہ ام الکتابِ زندگی

(لاہور)

تخمیس بر غزل اُردو

غمِ عاشقی ہے، فغاں کو بکو ہے — ہر ایک لحظہ، منظر نیا، روبرو ہے
کہیں سبزہ و گل کہیں دشت ہو ہے — تری آرزو ہی، تری جستجو ہے
خیال ایک جانب، نگہ چار سو ہے

محبت ہی ناظم، محبت ہی ناشر — محبت دکھاتی ہے کیا کیا مناظر
محبت ہی باطن، محبت ہی ظاہر — محبت ہی اوّل، محبت ہی آخر
محبت ہی میں ہوں، محبت ہی تو ہے

ترا وصل اچھا، ترا ہجر پیارا — جو منظور تجھ کو ہمیں سب گوارا
ترا شعلۂ عشق، آنکھوں کا تارا — بھڑکتی ہوئی جان کا غم سہارا
دھڑکتے ہوئے دل کی تسکین تو ہے

وہ عارض شگفتہ گل باغ جنت   وہ پیشانی صاف، صبح سعادت

وہ چشم سیہ، سایۂ ابر رحمت   وہ رنگِ نزاکت، وہ حسن لطافت

کلی کا تبسم ہی پھولوں کی بو ہے

کہیں، عشق ہی عشق ہے مست و رسوا   کہیں حسن ہی حسن ہے بادہ پیما

غرض چھان ڈالی محبت کی دنیا   ان آنکھوں نے دیکھا یہی اک تماشا

کہیں میں ہی میں ہوں کہیں تو ہی تو ہے

وہ کہتے ہیں سب دل کے انداز کہیے   محبت کا انجام و آغاز کہیے

ہر اک راز بے پردۂ راز کہیے   کہاں تک غم عشق شیراز[۱] کہیے

کہ ہر آرزو محشر آرزو ہے

(مین پوری)

---

۱ "تلمیح" ہے ۱۲ جگر

تخمیس بر غزلِ فارسی

گہے لختِ جگر میفروشم گہے حاصلِ بچشمِ تر می فروشم
بہر گام لعل و گہر می فروشم نہ تنہا دل و جان و سر میفروشم
دو عالم بہ تیغِ نظر می فروشم

ازل سے ہوں خوکردۂ یاس و حرماں مری طبع خود دار ہے ناپشیماں
مبادا کہ ہو مشکلِ شوق آساں من آں دردمندم کہ در دورِ درماں
دعا می فروشم اثر می فروشم

جدا ہے زمانے سے میری طبیعت گوارا نہیں ایک دم ایک حالت
وہی میں، وہی تو، وہی چشمِ رحمت چہ ایذا کشیدم کہ در عینِ قربت
بہ شامِ جدائی سحر می فروشم

سنے تھے بہت میں نے بھی یہ فسانے نگاہوں میں پھرتے تھے اگلے زمانے

دکھایا مجھے بھی یہ عشق و فسانے بہر لحظہ می گیرم از غیب، جانے

بہر لحظہ، جانِ دگر می فروشم

ترے ہاتھ سے ہوں شہادت کا خواہاں نہ رکھ میری گردن پہ غیروں کا احساں

یہ جاں تیرے صدقے، یہ دل تیرے قرباں بہ تیغ اشارت سرافراز گرداں

بگردِ سرائے تو سر می فروشم

بلندی ہی باقی رہی اب نہ پستی فدا تجھ پہ ہیں اور مری مے پرستی

یہی ہے بس اب حاصلِ حسنِ ہستی خوشا ذوق و مستی، کہ ہم ذوق و مستی

سرت گردم و بے خبر می فروشم

غزل می سرایم، چہ حال و چہ قال است خیال است مستی و مستی خیال است

بجانِ محبت کہ خونم حلال است • جگر را ایں چہ شور و جگر ایں چہ حال است

کہ سر دادم باز سر می فروشم

(غالباً یمن پوری)

مثنوی عرفان خودی

المعروف بہ

سرورِ حقیقت

میرا نہیں غیر کوئی محرم — سب مجھ میں ہے کائنات عالم

غنچوں میں نہاں ہیں میرے اسرار — پھولوں میں عیاں ہیں میرے انوار

ذرّوں میں چمک ہے میرے دم سے — قطروں میں جھلک ہے میرے دم سے

ہر بام ہے کوہِ طور میرا — عالم ہے تجلیٔ نور میرا

ہے جسم میں سب کے جان مجھ سے — وابستہ ہے کل جہان مجھ سے

میں جسم بھی اور جان بھی ہوں — میں دل بھی ہوں میں زبان بھی ہوں

یعنی یہ جہاں نہیں ہے میں ہوں — میں کون و مکاں نہیں ہے میں ہوں

کعبے کی مرے سبب سے بنیاد
بت خانہ مرے قدم سے آباد

ناقوس کہیں، کہیں اذاں ہوں
نغمہ ہوں کہیں، کہیں فغاں ہوں

ہر قلب میں ہے، مقام میرا
فیضان ہے سب پہ عام میرا

حسن ایک نگاہ ناز میری
عشق، اک صفتِ نیاز میری

دریا، مری چشم تر سے پیدا
صحرا، مری خاک در سے پیدا

کیا ان کا بیاں کریں زبانیں
محدود نہیں ہیں میری شانیں

ہوش و خرد و ہوس سے باہر
میں اُن کی دسترس سے باہر

اک بحر ہے میرے ظرف میں گم
کُن میرے ہر ایک حرف میں گم

خود موت ہوں، خود حیات ہوں میں
خود ذات ہوں، خود صفات ہوں میں

سب اصل و مجاز میرے انداز
کونین کا راز میرے انداز

کھلنے پہ جو آئیں میرے اسرار
ادراک ہوں دو جہاں کے بیکار

اک بات میں سینکڑوں ترنم
اک چپ میں ہزار ہا تکلم

چہرے سے جو میں نقاب اٹھا دوں
پروانوں کو شمع سی جلا دوں

دامن کو اگر نچوڑ دوں میں — دریا کا غرور توڑ دوں میں

احساس کی آنکھ سے ہوں مستور — ادراک کی سرحدوں سے ہوں دور

کیوں کر ہوں مرے شمار، عالم — ہر سانس میں ہیں ہزار عالم

لیکن بخدا خدا نہیں ہوں — اس کفر میں مبتلا نہیں ہوں

یہ شانِ عبودیت ہے میری — خود ذات مری صفت ہے میری

پابندِ شریعتِ نبیؐ ہوں
خاکِ درِ دولتِ غنی[1] ہوں

(اعظم گڑھ)

۱؎ مرشدی و ملجائی حضرت مولانا قاضی سید عبدالغنی منگلوریؒ ۱۲ جگر

واسوخت در غزل

دل ہی کو صنم بنائیں گے ہم   آئیں گے کہیں نہ جائیں گے ہم
تجھ سے بھی سوا حسین بن کر   اپنا سا تجھے بنائیں گے ہم
وہ دن بھی قریب ہیں کہ ظالم!   تو رو دے گا مسکرائیں گے ہم
باطن ہیں ترے قریب رہ کر   ظاہر میں نظر نہ آئیں گے ہم
زندہ ہی رہے گی ہستیٔ عشق   مرنے پہ بھی مر نہ جائیں گے ہم
چھٹتا ہے کہیں ترا تصور   ساتھ آئے ہیں ساتھ جائیں گے ہم

کوئی جو نہیں، نہ ہو ہمارا   اللہ سے لو لگائیں گے ہم
تعمیرِ کنشتِ دل کو ڈھا کر   اک کعبۂ نو بنائیں گے ہم
رو پوش تری نظر سے ہو کر   پہروں تجھے یاد آئیں گے ہم
باطن میں ہو جو بھی دل کی حالت   ظاہر میں بہت ستائیں گے ہم

ہر بات میں کر کے بات پیدا جب چاہیں گے روٹھ جائیں گے ہم
بہلے دے کر، فریب وعدہ اُمیدِ کرم دلائیں گے ہم
پھر کر کے خرابِ شوق برسوں صورت نہ تجھے دکھائیں گے ہم
جنگل جنگل رُلانے والے! کونے کونے رُلائیں گے ہم
دیوانے کی بڑ سمجھ نہ اس کو جو کہتے ہیں کر دکھائیں گے ہم

بیزارِ جگر کی شرم رکھ لے
کہہ دے، ترے ناز اُٹھائیں گے ہم

(کرہل یمن پوری)

میرے لئے

اُف وہ روئے تابناک و چشمِ تر میرے لئے
ہائے وہ زلفِ پریشاں تا کمر میرے لئے

ہر نفس میں ایک دنیائے محبت نو بہ نو
ہر نظر میں اک پیامِ تازہ تر میرے لئے

حیف وہ لغزیدہ لغزیدہ قدم میری طرف
ہائے وہ دزدیدہ دزدیدہ نظر میرے لئے

وہ رُخِ رنگیں پہ انوارِ محبت زرد زرد
وہ لبِ نازک پہ طوفانِ شرر میرے لئے

سر سے پا تک آہ وہ اک پیکرِ حسنِ حزیں
چار جانب دیدۂ حسرت نگر میرے لئے

سرد سرد آہوں میں تاثیرِ محبت گرم گرم
خشک خشک آنکھوں میں جوشِ اشکِ تر میرے لئے

جوشِ غم، جوشِ حیا، آغازِ عشق، احساسِ حسن
کشمکش سی کشمکش آٹھوں پہر میرے لئے

سامنے آتے ہی آتے وہ تنفس تیز تیز
سینۂ شفاف وہ زیر و زبر میرے لئے

وہ سرک جانا یکایک روئے تاباں سے نقاب
حیرت افزا ذوقِ دیدار و دگر میرے لئے

ہر ادائے جاں نوازی حسن خیز و شوق خیز
پھر بھی ہر اک سعیِ پیہم بے اثر میرے لئے

آہ وہ آغوش تھی بیتاب آغوشِ دگر
اُف وہ دردِ شوق محتاجِ اثر میرے لئے

ہائے وہ رنگیں رخ و سیمیں تن و زریں کمر
ہائے وہ لعلیں لب و سلک گہر میرے لیے

شبنم آلودہ وہ آنکھیں وہ گلاب افشاں جبیں
وہ دھڑکتا دل وہ گھبراتی نظر میرے لیے

اس نگاہ ناز میں وہ ہلکی ہلکی جنبشیں
معنی بے لفظ و شرح مختصر میرے لیے

میں سراپا بے نیاز ربط و ضبط حسن و عشق
وہ مجسم حسن و عشق معتبر میرے لیے

وہ مری آزاد فطرت وہ مری تمکین ہوش
وہ شکست حسن وہ نیچی نظر میرے لیے

اول اول آہ وہ لینا مرے احساس عشق
آخر آخر اف وہ نوک نیشتر میرے لیے

لحظہ لحظہ وہ مرا مبہم سکوت مضطرب
لمحہ لمحہ عالم نوع دگر میرے لیے

اف وہ کہنا اس کا بھر باہوں میں ہاتھ ڈال کر
میں جگر کے واسطے ہوں اور جگر میرے لیے

(بلند شہر)

رباعی

صد شکر کہ پہلو میں مرے دل نہ رہا
وہ شیشۂ صد فریب منزل نہ رہا
یہ کیا کم ہے کہ تیرا بندہ ہے جگر
اس کا کیا غم کہ ترے قابل نہ رہا

(زائد)

بادۂ شیراز

(کلام فارسی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(الف)

اے کہ می پرسی ز کارِ ما و جہدِ کارِ ما ۔۔۔ چاک شد از دستِ ما ہر پردۂ اسرارِ ما

ما بیک نظارۂ نقش و نگارِ حسنِ خویش ۔۔۔ شاہدِ طنازِ فطرت، آئینہ بردارِ ما

صد حقیقت عرض میکرد اے سکوتِ بیخودی ۔۔۔ پردہ دارِ حرفِ مطلب شد لبِ گفتارِ ما

صد بہارِ خلد یعنی خندۂ دزدیدہ است

شورِ محشر چیست؟ غوغائے لبِ یارِ ما (فیروزپور)

بیا بجانِ ما ببیں سرورِ جاودانِ ما ۔۔۔ ہزار بادہ می چکد زجانِ ما بجانِ ما

شرابِ ساغرِ سبو گل و بہار آبِ جو ۔۔۔ دو صد جہانِ رنگ و بو نمودِ یک جہانِ ما

گلے و جامِ سرخوشی، خوشی و صد شگفتگی   شگفتگی و صد خوشی، ز سرخوشیِ شانِ ما

نسیمِ شکرِ غمم کند، وظیفہ ہم بہ دم کند   سرِ نیاز خم کند، بہ خاکِ آستانِ ما

بیا، بنوش جامِ مے، چہ جامِ مے؟ تمامِ مے   کہ ما داذنِ عامِ خویش است ارمغانِ ما

کنوں بہ سوئے ما نگر، بہ رنگ و بوئے ما نگر   بہ حسنِ روئے ما نگر، چہ حاجت بیانِ ما

بہ ہر زمیں کہ جستہ ایم، طلسمِ تازہ بستہ ایم
غرورِ ہا شکستہ ایم، گواہِ ما بیانِ ما

(غالباً جھانسی)

(ت)

آوارہ ہر نگاہ ز جرمِ نگاہ کیست؟ — دیدن گناہ ماست نہ دیدن گناہ کیست؟

دیوانہ وار جاں نفشاندن گناہِ من — بیگانہ وار رُخ نہ نمودن گناہ کیست؟

پیدا ز ہر نگاہ خریدم ہزار حسن — پنہاں بہ یک نگاہ ندیدم نگاہ کیست؟

مست اند اہلِ درد و نہ بینند یک نفس — در دامنِ نسیمِ سحر خاکِ راہ کیست؟

مطرب بزن سرود و بہ اندازِ دلبری — ایں دشنہ باز خواں کہ نگاہم نگاہ کیست؟"

سرمستیم ربودہ بسے دل ز سینہ ہا — عکسِ نگاہ پرتوِ زلفِ سیاہ کیست؟

عالم ہمہ نگاہ و صدائے ز ہر نگاہ — ایں عالمِ نگاہ، فریبِ نگاہ کیست؟

شغلِ گناہ کردن و رفتن گناہِ من — ذوقِ گناہ دادن و دیدن گناہ کیست؟

ساقی! بریز بادہ دا ز کیفِ سرمدی — آں ہم یکے نگاہ، اگر گویم نگاہ کیست؟

ہستی، تمام مستی و مستی، تمام کفر — دائم بہ جام و میکدہ کافر نگاہ کیست؟

صد نقشِ سجدہ تا درِ بتخانہ دیدہ ایم — ایں ہم جگر اشارۂ طرفِ کلاہ کیست؟

(مشاعرہ علیگڑھ — (مین پوری)

(۹)

بوئے دل از غبار می آید — شاید آں شہسوار می آید

این ندائے ز دار می آید — جاں فدا کن، کہ یار می آید

عشق در ہر دیار نالہ کند — حسن از ہر دیار می آید

سینہ خالی کنید از دل ہا — یار، بہر شکار می آید

مژدہ اے دل! کہ بہر استقبال — رحمتش بیقرار می آید

ہمنشیں را ز عشق می پرسد — نالہ، بے اختیار می آید

من بہ پنہاں جگر تلاشش کنم

او، مگر آشکار می آید

مست و سرشار و زہی بوئے صبا می آید — مژدہ اے دل کہ مسیحا، بہ شفا می آید

برو اے ناصح ناداں! مکن در بدنام — گر جفا ہا کشش مرا، بوئے وفا می آید

خواہ در صومعہ و خواہ بہ میخانہ بنگر!! — او، بہر رنگ کہ خواہی، بخدا می آید

دلم از سوزِ تغافل ہمہ تن شعلہ بجانست   در کنم شکوہ، ازاں نیز حیا می آید

دیدن ایں نیست کہ جان تازہ چرا کردیم

دیدن، اینست کہ آخر نہ کجا می آید

لب بہ بستند و بہرے زبانم دادند   پا شکستند و بہر سوئے نشانم دادند

تاب از دل بربودند و فغانم دادند   تیر از دست بہ بردند کمانم دادند

دل سرگشتہ و چشم نگرانم دادند

آنچہ دادند بہ شورشِ جانم دادند

گویند، کہ ہم زاہد و ردیدہ بصر دارد   دارد بصرے، اما تعیین نظر دارد

از ذات و صفاتِ او، آنکس کہ خبر دارد   ہر لحظہ و ہر ساعت دنیائے دگر دارد

بے کیفیِ دردِ عشق، صد کیف و اثر دارد   زیں سر نہاں لیکن ہر کس نہ خبر دارد

زیں اصل و نزاکت ہا، زاہد چہ خبر دارد؟   کو حسنِ نظر دارد و جنت بہ سقر دارد

آں کس کہ بجویش آمد در بیخبری گم شد   داں کس کہ ز خود گم شد از جملہ خبر دارد

لرزیدن و رقصیدن اے صوفی بی معنے!   ایں جملہ کہ تو داری، ہر شعبدہ گر دارد

در عینِ وصالِ او، یا بم اثرِ دوری — اے پیرِ رہِ عشقم! ایں پردہ، کہ بردارد؟

از حسنِ عمل غافل یک لحظہ مباش اے دل! — ہر شے کہ تو می بینی، واللہ کہ نظر دارد

مفتی بحقِ منصور بنوشت عجب فتوی — "کافیست پئے قتلش ایں جرم کہ سر دارد"

آں مے، کہ بہ میخانہ، آتش زند اندر دل — در خانقہِ زاہد تاثیرِ دگر دارد

در عینِ فنائے عشق از خضر چہ کار اے دل؟ — ایں رہ کہ بہ پیمایند، از سایہ حذر دارد

من عاشقِ آں شوخم، کو از سرِ محجوبی — مانوس دلے دارد، بیگانہ نظر دارد

با جملہ قدح خواراں، ہر چند کہ ربطے ہست — با دُردکشاں ساقی پیمانِ دگر دارد

در عاشقی و مستی ہشیار بیا اے دل! — ہر ذرہ دریں صحرا، طوفانِ شرر دارد

آں رندِ خراباتت، نامش کہ جگر خوانی

بر روئے صفائے تو" ہم از تو نظر دارد" (بدایوں)

کسے، کو چشمِ بیدارے ندارد — ز انوارِ خودی کارے ندارد

جنونِ عشق، اے دل! مستند نیست — اگر ہر آبلہ خارے ندارد

جنونِ عشق، ما را قید کردست — در آں زنداں کہ دیوارے ندارد

دل بہ تمنا بمرد، جان بہ مسیحا رسید   ذرہ بصحرا برفت، قطرہ بہ دریا رسید

این غم دنیا و دین تا بہ کجا روز و شب

خیز! کہ بادِ بہار، بادہ و مینا رسید

خبرے ہیچ، ز منزل گہ جانان نہ رسید   عمر آخر شد و افسانہ بپایاں نہ رسید

از شبابش شراب می ریزد   ز آفتاب، آفتاب می ریزد

عجب ہنگامہ، زیر بام کردند   تماشا خاص و سودا عام کردند

تنگ ظرفی، خمارے کرد پیدا   مے دوشینہ را بدنام کردند

(ر)

در رهِ عشق شادمان بگذر! — هم جوان خیز و هم جوان بگذر!!

پرده بردار! از رخِ عالم — وانداراں بزم ناگہاں بگذر!!

گاه نعره کناں و دست بروا — گاه، با ناله و فغاں بگذر!!

سینه بشگاف و جلوه حاصل کن! — جان بکف آر و از جہاں بگذر!!

گر تو داری ہوائے ملکِ حبیب — خیز و از قیدِ جسم و جاں بگذر!!

پا بجولاں بہ پیشِ یار بروا — دست افشاں ز این و آں بگذر!!

رہِ منزل شدست خارستاں — باز با چشمِ گل فشاں بگذر!!

درد اگر نیست ناله سنج مشو! — گر مکیں نیست از مکاں بگذر!!

لطفِ نظارهٔ جمالِ حبیب — حاصل ار نیست ہم ازاں بگذر!!

ہم چو نقشِ قدم بگرد نشیں
صورتِ گردِ کارواں بگذر!! (اعظم گڑھ)

(ش)

کعبہ در پائے یار دیدم دوش — ایں چہ گفتی جگر! خموش خموش

حُسن پنہاں بجلوہ ہاست بجوش — اصل خاموش و فرعہا بخروش

ہوش در مستی است و دل مدہوش — نغمہ در ساز و ساز ما خاموش

محرم آمد ایں ندا ز سروش — سینہ بخراش و بیہُدہ مخروش

از رہِ خانقہ گزشتم دوش — خاست ناگہ صدائے نوشانوش

دل پریشاں حواس و حسنِ نیاز — شیشہ نازک تر است و بادہ بجوش

اے اسیرِ تعینات جہاں — تو چہ دانی، کہ چیست مستی و ہوش؟

بادہ پیش آر! تا کنم آغاز — داستاں ہائے عشقِ آفت کوش

حُسن در جنگِ زرگری است بہ عشق — عشق را گو! کہ وا کند آغوش

عشق در بے لباسیم فرمود — "بجز ایں دیگرے لباس مپوش"

بے خبر رو! کہ ہوش در مستی است — ہوشیار آ! کہ بیخودی است بہ ہوش

این بود، جسم ما شود بے حس آں مبادا، کہ جاں شود خاموش

گفتہ بودم، فسانہ از مستی تو شنیدی چرا ز عالم ہوش؟

قاضیا[1]! یک نظر بسوئے جگر

آں، کہ، یک خادم است و حلقہ بگوش

شب مہ است و لب جوئے و فتنہ ہا خاموش

بگیر! جام بگیر و بنوش!! بادہ بنوش!!

---

[1] مراد ذات اقدس مولائی و مرشدی حضرت مولانا الحاج قاضی سید عبد الغنی شاہ صاحب منگلوری، نور اللہ مرقدہٗ ۱۲ جگر

(ل)

آں کیست نہاں در غم؟ ایں کیست نہاں در دل
دل رقص کناں در غم، غم رقص کناں در دل

جاں از دل و دل از جاں، بیگانہ و مستغنی
گاہے بہ چنیں در جاں، گاہے بہ چناں در دل

سیری ز غم عشقش از وصل نشد ہرگز
صد شوق ہماں در جاں صد ذوق ہماں در دل

ہر انچہ نہانست ایں، سازند عیاں بر خلق
ہر انچہ عیان ست آں، گردند نہاں در دل

(اعظم گڑھ)

(م)

دل عطا کن! تا درونش دردها پیدا کنم — دیدہ دہ!! تا برونش کربلا پیدا کنم

از جلالِ غیرتت، صد طورہا برہم زنم — وز جمالِ رحمتت، صد جلوہ‌ہا پیدا کنم

گہ ز خونِ خلقِ خود، برپا کنم شورے کہ تا — گہ ز چاکِ سینۂ خود برق‌ہا پیدا کنم

گہ ز بارنگیِ صورت، در جہان آتش زنم — گہ ز بے‌رنگی نسبت، رنگ‌ہا پیدا کنم

بیخودی در دہ! کہ مستانہ شوم بر تو فدا — وز خودی بگزار ما را، تا خدا پیدا کنم

در زبانِ بے‌زبانی، ماجرائے گفتنیست — حکم فرما!! تا صدائے بے‌صدا پیدا کنم

یک نگاہ کارفرما از جہانِ دلبری — کز فنائے خویشتن، ملکِ بقا پیدا کنم

الفراق اے دل! کہ بہر دردمی باید کشال — الوداع اے جان!! کہ بہر یار جا پیدا کنم

یک دمے بگزار ما را، از نصیحت اے جگر

تا ز آہِ مضطرب، دستِ دعا پیدا کنم (اعظم گڑھ)

اے دیدہ اگر خواہی! آبے ز تشکر ہم — آہستہ بریز! آبے، تا لب نہ شود تر ہم

داریم، بہ دل چیزے نازک ز گلِ تر ہم — اے موجِ نسیمِ صبح زیں طرز سبک تر ہم

او عینِ لطافت ہست شاید نہ شود برہم — اے عاشقِ نظارہ! دیدار سبک تر ہم

آں مے، کہ بسے خوردم، زیں بیش ہمی بوید — اے واعظِ خوش نیت! برخیز! از کوثر ہم

ایں موجِ نسیمِ صبح، دل را کہ بجنبانید — می داشت مگر نسبت زاں زلفِ معنبر ہم

دل داشت بسے غم ہا، دیدم مگر آخر — تاراجیِ افسر ہم، بربادیِ لشکر ہم

در سایۂ زلفِ او چوں رفت ز خود گم شد — آں آہ، کہ باز آمد زیں گنبدِ بے در ہم

تنہا نہ منِ بے دل در ہجرِ تو رنجورم — صد خوں بہ فلک دیدم، از دیدۂ اختر ہم

زاہد بہ نماز و حج یک جلوہ ز دورش یافت — من عکسِ رخش دیدم نزدیک بساغر ہم

اے اہلِ وفا بشنید! ایں طرفہ جفائے او — کآتش بزند در دل، در آب کند تر ہم

خاموش فغانے کن! ہر معنیِ زبانے کن!!

زیں طرح جگر مخروش! تا دانہ کند در ہم

(اعظم گڑھ)

نذرِ عقیدت

بحضور مرشدی و مولائی الحاج قاضی سید عبدالغنی شاہ صاحب منگلوری نوراللہ مرقدہٗ

مست و سرشار و غزلخواں می روم ‏ ‏ ‏ از سرِ جاں، سوئے جاناں می روم

جام در دست و صراحی در بغل ‏ ‏ ‏ با چہ ساز و با چہ ساماں می روم؟

عشق دشوار ست و شوقم رہنما ‏ ‏ ‏ راہ پرخار ست و آساں می روم

یوسفِ گم گشتہ ام مصرِ عشق ‏ ‏ ‏ باز سوئے پیرِ کنعاں می روم

در بلائے عشق خود را کردہ گم ‏ ‏ ‏ در ہوائے شوق رقصاں می روم

دل بسویش بستہ، فارغ از جہاں ‏ ‏ ‏ رُخ بسویش کردہ حیراں می روم

مستیِ عشقت ببا در روئے دوست ‏ ‏ ‏ ہم بکفر و ہم بایماں می روم

معنیِ عشق است، ترکِ ہر مطلب ‏ ‏ ‏ من بہ غم ہائے فراواں می روم

جاں ہمہ غم ساختہ، رقصم بہ عشق ‏ ‏ ‏ دل ہمہ خوں کردہ خنداں می روم

خاکِ منگلور[۱] است چوں دامن کشاں
از دو عالم دست افشاں می روم (لکھنؤ یا گونڈہ)

صدمۂ انتظار را چہ کنم؟ چہ کنم؟ جانِ زار را چہ کنم؟
کردم از روزگار قطعِ نظر کششِ روزگار را چہ کنم؟
او بکار است و ہم جہاں درکار دلِ ناکردہ کار را چہ کنم؟
توبہ کردم ز مے پرستی، لیک ابر و بادِ بہار را چہ کنم؟
ترکِ یاریِ یار آساں است مشکل اینست یار را چہ کنم؟
بوئے آں پیرہن بیار، نسیم!! بوئے باغ و بہار را چہ کنم؟
یار در باغ و من بہ صحرا مست دلِ وحشت شعار را چہ کنم؟
روئے رنگیں یار من بنما ساغرِ زرنگار را چہ کنم؟
او بخواب است و فتنہ ہا بیدار حسرتِ بے قرار را چہ کنم؟
ضبط چیزے است ناصحا لیکن دردِ ہمت شکار را چہ کنم؟

[۱] منگلور ضلع سہارنپور آستانۂ حضرت مرشدی و مولائی قدس سرہٗ ۱۲ جگر

آں گل و آں بہار ما را بس　　ایں گل و ایں بہار را چہ کنم؟

ہجر دشوار و وصل آساں تر　　لیک آئینِ یار را چہ کنم؟

موجِ خوں از سرم گزشت جگر

من لبِ جوئبار را چہ کنم؟　　(اعظم گڑھ)

من کہ آزار کشِ غمزۂ خوں ریز توام　　معذرت خواہِ نگاہِ کرم آمیز توام

شادم از لذتِ دیدار و ز سرمستیِ شوق　　بیخبر از اثرِ حسنِ دلاویز توام

نگہِ لطف بفرما، بہ من زار کہ من

نو گرفتارِ خمِ زلفِ بلاخیز توام

(ن)

بنشیں بخیالِ او، وز درد یک آہے کن

زاں بعد، ز سر تا پا بر خویش نگاہے کن

زلف از رُخ خود بردار! وز لطف نگاہے کن

یعنی شب تارم را، رشکِ شب ماہے کن

(۵)

مطرب بزن!! سرودے ساقی! بیار!! بادہ — تا جاں شود منوّر تا دل شود کشادہ

در شوقِ آرزویت سرگرمِ جستجویت — ہم عاشقانِ رنگیں ہم زاہدانِ سادہ

جسمے ز خونِ عاشق عشقے و خوئے تسلیم — او تیغ ناز در کف من سر بپا نہادہ

دل ہا کہ تیرہ گشتند از زنگ کفر غفلت — روشن نمی تواں کرد، آں از نور بادہ

چوں در بہشت رفتم دیدم ہمیں تماشا — زہاد خشک و خشک و حوران سادہ سادہ

در کوئے مے فروشاں دیدیم زاہداں را

سجادہ رہن کردہ، تقویٰ بباد دادہ (اعظم گڑھ)

اے کہ ز روئے عاشقاں پردہ برخ کشیدۂ! — جامۂ صبر و عقل و ہوش از ہمہ جا دریدۂ!

از دلِ من نہاں مشو! اے کہ تو جانِ عاشقی!! — از نظرم نہاں مشو! اے کہ تو نورِ دیدۂ!

بے خبرم ز خویشتن ورنہ تو صد ہزار بار

گاہ ز جاں گزشتۂ، گاہ بہ دل رسیدۂ

(ی)

نذر عقیدت بحضور اقدس مولائی و مرشدی قدس اللہ اسرارہٗ

دیدیم بہ میخانہ پیرے ز جواں دلی — مژگانش ازو تیر و ابرو ز کماں اولے

از عشرت بی عشقت صد آہ و فغاں و لے — ایں درد کہ تو دادی واللہ کہ ز جاں اولے

از بار گہ حسنش یک شمہ بپرس از من — راز لیست کہ می فہمد چشم نگراں اولے

ایں یک ستم ظاہر خوش تر ز ہزاراں لطف — واں یک نظر پنہاں از ہر دو جہاں اولے

صد سود بمن گفتی از ترک غمش ناصح! — ایں نکتہ نہ فہمیدی! در عشق زیاں اولے

از قربت او دوری ہر آنچہ بہ پسندی — حقا کہ ہماں خوش تر حقا کہ ہماں اولے

ہر چند دریں رفتے تمکین تو ہم خوب است — در مصلحتم لیکن مستی ست ازاں اولے

ایں نظم جگر گفتی یا گل گفتی یا در سفتی

ہم رنگ زباں بہتر ہم حسن بیاں اولے

(اعظم گڑھ)

مست است جگر از مے مست مے ناب اولے — او خانہ خرابے ہست و خانہ خراب اولے

من طالب آزارم، آرام نمی خواہم — بر جان من خستہ صد گونہ عذاب اولیٰ

از خرقہ و عمامہ، من ہیچ نمی دانم — گہ گہ، مگر ایں ساماں در رہن شراب اولیٰ

در آرزوِ بحرے می پویم و می جویم — زیں موجہ و زیں دریا، ما راست سراب اولیٰ

بسیار بدم گفتی، و ز من بشنو واعظ! — از ہر دو جہانِ تو یک جام شراب اولیٰ

من عاشق شیدایم، از غیر ندارم کار — کز دہر فلک از تو، صد چشم عتاب اولیٰ

من ساغر می در کف، مطرب تو بخواں بر دف — صد توبہ و صد طاعت غرق مے ناب اولیٰ

تا کے جگر ایں مستی بشنو سخن حافظ

رندی و خراباتی، در عہد شباب اولیٰ (اعظم گڑھ)

اے! آنکہ بہم کردہ ہشیاری و سرمستی — یک جرعہ خدا را دہ زاں میکدہ ہستی

غافل ز دلم منشیں اے جانِ سر مستی — صد نغمہ بر انگیزد سازے کہ تو بشکستی

صد حسن دراں پنہاں، صد جلوہ ازاں پیدا — قربانِ نگاہِ تو، نازم بایں مستی

از اولِ گامِ عشق، کردیم نثار حسن — دنیا و غمِ دنیا، ہستی و غمِ ہستی

گہ تا فلک اندیشم، گہ بیخبر از خویشم — گاہے بجہاں ہیچے گاہے بچنیں مستی

آں رندِ خراباتے نامش کہ جگر خوانند

صد ہوش بجاں دارد با ایں ہمہ سرمستی (بادہ ہنگی یا گونڈہ)

گر از سرے بیایم، صد عمر جاودانی
بر من حرام بادا، اے دوست زندگانی

ہیچ است زندگی وا اسباب زندگانی
بگزار تا بسوزم ایں پردہ ہائے فانی

کارے ست مشکل، اما اے آں کہ تو دانی
در یاب زندگانی، از اصل زندگانی

عمرے ست فانی، اما سرے ست جاودانی
اے گوشہ گیر خلوت! ایں نکتہ ہا چہ دانی؟

یک جام تند ساقی! تا فاش فاش گویم
زاہد خبر ندارد از اسرار زندگانی

ہم از برائے قتلش دست قضا ست پنہاں
پیری کہ در ربود دست تاج از سر جوانی

ایں نہ رواق اخضر در پائے او فگندہ
کو ہیچ شے ندارد جز درد جاودانی

من نیم ابتدائے عشقت کاہیدہ تر ز کاہم
طاقت کجا، کہ چینم گل از رخ جوانی

عشقم چہ کار کرد و حسنت چہ گل شگفتہ
ایں راز اولیں ست من دانم و تو دانی

ہر روز فیض گیرم از روح قدس حافظ
بر من جگر گواہ است ایں جوش ایں معانی (اعظم گڑھ)

هر دم ز نازِ تازه با عاشقان به بازی   گاهی ز دل گدازی گاهی ز جان نوازی
ای آنکه یک اشارت صد عقده ها کشاده   رحمی بحال ما هم شاهنشهِ حجازی

برخیز و از سرِ صدق در راه او قدم زن
تا کی جگر به مستی تا کی به عشق بازی

فارغ ز خزانی و هم از باغ و بهاری   مائیم و خیالِ رخ خورشید نگاری
دیدم به درِ دیر عجب شعبده کاری   میخانه بدوشی و گلستان بکناری
بربادی ما پرس ازان سینه فگاری   در علمِ بهاری که جدا شد ز بهاری
چیزی منگر بر تنِ لاغر ز بهاری   افسانهٔ ما پرس ز نوکِ سرِ خاری
تقسیم به هولی من درد یم طرفِ عقل   دشمن بهی بینی و نگاهم به یساری
یک داغ ز آزار تبِ عشق به سینه   این ست خزانی و همین ست بهاری
اشکم سرِ مژگان ست که شبنم بسرِ شاخ   شبنم سرِ شاخ ست که منصور بداری
صد بار گذشتیم ز هر مرحلهٔ عشق   حیرت بجهان طرز و آئینه داری
بلبل همه تن خس شد و گل شد همه تن چاک   ای وای بهاری که اگر این ست بهاری

اغیار بدل خندہ زن و دل تبو مشغول — خلقے پس دیوانہ و دیوانہ بکارے

اے خسرو خوبان! نظرے کن ز سر مہر

افتادہ بہ کویت جگر سینہ فگارے

(اعظم گڑھ)

سحرم ندا بر آمد ز حجاب ہائے رازے — کہ "حریم ماست بالا ز حقیقت و مجازے"

برسان صبا پیامم بحبیب دلنوازے — "کہ ز حد گزشت شوق و غم عشق جانگدازے"

بہوائے عیش تا کے، تو چہ ابگاہ نانے — کہ ز سوز درد مندان ہمہ عالم است بیازے

تو مرا بگو کہ جانان چہ کنم بجان زارے — کہ تمام معنی جسمم ز غم است نے نزارے

ہمہ شہر فتح گشت و بہمان نیاز و نازے — دل غزنوی اسیر خم طرۂ ایازے

بہ میان جان و جانان چہ قیامت ست رازے — رخ او نظارہ سوزے دل من نظارہ سازے

ہمہ جلوہ عکس رویت ہمہ نغمہ گفتگویت — زہے باصرہ فروزے زہے سامعہ نوازے

زنوائے کفر خیزم ہمہ کعبہ بت نہفتہ — زادائے سجدہ ریزم ہمہ بتکدہ مجازے

تو ز خاک پا حذر کن کہ دریں مقام وا غلطا! — دل ناز شعلہ گیرد ز تجلی نیازے

جگر حزیں چہ نازی بمتاع خدریہ دل — تو سپر کار خود کن بخدائے کار سازے

(اناؤ)

من بر است گویم دارم گلِ جوانے — گلچیں! اشارہ فرما بلبل! بدہ نشانے

آن جام ہوش در کف این پائے عقل در گل — آن ست عشقِ جاناں این ست عشق جانے

اے جان بیقراراں! ناگہ ز در درِ دل آ — کز سوز اشتیاقت کار آمدہ بجانے

ہمت اگر تو داری، در عشق کوش اے دل!

ایں جان تازہ برگیر از بارگاہِ جانے

شب میکدہ چو رفتم، دیدم عجب بہارے — ساقی ست مست و بیخود رند است ہوشیارے

در شوق ماہ روئے دریادِ گلعذارے — ہر جا نظر فگندم دیدم بہشت زارے

شوقے و دید وصلے، صبحے و ہجر یارے — ساقی! بدہ پیالہ، تا بشکنم خمارے

دیروز بر درِ دیر دیدم عجب نگارے — پیمانہ در نگاہے، میخانہ در کنارے

آنجا کہ نیست ساقی! اندیشۂ خمارے — زاں میکدہ عطا کن یک جام زرنگارے

ہشیار رہ مگر ز اے دل! در راہِ عشق و مستی — ہر موجِ مے دریں جا بحریست بے کنارے

رازے عجب شنیدم از عاشقے کہ می گفت — ہائیم و ہجر وصلے، وصلے و ہجر یارے

در عاشقی و مستی مگریز از ملامت — کایں خاکِ راہ کوشش تا چیست زرنگارے

ہر قطرۂ کہ بینی در آب زندگانی ہم موج و ہم سفینہ ست ہم بحر و ہم کنارے

آں را کہ شرح کردند۔ این ست کُل فسانہ

منصور بود شخصے مشہور شد ز دارے (اعظم گڈھ)

تو اے، کو نرگسِ مستانہ داری بیک ساغر عجب میخانہ داری

مِن بے دل نہ تنہا عشق خیزم تو ہم افسانہ در افسانہ داری

سراپا

(ناتمام)

دل بُرد از من دیروز شامے — فتنہ طرازے، محشر خرامے

روئے بہ بینش، صبحِ تجلّی — لوحِ جبینش، ماہِ تمامے

مشکیں خطِ او، سنبل بہ گلشن — لعلیں لبِ او، بادہ بہ جامے

چشمے، کہ کوثر یک جرعۂ او — قدّے کہ طوبیٰ اش ادنیٰ غلامے

عارض، چہ عارض! گیسو، چہ گیسو — صبحے، چہ صبحے! شامے، چہ شامے!

آں تیغِ ابرو، واں تیرِ مژگاں — آمادہ ہر یک بر قتلِ عامے

برقِ نگاہش، صد جاں بہ دامن — زلفِ سیاہش، صد دل بہ دامے

ہر عشوۂ او، شیریں مقالے — ہر غمزۂ او، رنگیں پیامے

از جنبشِ لرزاں لرزاں دو عالم — در زلف برہم، برہم نظامے

گاہے بہ مستی، طاؤس رقصاں — گاہے بشوخی، آہو خرامے

از بارِ مینا، لرزشے بدستے   وز کیفِ صہبا لغزش بگامے

گفتم، چہ جوئی؟ گفتہ دل وجاں

گفتم چہ خواہی؟ گفتہ غلامے

(ہرپادان ضلع رائے بریلی)

پیرویِ صحابہؓ کُن، اُسوۂ پنجتن نگر

خطاب بہ مسلم

چشم کشا د جانبِ رزم گہِ وطن نگر — مقتل کانپور بیں لاشۂ بے کفن نگر

خونِ حیاتِ سو بسو، خاک سرشتہ مو بہ مو — حلق بُریدہ کو بکو، بچہ و مرد و زن نگر

عشق نظارہ ساز را آہ ز برق خانماں ببیں — حُسنِ نظارہ سوز را شعلہ بہ پیرہن نگر

بر تنِ حسنِ نازنیں، آہ ز فرق تا قدم — زخمِ شفق شفق ببیں، داغِ چمن چمن نگر

دیدۂ عشوہ زا کجا؟ خفتہ بخوابِ مرگ بیں — شوخیِ رنگِ رُخ کجا؟ سرخیِ پیرہن نگر

طفل و جوان و پیر را صف بصف و بہم بہم — دست جدا ز ساعد و فرق جدا ز تن نگر

بچۂ شیر خوار را پیشِ نگاہِ مادرش — چاک ز سینہ تا کمر، کشتہ و بے کفن نگر

حاکمِ شہر را کہ بود، ثانیِ شمر بالیقیں — آہ، بجائے قید و قتل، سیر کنِ وطن نگر

باز بیا بہ آگرہ، دجلۂ خوں نظارہ کن — باز برد بہ کاشمر، کشتن و سوختن نگر

حیف برین نتیجۂ نظم و نظام ذہنیت　　تیغ جفائے ہم وطن بر سر ہم وطن نگر

ہائے ازین گزندگان وائے ازین درندگان　　ہند و بہار، ہند را بسمل و خستہ تن نگر

تازہ بتازہ خونِ خلق موج بموج جوئے خوں　　نعرۂ حریت شنو آں لب و این دہن نگر

آں ہمہ ہاکہ بنگری واں ہمہ ہاکہ بشنوی　　پردہ بسوز و صورتِ بانیِ صد فتن نگر

اے اکہ تو حق نہادۂ مسلم پاک زادۂ
در چہ بلا فتادۂ؟ خیز و بخویشتن نگر

دشمنِ آدم، آدمے ہم سخنے نہ ہمدمے　　چشم کشا و دیدہ مے فتنۂ اہرمن نگر

آں ہمہ لغزش و خطا ایں ہمہ سازش و دغا　　خلوتِ اہلِ دل ببیں جلوتِ اہلِ فن نگر

بدعت و شرک و افتراق فسق و فجور و سہم نفاق　　جملہ بہ حسنِ اتفاق، ہمدم و ہم سخن نگر

گاہ بہ کسوتِ طبیب رشتۂ اجل نظارہ کن　　گہ بہ لباسِ راہبر صورتِ راہزن نگر

نے خبر از حقیقتے نے اثر از شریعتے　　یک سخنے ازاں بپرس یک نگہے بمن نگر

خدمت بے سبب کجا، طاعتِ خاص رب کجا؟　　سادگیِ عرب کجا، خیز و در انجمن نگر

آتشِ قہر آشکار، برقِ عناد شعلہ بار　　صورتِ شیخ را ببیں سیرتِ برہمن نگر

خیز و بیا نظارہ کن دل ہمہ پارہ پارہ کن — شوکتِ رفتہ را مجو عبرتِ انجمن نگر

جسم ز فاقہ زار زار روح ز درد بیقرار — مادرِ ہند اشکبار مفلسیِ وطن نگر

وجہ ز مفلسی مپرس سیم و زرِ وطن مجو

رخ بنما بہ لندن و سیم و زرِ وطن نگر

جرم و خطا رعایتے، عذر و دغا حکایتے — جورِ فرنگیاں مپرس دار ببیں رسن نگر

گاہ برسمِ معدلت شانِ نظر نظر ببیں — گہ بجبینِ خسروی طرزِ شکن شکن نگر

گاہ دیارِ شہر دیہہ شورشِ دار و گیر بیں — گاہ برو بہ سرحد و اذنِ بزن بزن نگر

جدّتِ افتراق بیں ندرتِ اتفاق بیں — فطرتِ حیت و حیات بیں حکمتِ علم و فن نگر

شانِ عمارتے ببیں طرزِ سیاستے ببیں — ایں ہمہ لعنتے ببیں واں ہمہ بر وطن نگر

گاہ بہ لب شکایتے، گہ ز غلام زادگاں — دعویٔ آشتی شنو نازشِ حسنِ ظن نگر

نغمۂ سرمدی کجا؟ جلوۂ احمدی کجا

سایۂ ایزدی کجا؟ غصۂ اہرمن نگر

شکوۂ غیر تا کجا قصۂ جور تا بکے — آنچہ بخویشتن گذشت آہ ز خویشتن نگر

مسلمِ ہندزادہ، پندبگیر و گوش کن انچہ بخویشتن گذشت آہ زخویشتن نگر

ہمتِ دل بجوش آر جاں ہمہ در خروش آر پیروی صحابہؓ کن، اسوۂ پنجتن نگر

فلسفہ سنجیٔ علل این ہمہ وحشت و خلل زود بکوش در عمل، باز بخویشتن نگر

بادِ مرادمی وزد، سبزہ و غنچہ می دمد رشحۂ فیض می چکد، رحمتِ ذوالمنن نگر

ساغرِ جہد نوش کن، طاعتِ می فروش کن

باز روش روش خرام، باز چمن چمن نگر

(ذکر علی بیدپوری)

دیکھتے رہے

جلوہ بقدر ظرف نظر دیکھتے رہے
کیا دیکھتے ہم ان کو مگر دیکھتے رہے (جگر)